والدینِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مع (رسالہ)

قبر کے احکام و آداب

کوکب نورانی اوکاڑوی

ضیاء القرآن پبلی کیشنز
لاہور ۔ پاکستان

والدین رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم

مع (رسالہ)

قبر کے احکام و آداب

کوکب نورانی اوکاڑوی



ضیاء القرآن پبلی کیشنز

لاہور — کراچی ○ پاکستان

نام کتاب	والدین رسالت مآب ﷺ مع (رسالہ) قبر کے احکام و آداب
مؤلف	کوکب نورانی اوکاڑوی
مرتبہ	مولانا اوکاڑوی اکادمی العالمی ۵۳۔بی سندھی مسلم ہاؤسنگ سوسائٹی کراچی، ۷۴۴۰۰
تاریخ اشاعت	مارچ 2001ء
تعداد	ایک ہزار
قیمت	-/100روپے
پرنٹرز	LGP لائف گارڈ پرنٹرز، 4-ٹیپ روڈ، لاہور

ملنے کا پتہ

ضیاء القرآن پبلی کیشنز

داتا دربار روڈ، لاہور۔ 7221953

9۔الکریم مارکیٹ، اردو بازار، لاہور۔7225085-7247350

فیکس:۔042-7238010

14۔انفال سنٹر، اردو بازار، کراچی۔ فون:۔021-2630411

e-mail:- zquran@brain.net.pk

Website:- www.ziaulquran.com

مابین

چند روز ہوئے سماعت پر یہ بجلی گری کہ نبی کریم ﷺ کی مقدس و مطہر، طیبہ و طاہرہ والدہ ماجدہ، سیدہ کائنات حضرت آمنہ سلام اللہ علیہا کی قبر انور نہ صرف مسمار کر دی گئی بلکہ بے دینوں نے اسے اکھاڑ دیا اور جسد اقدس وہاں سے نکال دیا۔ الامان! یقین نہیں آتا کہ ایسا ہوا ہے......! بچشم خود دیکھ کر آنے والے گواہوں نے احوال سنایا اور اخبارات میں احتجاج کی کچھ خبریں بھی شائع ہوئیں، حرمین میں موجود احباب سے رابطہ ہوا، سبھی نے اس حادثہ فاجعہ کے وقوع پذیر ہونے کی تصدیق کی......خون کھولا، آنسو بہے......اہل ایمان کے سکوت پر دل دکھا......

ایسی جسارت و شرارت تو کفار مکہ تک نے نہیں کی اور وہ ارادہ ظاہر کرنے کے باوجود اس مذموم فعل سے باز رہے اور ڈرے مگر افسوس کہ خود کو مسلمان کہلانے والوں نے یہ ظلم ڈھایا! اس سانحے کے مجرم یقیناً دنیا و آخرت میں اس کی شدید سزا پائیں گے...... لیکن ہمارے حکمرانوں کو کیا ہوا؟ ان کی ماؤں کی قبر کے ساتھ کوئی ایسا کرتا تو یہ کیا یوں ہی لہو و لعب میں مگن رہتے؟ مسلم حکمران سب مہر بہ لب ہیں، کیوں؟...... شاید اغیار نے ان کی غیرت کو موت کی نیند سلا دیا ہے۔ یہ اپنے دشمنوں کے نمک خوار ہیں، ان کے نمک حرام نہیں ہو سکتے۔ یہ پیزا ہٹ...... کے ایف سی...... مک ڈونلڈ کے ذریعے جو کچھ مسلمانوں کے خون میں اتارا جا رہا ہے، اس کے بعد ان مسلمانوں سے غیرت و حمیت کی توقع عبث ہے۔ مشتبہ ناپاک غذا کے بعد تو اولیاء کی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔ دشمنان اسلام مشکوک غذا مسلمانوں کو کھلا کر انہی سے مال کما کر اس کمائی سے انہی کے خلاف برسرپیکار ہیں...... ڈش اور کیبل سے جو ٹی وی چینلز دکھائے جا رہے ہیں وہ تفریح و تعلیم کے لئے نہیں بلکہ ذہن و فکر سے ایمان و روحانیت ختم کرنے

کے لئے ہیں، معاشرے سے شرم وحیا اور اقدار مٹانے کے لیےہیں مگر ہمارے حکمرانوں
کو تو نشہ اقتدار نے بدمست کر رکھا ہے...... خود ہمارے معاشرے کے اخلاقی انحطاط کا
یہ حال ہو گیا ہے کہ اب کوئی سچ بولے تو اس کی دماغی حالت پر شبہ ہوتا ہے۔ ایمانی
تشخص ہی نہیں، ہم اخلاقی اقدار کو بھی غیر اہم سمجھنے لگے ہیں۔ دین و مذہب اب شاید
جبری قانون سمجھا جاتا ہے اور گناہ کو گناہ کہنا بد تہذیبی شمار ہوتا ہے ...... یہ جاہلیت
اخریٰ ہے...... انسان، انسانیت سے پھر خالی اور عاری ہو رہا ہے۔ ایسے میں حکمرانوں
سے کوئی توقع کرنا ہی حماقت و غلطی ہے۔ اب دنیا میں زر اور زور کی حکمرانی ہے اور جو
جتنا شاطر ہے اتنا ہی پسندیدہ ہے۔ اب بداطوار کے جرم نہیں، اس کی حیثیت دیکھی
جاتی ہے اور صاحب حیثیت اور زور آور کا ہر جرم روا سمجھا جاتا ہے۔

کچھ دردمندوں نے اس سانحے کو تازیانہ سمجھا اور انہوں نے اپنی حیثیت اور ایمانی
غیرت کے مطابق اس ظلم کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی...... اخباروں نے کمرشل
ازم کو صحافت پر ترجیح دی ہے، ان کا کہنا ہے کہ دینی خبروں یا شخصیات کی کوریج ان کے
اخباروں کی اشاعت نہیں بڑھاتی۔ انہیں کسی گلوکارہ کی بیماری کی خبر نمایاں اور بار بار
شائع کرنے سے جو رغبت ہے وہ رسول کریم ﷺ کی والدہ محترمہ کی قبر شریف کی بے
حرمتی کی خبر سے نہیں...... "پالیسی" کے بہانے وہ دس عذر تراشتے ہیں، اس سے یہ
تاثر ہو گا، وہ ہو گا، یوں ہو جائے گا، ہمیں اشتہار نہیں ملیں گے، ہمارا اخبار اُن ملکوں میں
نہیں جا سکے گا، پابندی لگ جائے گی...... یہی کمزوریاں، یہی عذر ہائے گوں ناگوں ہی
ہمارے دشمنوں کی محنتوں کا نتیجہ ہیں۔ ہمیں اور رونا کس بات کا ہے! ہم غلام ہی رہے،
آزاد نہ ہو سکے...... رہے ریڈیو اور ٹی...... تو وہ حکمرانوں کے تعیش کی نمائش کے لئے
ہیں اور انہی کے پابند بھی، ان سے کیا اور کیسی توقع!

اس سانحہ کے بعد وہاں جانے والے چشم دید گواہوں نے بتایا کہ ظالم نجدیوں نے
نہ صرف قبر شریف کی بے حرمتی کی بلکہ ام النبی سلام اللہ علیہا کے بارے میں شدید

بکواس کی اور انہیں مومن ماننے سے انکار کر دیا۔ ہمیں احساس ہوا کہ ہمارے اکثر
مسلمان بھائی تو بنیادی دینی معلومات سے بھی آگاہ نہیں، اسی لئے غیروں کا پروپیگنڈا
قبول کر لیتے ہیں...... کہیں ایسا نہ ہو وہ ان ظالموں کی اس ہرزہ سرائی کو سن کر ایسا ہی
گمان کرنے لگیں اور کوئی گستاخی کر کے اپنا ایمان ضائع کر بیٹھیں۔...... ہم نے علمائے
کرام سے رابطہ کیا، کچھ نے عذر ظاہر کیا کہ وہ اس لائق نہیں کہ عمدہ تحریر پیش کر سکیں
کسی ایسے عالم کو ڈھونڈیں جو صاحب قلم بھی ہو۔ کچھ علماء نے وعدہ بھی کیا مگر ان کے
تدریسی اور تبلیغی مشاغل اس قدر تھے کہ وہ جلد یہ کام انجام نہیں دے سکتے تھے۔ ہمیں
خطیب ملت علامہ کوکب نورانی اوکاڑوی یاد آئے، ہم نے ان سے بات کی، اس حادثے
پر وہ بہت رنجیدہ تھے اور پہلے ہی سے اس کام کا ارادہ کئے ہوئے تھے اور اپنے ارادے
میں پختہ تھے۔ انہوں نے کہا وہ صرف ایک ہفتے میں ہمیں پورا رسالہ لکھ کر دے دیں
گے۔ انہوں نے اس موضوع پر پہلے سے موجود مطبوعہ تحریروں کی تفصیل ہمیں
بتائی۔ ہم نے عرض کی کہ آپ تحریر و تقریر میں جو لب و لہجہ رکھتے ہیں وہ نہایت بلیغ
ہے اور بات نہ صرف سمجھ میں آتی ہے بلکہ دل میں نقش ہو جاتی ہے...... انہوں نے
وعدے کے مطابق رسالہ ایک ہفتے میں ہمیں مکمل کر کے دے دیا۔ ہم نے اس میں قبر
کے احکام و آداب کے بیان کو شامل کرنے کی خواہش ظاہر کی، انہوں نے کہا کہ آپ
اتنے حصے کی کمپوزنگ اور پروف کی تصحیح کر لیں اس دوران وہ ہماری یہ درخواست بھی
پوری کر دیں گے اور ایک ہفتے میں یہ کام بھی انہوں نے پورا کر دیا۔

ہماری یہ کاوش نیک نیتی کے ساتھ تھی یوں پوری ہو گئی، ہم ایمانی عقیدت و
احترام کے ساتھ بخوشی اسے ہدیہ قارئین کر رہے ہیں، اللہ کرے کہ یہ ہم سب کے
علم و آگہی کے ساتھ ساتھ ہماری دنیا و آخرت میں کامیابی کے لئے بھی نافع و مفید ہو۔

محمد عرفان وقاری ۱۹۹۹ء

جمعیت اشاعت اہل سنت، کراچی کے جناب محمد عرفان وقاری نے "عرض ناشر" کے عنوان سے یہ تحریر لکھی تھی کیوں کہ یہ کتاب وہی شائع کرنا چاہتے تھے، لیکن وہ بوجوہ اسے جلد شائع نہ کر سکے، ادھر احباب کو اس کتاب کا شدت سے انتظار تھا، اس لئے جمعیت اشاعت اہل سنت کی طرف سے اشاعت سے قبل ہم نے ضیاء القرآن پبلی کیشنز، لاہور سے اسے طبع کروانے کا اہتمام کیا اور محمد عرفان وقاری صاحب کی تحریر کو "مابین" کا عنوان دے کر اسی طرح شامل رکھا ہے اس کتاب کا سرورق حاجی عبدالرحمٰن صاحب کی فن کارانہ صلاحیت کا عمدہ شاہ کار ہے اور اس کی فوری طباعت محترم صاحب زادہ محمد حفیظ البرکات شاہ کی خصوصی توجہ اور تعاون کا نتیجہ ہے۔ اللہ تعالیٰ انہیں جزائے خیر عطا فرمائے۔ آمین

خادمین

مولانا اوکاڑویؒ اکادمی العالمی

انتساب

اپنے والدین کریمین

اور

ان تمام محترم ہستیوں

کے نام

جنہوں نے مجھے

رسول اکرم ﷺ اور

ان کی پاک، مبارک نسبتوں سے محبت اور

ان کا احترام سکھایا

اور

خاک کے ان مقدس ذروں کے نام

جن میں

رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین

کے پاک وجود

آسودہ ہیں۔

کوکب غفرلہ

آغاز

نحمده و نستعینه. و نصلی ونسلم علی رسوله الکریم وعلیٰ آله واصحابه و اتباعه اجمعین

بسم الله الرحمن الرحیم

ہمارے معاشرے میں یہ تو کہا جاتا ہے کہ کسی فن میں ماہر ہی سے اس فن کے بارے میں پوچھا جائے تو صحیح رہ نمائی ہو گی، معالج، طبیب، جسمانی بیماری کے لیے دوا تجویز کرتے ہیں، ان سے رابطے اور ان کے فیصلے کو قطعی سمجھا جاتا ہے اور اس میں کسی کی دخل اندازی پسند نہیں کی جاتی۔ کسی چیز کا وہ پرہیز بتائیں تو حیل وحجت نہیں کی جاتی بلکہ ان سے تو دلیل بھی نہیں مانگی جاتی، بخوشی ان کی ہدایت قبول کی جاتی ہے اور اسی میں صحت وعافیت سمجھی جاتی ہے...... لیکن دین وایمان کے معاملے میں یہ احتیاط بالعموم نہیں کی جاتی، ہر شخص خود مجتہد و مفتی بن جاتا ہے اور اپنی طبیعت کو شریعت بنانے کی کوشش کرتا ہے...... کیا ستم ہے کہ کسی لفظ کے معنی تو اہل زبان سے مشروط کیے جائیں مگر قرآن وحدیث کے معنی و مفہوم کے لیے اپنی رائے اور خام عقل ہی کو سب کچھ سمجھ لیا جائے...... لوگوں کا یہی طور ان کی گمراہی بلکہ تباہی کا باعث ہے لیکن وہ اس کی اہمیت سے غافل ہیں۔

دینی و مذہبی علوم و فنون سے ناواقف شخص کو چاہیے کہ وہ علمائے حق سے دینی امور و معاملات مین رہ نمائی حاصل کرے اور اپنی رائے، عقل اور طبیعت کو قرآن و سنت کا پابند بنائے۔

زبان و قلم کا تو بے پرواہی سے کسی معاملے میں بھی استعمال اچھا نہیں سمجھا جاتا اور دینی و مذہبی، خاص امور میں تو بہت زیادہ احتیاط کی ضرورت ہے کیوں کہ ذرا سی بے احتیاطی بھی قابل گرفت ہو جاتی ہے اور نامناسب الفاظ اور بے ادبی کا لہجہ و بیان، بلاشبہ

شدید نقصان کا باعث ہے جو نہ صرف ایمان سے محروم کر دیتا ہے بلکہ دارین میں عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔

اہل ایمان یہ بھی خوب جانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی تعظیم و توقیر لازمی ہے اور ضروریات دین سے ہے، ان کی نسبتوں کا احترام بھی ضروری ہے، اگر کسی کو ان کی کسی نسبت کے بارے میں صحیح یا پوری معلومات نہ بھی ہوں، تب بھی زبان و قلم کو منفی یا بے ادبی کے لہجہ و بیان میں دراز کرنا سنگین غلطی ہے، علمائے اسلام کی یہی تعلیم ہے کہ ایسے مرحلے میں خاموشی بہتر ہے۔

اس فقیر گناہ گار نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مزارات کی زیارت و حاضری کا شرف (۱۹۷۵ء میں) حاصل کیا اور دونوں مقامات کی تصویر بھی حاصل کی۔ نبی کریم ﷺ کے والد گرامی حضرت سیدنا عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی قبر شریف مسجد نبوی کے داہنے دروازے باب السلام سے چند قدم کے فاصلے پر تھی، وہ حصہ اب مسجد نبوی میں شامل ہو گیا۔ چشم دید گواہوں اور اخبارات کے مطابق ان کا جسد مبارک چودہ صدیاں گزرنے کے بعد بھی صحیح و سالم نکلا اور انہیں مدینہ منورہ کے قبرستان جنت البقیع شریف میں دفن کیا گیا، اسی طرف سے حضرت مالک بن سنان اور حضرت عکاشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے صحیح و سالم اجساد مبارکہ بھی نکال کر بقیع شریف میں منتقل کیے گئے...... (روزنامہ نوائے، لاہور۔ ہفتہ، ۲۱/ جنوری ۱۹۷۸ء)...... ماہ صیام ۱۴۱۹ھ میں رسول کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدۂ کائنات حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و سلام اللہ علیہا کی قبر شریف کو مسمار کر کے اس پر بلڈوز چلانے کی روح فرسا خبر سننے کو ملی جس سے ہر مومن کی روح تڑپ اٹھی۔ یہ شرارت کرنے والوں نے اس مقدس خاتون کے بارے میں نازیبا اور گستاخانہ جملے بھی کہے۔ پاکستان میں ہر مسلمان جس تک یہ خبر پہنچی، اس نے شدت سے اسے محسوس کیا اور غیرت ایمانی اور محبت

رسول کے تقاضے کا مظاہرہ کرتے ہوئے اس کے خلاف صدائے احتجاج بلند کی...... مجھ سے اس بارے میں لکھنے کی فرمائش کی گئی۔ ماہ محرم الحرام ۱۴۲۰ھ کے پہلے عشرے میں ایک رسالہ میں نے مکمل کر لیا اور اپنی طرف سے کوشش کی کہ تمام عبارات و حوالے اصل کتابوں سے نقل کروں، جو کتابیں میرے ذاتی کتب خانے میں موجود نہیں تھیں ان حوالوں کے بارے میں کچھ خاص اہل علم پر اعتماد کرتے ہوئے نقل در نقل سے کام لیا جیسا کہ اکثر اہل قلم کیا کرتے ہیں۔

کوئی کتاب لکھتے ہوئے مصنف و مؤلف کے سامنے دو صورتیں ہوتی ہیں۔ ایک تو یہ کہ وہ اپنی تحریر میں موافق و مخالف جس قدر اقتباس و عبارات شامل کر رہا ہے وہ اصل کتابوں سے ہوں، وہ خود اپنی تحقیق و مطالعے اور تسلی و تشفی کے بعد انہیں تحریر میں شامل کرے تاکہ وہ جس عبارت کو پیش کر رہا ہے اور اسے اپنے موقف کی دلیل بنا رہا ہے اس پر ہر طرح سے مطمئن بھی ہو اور اسے اس عبارت کے صحیح ہونے پر اعتماد ہو یعنی وہ عبارت اپنی اصل میں موجود ہو...... دوسری صورت یہ ہے کہ وہ کسی کتاب کی عبارت یا اقتباس کو خود تو اصل کتاب میں نہ دیکھے بلکہ کسی اور کی کتاب میں دیکھے جہاں کسی نے اسے نقل کیا ہو (خواہ اسے معلوم نہ ہو کہ ناقل نے بھی اصل کتاب دیکھی ہے یا نہیں) اور اس طرح نقل در نقل کرتے ہوئے وہ عبارت یا اقتباس پیش کر دے اور اس عبارت کی صحت کے بارے میں اسے صرف اس ناقل پر اعتماد ہو جس سے وہ نقل کر رہا ہے۔

اس دوسری صورت میں بھی دو صورتیں ہیں۔ پہلی یہ کہ ناقل (نقل کرنے والا) اس کتاب کا حوالہ بھی درج کر دیتا ہے جہاں سے وہ کسی دوسرے کا اقتباس یا عبارت نقل کرتا ہے، اس طرح وہ دیانت کا مظاہرہ کرتا ہے اور اس عبارت کی صحت کا پوری طرح خود ذمہ دار نہیں ٹھہرتا۔ دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ ناقل جس عبارت یا

اقتباس کو نقل کرتا ہے اس پر وہ حوالہ درج نہیں کرتا جہاں سے وہ اسے نقل کرتا ہے بلکہ اصل کتاب کا حوالہ درج کرتا ہے خواہ اس نے اصل کتاب دیکھی بھی نہ ہو اور خود اس کے اپنے پاس بھی اصل کتاب نہ ہو۔ یوں وہ خیانت بھی کرتا ہے اور اس عبارت کی صحت وغیرہ کا خود ذمہ دار قرار پاتا ہے، اس طرح وہ خود کو ناقل نہیں بلکہ محقق ثابت کرنا چاہتا ہے۔

محققین اور ناقدین کے لیے اصل کتاب دیکھے بغیر لکھنا درست نہیں، انھیں سیاق وسباق دیکھے بغیر لکھنا سود مند نہیں ہوتا۔ مصنفین و مؤلفین کو دیانت داری کا مظاہرہ کرتے ہوئے واضح کر دینا چاہیے کہ جو عبارت جو پیش کر رہے ہیں یا جو اقتباس لکھ رہے ہیں، انہوں نے اسے کہاں سے نقل کیا ہے؟ یوں ان کی تحریر کی وقعت کم نہیں ہوگی بلکہ تنقید و تحقیق میں زیادہ معاون اور بہتر ثابت ہوگی۔ ہر اقتباس کے ساتھ کتاب کا صحیح صفحہ نمبر، جلد نمبر، ایڈیشن (بار اشاعت) بلکہ طابع اور سن اشاعت کا بھی ذکر کرنا چاہیے تاکہ کوئی دیکھنا چاہے تو اسے وہ حوالہ بآسانی مل جائے۔

اس فقیر نے علمی خیانتوں اور تعصبات کے معاملے میں بڑے بڑے نام ملوث پائے ہیں اور تناقض و تعارض سے تو شاید ہی اہل قلم کی تحریریں خالی ہوں۔ قارئین اس سے شاید اہل علم کے معاملے میں بدگمان ہو جائیں تو ان پر واضح کرنا چاہتا ہوں کہ کلام اللہ تعالیٰ (قرآن کریم) کے سوا کوئی کتاب ایسی نہیں جس پر کوئی اعتراض نہ ہوتا ہو، یہی اہل علم ہمارے محسن بھی ہیں کہ مطبوعہ وغیر مطبوعہ (قلمی نسخوں) کی تحقیق و تنقید میں حقائق بیان کر دیتے ہیں اور یوں ہر علمی خیانت و تعصب وغیرہ بے نقاب ہو جاتا ہے اور حق واضح ہو جاتا ہے۔

کتابوں کے مطالعے میں یہ بھی دیکھا کہ کوئی مصنف تو اپنی علمی استعداد اور مزاج کے مطابق دیانت داری سے اظہار کرتا ہے اور یہ بھی دیکھا کہ بہت ایسے بھی ہیں جو

صرف اپنے موقف کو بیان کرتے ہیں اور اسی کے مطابق دلائل قائم کرتے ہیں خواہ دیانت کا خون ہوتا رہے لیکن کفر وایمان اور ضروریات دین کے مسئلے میں اہل ایمان اہل حق کی تحریریں بہت محتاط ہیں کیوں کہ عقائد واحکام میں معمولی سی لغزش بھی سنگین نتائج کا پیش خیمہ ثابت ہوتی ہے، اہل حق اکابر علمائے اسلام کی کتاب گواہ ہیں کہ عقائد واحکام میں وہ کس قدر احتیاط اختیار کرتے ہیں۔

رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان اور فضائل کے بارے میں یہ فقیر جب اپنی تحریر مکمل کر چکا تو اپنی عادت کے مطابق اس تحریر کو اپنے استاد مکرم حضرت شیخ الاسلام والمسلمین، فقیہ دوراں مولانا الحاج غلام علی صاحب قبلہ اشرفی اوکاڑوی دامت برکاتہم القدسیہ کی خدمت میں بھیجا کہ وہ اس کی اشاعت سے قبل اسے ملاحظہ فرمالیں اور جہاں کہیں مجھ سے کوئی خطا ہوئی ہو، تصحیح واصلاح فرمادیں...... وہ مجھ نالائق پر بہت مہربان ہیں اور ایسی شفقت فرماتے ہیں کہ فخر ہوتا ہے۔ میں نے چشم ہوش وا کرتے ہی اپنے والد گرامی قبلہ علیہ الرحمہ کے بعد انہی سے حروف کی پہچان اور ان کا استعمال سیکھا ہے، دینی علوم ومعارف سے آگہی میں حضرت شیخ الاسلام ہی میرے قبلہ وکعبہ رہے۔ حضرت نے مجھے بالخصوص یہی سکھایا کہ شخصیت کوئی ہو، یہ ضرور دیکھو کہ اس نے جو بات کہی ہے اس کی دلیل کیا بیان کی ہے؟ کسی شخص پر اعتماد کی شرائط بھی حضرت نے تعلیم فرمائیں اور عبارت فہمی کے ساتھ ساتھ استنباط اور استدلال اور مسائل کے استخراج کا ایسا طریقہ سکھایا کہ شبہات راہ نہیں پاتے۔ یہ نہ مبالغہ ہے نہ مغالطہ، مجھے حضرت کی ذات میں وہ ہستیاں جمع نظر آئیں جنہیں ہم اپنا امام شمار کرتے ہیں۔ حضرت شیخ الاسلام، میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت خطیب اعظم مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ رحمتہ الباری کے بھی استاد ہیں۔ میرے پیر ومرشد حضرت گنج کرم سیدنا محمد اسماعیل شاہ بخاری حضرت کرماں والے رحمتہ اللہ علیہ بھی حضرت شیخ

الاسلام پر اعتماد فرماتے اور طلب علم کی جستجو کرنے والوں کو حضرت شیخ الاسلام کی طرف راغب فرماتے، میرے شیخ طریقت کے نبیرہ (پوتے) حضرت پیر سید غفنفر علی شاہ صمصام بخاری بھی حضرت شیخ الاسلام کے محبوب تلامذہ میں سے تھے۔ نقیب الاشراف حضرت پیر سید ناطاہر علاؤالدین گیلانی حضرت شیخ الاسلام کو اپنے استادوں کا استاد فرماتے اور نہایت تکریم فرماتے تھے۔ اللہ کریم حضرت شیخ الاسلام کی صحت وعمر میں برکت فرمائے اور ہمیں ان سے نفع کثیر پہنچائے، آمین۔

حضرت قبلہ شیخ الاسلام نے میری تحریر دیکھتے ہی فرمایا "المستشار موتمن" اور فرمایا کہ عقیدت کے بیان میں تمہاری محنت قابل داد ہے مگر عقیدت کی اس تفصیل سے پہلے عقیدہ اور نفس مسئلہ کی تحقیق لکھو اور میری تحریر کے چند جملوں کی ضروری اصلاح بھی فرمائی۔ یہ مسئلہ اتنا نازک اور مشکل تھا کہ میں اس کے لیے ہمت نہیں کر رہا تھا مگر رسالہ لکھ چکا تھا اور احباب کا تقاضا شدید تھا...... میں حضرت کی خدمت میں اوکاڑا پہنچا۔ رات گئے پہنچا تھا، اسی وقت حضرت نے جامعہ اشرف المدارس کے دارالافتاء سے وابستہ حضرت مولانا حافظ غلام یاسین اور حضرت مولانا غلام دستگیر صاحبان کو طلب فرمایا، یہ دونوں علماء بھی میرے حضرت کے فاضل تلامذہ میں سے ہیں۔ گیارہ بجے شب سے صبح فجر تک پہلے لکھے ہوئے مسودہ کی تحقیق و تصحیح ہوتی رہی اور اگلا دن تمام ہم سب سینکڑوں کتابوں میں اس مسئلہ کی تحقیق اور موافق و مخالف دلائل پر گفتگو کرتے رہے۔ مجھے اندازہ ہوا کہ اب تک کوئی ایسی جامع تحریر کتابی شکل میں نہیں تھی جسے ہم ہر طرح صحیح اور مستند قرار دیتے۔ مصنفین و مولفین نے نامکمل حوالے درج کیے تھے اور زیادہ تر نے عقیدہ کی بجائے عقیدت ہی بیان کی تھی۔ میں نے رسالہ ماہ محرم کے پہلے عشرے میں لکھا تھا مگر ربیع الاول تک اس موضوع پر بہت سی تحریریں شائع ہو چکی تھیں اور کچھ نقل در نقل والا معاملہ تھا۔ مولوی محمد علی صاحب کی کتاب

"نور العینین فی ایمان آباء سید الکونین (ﷺ)" اور حضرت علامہ مولانا فیض احمد صاحب اویسی کی کتاب "ابوین مصطفی" مجھے سب سے آخر میں ملیں، یہ دونوں اس موضوع پر تمام رسائل کے مقابلے میں ضخیم اور جامع ہیں۔ ربیع النور شریف میں میں نے جلسوں کی بھرمار کے باوجود اس باب میں تحقیق جاری رکھی اور پھر وہ کتب جن کے حوالے دوسری کتابوں میں دیکھے، وہ اصل کتابیں حاصل کیں تاکہ پوری تسلی ہو سکے۔ اگر اپنی تحقیق کے مطابق تفصیل سے لکھتا تو سیکڑوں صفحات ہو جاتے اور تکرار بہت ہوتی، اس لیے اختصار سے کام لیتے ہوئے ضروری باتیں تحریر کیں اور ایک مرتبہ پھر حضرت شیخ الاسلام کو تصحیح و اصلاح کے لیے مسودہ بھجوایا۔ یوں یہ رسالہ جو باقی رسائل سے پہلے شائع ہوتا، سب سے آخر میں شائع ہو رہا ہے...... یہاں ایک اور وضاحت بھی ضروری ہے وہ یہ کہ میری تمام کتابیں حضرت شیخ الاسلام سے مصدقہ نہیں ہیں اور جو کتابیں میں حضرت کو نظر ثانی کے لیے دکھا چکا ہوں ان کا بھی تمام متن وہی نہیں ہے جو حضرت کا دیکھا ہوا ہے۔ تمام کتابیں اس لیے مصدقہ نہیں کہ کچھ تحریریں ایسی ہیں جو میں نے بیرون ملک سفر کے دوران لکھی تھیں اور حضرت کو نہیں دکھا سکا تھا اور باقی کتابوں کا یہ ہے کہ حضرت کو دکھانے کے بعد بھی ترمیم و اضافہ میں نے مسودوں میں کیا ہے اس لیے میری تحریروں کی کسی غلطی کا ذمہ دار حضرت کو نہیں ٹھہرایا جا سکتا۔ مصنفین اپنی تحریروں پر جن ہستیوں سے تقریظ اور تقدیم لکھواتے ہیں، انہیں جس قدر مسودہ دکھاتے ہیں اسی قدر ان حضرات کے علم میں ہوتا ہے۔ تقاریظ لکھوانے کے بعد مصنفین اپنے مسودوں میں جو اضافہ و تبدیلی کرتے ہیں وہ ان بزرگوں کو نہیں دکھاتے مگر ان کی تقریظ اسی طرح شامل رکھتے ہیں، یوں مصنف کی طرف سے تبدیلی و اضافہ کی کسی غلطی پر قارئین و ناقدین اس تقریظ لکھنے والے پر بھی اعتراض کر دیتے ہیں اور یوں وہ ہستیاں خواہ مخواہ معترضہ بنا دی جاتی ہیں۔ یہی نہیں

بہت سے مصنفین اپنی تحریروں پر لکھوائی جانے والی تقاریظ میں خود بھی تصرف کر لیتے ہیں جو بلا شبہ شدید خیانت اور سنگین جرم ہے۔ میری کوشش ہے کہ حضرت میری تمام کتب پر نظر ثانی فرمالیں، تاہم اہل علم قارئین سے بھی میری گزارش ہے کہ میری تحریروں میں جہاں کہیں فی الواقع کوئی غلطی دیکھیں مجھے ضرور آگاہ فرمائیں، اس کے لیے میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔

قارئین کرام! جن کتب کے تراجم ہو چکے ہیں، قارئین کی سہولت کے لیے ان کے تراجم سے عبارت نقل کی ہیں اور جہاں کہیں عربی فارسی عبارات نقل کی ہیں ان کے ساتھ ہی اردو ترجمہ بھی تحریر کر دیا ہے لیکن ایک بات میں واضح کر دوں کہ میں نے بغیر قطع و برید کے من و عن اور مکمل عبارات نقل کی ہیں اور تراجم والی عبارات میں بھی کوئی تصرف نہیں کیا بلکہ کچھ الفاظ جو مجھے گوارا نہیں تھے وہ بھی میں نے تبدیل نہیں کیے۔ میں نے تکرار سے بچنے کی بہت کوشش کی مگر ہر کتاب میں دلائل وہی تھے، یوں بعض دلائل کا تذکرہ بار بار ہوا ہے، تاہم رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کا ذکر نسبت رسول (ﷺ) کی وجہ سے مبارک ہے، اور قارئین تکرار کے باوجود اسے پڑھتے ہوئے محظوظ ہی ہوں گے...... دسویں صدی کے مشہور امام اور مجدد علامہ جلال الدین عبد الرحمٰن بن ابی بکر سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ کے رسائل میرے پاس نہیں تھے، بفضلہٖ تعالیٰ وہ بھی مل گئے۔ میرے حضرت شیخ الاسلام قبلہ ماہ ربیع النور شریف میں عمرہ و زیارت کے لیے تشریف لے گئے تو مدینہ منورہ میں ایک مکتبہ سے اپنے لیے لے آئے اور مجھے اس سے آگاہ فرمادیا تو میں نے وہاں سے منگوا لیے۔ اپنی نے پانی تحریر میں امام سیوطی کی عبارات جہاں کہیں نقل کی ہیں وہاں حوالہ بھی اس کتاب کا دیا ہے، جہاں سے میں نے عبارات نقل کی ہیں اور امام سیوطی کے مجموعہ رسائل جس کا نام ”رسائل تسع“ ہے، اس کے بھی ان صفحات کا حوالہ درج کر دیا ہے جہاں سے وہ عبارت دوسروں نے

نقل کی ہے بلکہ ان عبارات میں سے جو عبارت کسی اور کتاب میں دیکھی اس کا حوالہ بھی درج کر دیا ہے۔ واضح رہے کہ امام سیوطی کے مجموعہ رسائل ”رسائل تسع“ کا صفحہ نمبر بطور حوالہ درج کیا ہے، ان کے ہر الگ رسالے کے نام سے حوالے درج نہیں کیے۔

ضرورت ہوئی تو طبع ثانی میں تمام اصل عربی عبارات بھی من و عن نقل کر دوں گا اور مزید تحقیق پیش کروں گا۔ اس تمام تحریر کی تیاری حضرت قبلہ شیخ الاسلام کی رہ نمائی سے ممکن ہوئی اور حضرت مولانا غلام یاسین صاحب اور مولانا غلام دستگیر صاحب کے تعاون سے مجھے بہت آسانی ہوئی اور فائدہ پہنچا۔ ان کے حضور شکریہ ادا کرتے ہوئے دست بہ دعا ہوں کہ اللہ کریم اپنے حبیب کریم ﷺ کے صدقے حضرت شیخ الاسلام قبلہ اور ان علماء کو اجر جزیل عطا فرمائے اور ہماری اس خدمت کو قبول فرمائے اور اس میں جو کوئی کوتاہی یا غلطی ہوئی ہو، اپنے فضل و کرم سے معاف فرمائے، آمین

اس فقیر نے انہی دلائل کا خلاصہ اپنی اس تحریر میں پیش کیا ہے، جو رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے اثبات میں ہیں تاکہ اذہان و قلوب کو ادب و احتیاط کے تقاضوں سے وابستہ رکھا جائے اور نامناسب یا منفی کلام کرنے والوں کو یہی باور کرایا جائے کہ اس باب میں بے احتیاطی و بے ادبی بلا شبہ ایذائے رسول کا موجب ہو گی جس کا انجام اچھا نہیں ہو سکتا۔

اہل علم کو میری اس تحریر میں جہاں کہیں کوئی اختلاف یا اعتراض ہو تو وہ میری یہ وضاحت پیش نظر رکھیں کہ یہ ایک عقیدت مند کا ہدیہ عقیدت ہے اور عقیدت ہی کے قلم سے لکھا گیا ہے اور یہ فقیر کتاب و سنت اور ادب کے منافی کسی قول و فعل کو صحیح ثابت کرنے کے فعل سے کوئی شغف نہیں رکھتا۔ اللہ کریم مجھے اور سب اہل ایمان کو حق اور نیکی پر استقامت عطا فرمائے۔

قارئین کرام پہلے ”مقدمہ“ ملاحظہ فرمائیں۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم والصلوۃ والسلام علی رسولہ الکریم

مقدمہ

اہل ایمان بخوبی جانتے ہیں کہ اسلامی عقائد کی بنیاد قرآن و حدیث کی نصوص قطعیہ ہیں، کسی مجتہد یا عالم و مفتی اور امام کے قول سے عقیدہ نہیں بنتا اور اسی عالم دین کا قول و فعل قبول کیا جاتا ہے جو قرآن و حدیث کی صحیح ترجمانی کرے۔ واضح رہے کہ عقائد میں کچھ قطعی ہیں اور کچھ ظنی، ہر دو کے لئے احکام و قواعد وغیرہ جدا اور واضح ہیں، اہل علم اس تفصیل سے بخوبی واقف ہیں۔ اسلامی قطعی عقائد کی بنیاد قرآن و حدیث کی وہ نصوص ہیں جو قطعی الثبوت اور قطعی الدلالۃ ہیں اور قطعی عقائد میں اخبار احاد (ایک شخص کی بیان کی ہوئی روایات) سے استدلال نہیں ہو سکتا اور تقلید کے حوالے سے اہل علم جانتے ہیں کہ ائمہ مجتہدین کی تقلید ہرگز عقائد میں نہیں بلکہ فروعی احکام میں ہوتی ہے۔ قرآن کریم کی وہ آیات جو محل تاویل ہیں ان سے بھی کوئی قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہو سکتا کیوں کہ مؤول اسے کہا جاتا ہے جس میں دوسرے صحیح قول کی صحیح تاویل کی گنجائش ہو اور یہ قاعدہ معروفہ ہے کہ **اذا جاء الاحتمال بطل الاستدلال**۔ جب کسی آیت و حدیث میں ایسا احتمال پیدا ہو جو **ناشی عن الدلیل** ہو (یعنی جو دلیل سے ثابت ہو) تو جو تاویل اس کی مخالف ہو، اس تاویل سے استدلال مخدوش ہو جاتا ہے۔ صحیح مسئلہ کی تائید میں مؤول قول بھی پیش کیا جاسکتا ہے او کسی قول کو قبول کرتے ہوئے اہل علم یہ احتیاط بھی کرتے ہیں اس مسئلہ کے فن ۔ ترجیح دیتے ہیں یعنی جس شعبے میں جو ماہر اور قابل ہو اس کے قول کو اختیار کرتے ہیں اور کسی مسئلے کو ثابت کرتے ہوئے اہل حق پوری طرح تسلی کرتے ہیں۔ ایمان و کفر کے حوالے سے جب کبھی بات ہوگی تو محض قیاس سے کوئی حکم ثابت نہیں ہوگا کیوں

کہ قطعی عقائد واحکام میں قطعی اور صحیح و صریح دلائل ہی مطلوب ہوں گے۔ یہ بھی واضح رہے کہ وہ تاریخی صحیح حقائق جو اسلامی شرعی اصولوں کے مخالف یا اس سے بالکل متضاد نہ ہوں، انہیں یکسر نظر انداز نہیں کیا جاتا۔

عقیدہ اور عقیدت میں فرق ہے۔ قطعی عقیدہ، قطعی الثبوت والدلالۃ نص صریح سے ثابت ہوتا ہے اور اس کا منکر، کافر قرار پاتا ہے، جب کہ عقیدت، قرآنی آیات اور احادیث نبویہ کے معمولی اشارات اور ضعیف روایات سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور اس کے انکار کو صریح کفر نہیں کہا جاتا، لیکن صحیح حقائق اور دلائل حقہ کو عمداً تسلیم نہ کرنا، گمراہی وہٹ دھرمی اور عقیدت کے خلاف کو بے ادبی شمار کیا جاتا ہے۔ ہر مومن جانتا ہے کہ نجات کا مدار، صحیح عقائد ہیں۔ اگر عقائد صحیح نہیں ہوں گے تو صرف اچھے اعمال پر نجات ممکن نہیں، اسی لئے علمائے حق یہی تلقین کرتے ہیں کہ کتاب و سنت کے مطابق عقائد کی درستی ہر طرح ضروری واہم ہے۔ اور عوام کو چاہئے کہ وہ علمائے حق سے وابستہ رہیں اور ان سے صحیح رہ نمائی حاصل کریں اور ناواقفی کی صورت میں لب کشائی یا خامہ فرسائی نہ کریں کیوں کہ عقائد واحکام میں زبان و قلم کو بغیر صحیح علم و آگہی کے دراز کرنا، شدید نقصان اور وبال کا باعث ہے۔

اس مختصر تفصیل کے بعد عرض ہے کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبد اللہ بن عبد المطلب اور حضرت سیدتنا آمنہ بنت وہب رضی اللہ عنہما کے ایمان کا مسئلہ، عقیدہ کا نہیں، عقیدت کا ہے۔ یہ ایسا اعتقادی یا قطعی یا اجماعی مسئلہ نہیں جو ضروریات دین سے ہو یا جس کا انکار کفر ہو، بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے، لیکن مشاہیر اور اکابر علمائے اسلام کی ایک جماعت نے اس مسئلہ کی تصریح فرمائی ہے اور اسی مسلک کو قبول اور اختیار کیا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین موحد و مومن اور ناجی و جنتی ہیں بلکہ بعض احادیث کی رو سے جو کہ احیائے والدین کریمین کے بارے

میں وارد ہوئی ہیں اور تعدد طرق (راویوں کے مختلف سلسلوں کی بہت تعداد) کی وجہ سے درجہ حسن کو پہنچی ہوئی ہیں **کما صرح به الامام السیوطی فی رسائله و شیخ المحقق عبد الحق محدث دهلوی فی شروح الاحادیث کمالا یخفی علی من له ادنی تعلق بالعلم الحدیث** (جیسا کہ امام جلال الدین سیوطی نے اپنے رسالوں میں اور شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی نے احادیث کی شرح میں صراحت کی ہے جو کہ علم حدیث سے ادنی تعلق رکھنے والوں سے مخفی نہیں۔) ان علمائے اسلام نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے خلاف کہنے کو سختی سے منع کیا ہے اور تاکید کی ہے کہ ان کے بارے میں دل صاف رکھا جائے اور ان کی گستاخی و بے ادبی میں زبان و قلم دراز کرنے پر اس بات کا شدید اندیشہ ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا ہو گی جس کا نتیجہ و انجام بھیانک ہے۔ رسول کریم ﷺ کی نسبت و قرابت اور محبت و ادب کا تقاضا یہی ہے کہ ان کے والدین کریمین کے بارے میں منفی یا نامناسب کلام نہ کیا جائے کہ اسی میں خیر ہے۔

قارئین کرام! میری ذاتی کتب خانے (لائبریری) میں جس قدر کتابیں موجود ہیں ان میں سے جن کتابوں میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا تذکرہ جہاں کہیں ہے وہاں امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے ان مستقل چھ رسائل کا ذکر ضرور ہے جو انہوں نے صرف ایمان ابوین کے بارے میں تحریر فرمائے اور یادگار بنائے ہیں۔ یوں یہ فقیر اپنی معلومات کے مطابق یہ کہہ سکتا ہے کہ گزشتہ پانچ سو برس میں اس حوالے سے تمام تحریروں کا بنیادی ماخذ امام سیوطی ہی کے رسائل ہیں۔ امام سیوطی سے قبل جن علمائے اسلام نے ایمان ابوین کی تائید کا بیان اپنی مختلف تحریروں میں کیا ہے، امام سیوطی نے اپنے رسائل میں تقریباً ان سبھی کو اپنی تائید میں شامل کیا ہے، یوں امام سیوطی کے وہ رسائل اس موضوع پر تمام دلائل کا مجموعہ ہیں،

البتہ دیگر علمائے اسلام نے ان دلائل پر اپنی تحریروں میں لفظ و بیان اور طرز استدلال میں اپنی خصوصیات کا بھی مظاہرہ فرمایا ہے۔ امام سیوطی کے یہ رسائل برصغیر میں بھی حیدر آباد دکن سے شائع ہوئے اور اب پاکستان میں ان کے اردو تراجم بھی شائع ہونے کی خبریں آ رہی ہیں۔

امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کا سن وصال ۹۱۱ ہجری، ۱۵۰۵ء ہے۔ انہیں دسویں صدی کا مجدد شمار کیا گیا ہے۔ ان کی علمی مرتبت اہل علم میں مسلمہ ہے۔ جناب انور شاہ کشمیری نے (جو علمائے دیوبند میں مشہور ہیں) فیض الباری، ص ۳۶۶ / ۴، مطبوعہ مصر میں لکھا ہے کہ امام سیوطی کو بائیس مرتبہ بیداری میں رسول کریم ﷺ کی زیارت کی سعادت حاصل ہوئی۔

امام سیوطی نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان اور ان کے ناجی و جنتی ہونے کے بیان میں جو رسائل تحریر فرمائے ہیں وہ ان کی کتاب "الرسائل التسع" (مطبوعہ دار احیاء العلوم، بیروت، طبع ثانی ۱۴۰۹ھ) میں شامل ہیں۔ ان چھ رسائل کے نام یہ ہیں:

١. **مسالك الحنفاء فی والدی المصطفی (ﷺ)**
٢. **الدرج المنیفه فی الآباء الشریفه**
٣. **المقامة السندسیه فی النسبة المصطفویه (ﷺ)**
٤. **التعظیم والمنة فی ان ابوی رسول الله (ﷺ) فی الجنة**
٥. **نشر العلمین المنیفین فی احیاء الابوین الشریفین**
٦. **السبل الجلیله فی الآباء العلیه**

برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث پھیلانے والے محقق علی الاطلاق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۰۵۲ھ) اہل علم میں نہایت نمایاں و ممتاز

ہیں۔ جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی کو روزانہ خواب میں رسول کریم ﷺ کی زیارت ہوتی تھی۔ (افاضات یومیہ، ص۶،ج۷)

غیر مقلد نواب صدیق حسن خاں بھوپالی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے سرزمین ہندوستان پر احسان فرمایا کہ شیخ عبدالحق بن سیف الدین ترک جیسے علماء کو علم حدیث سے سرفراز کر کے اس علم اور اس کے فیض کو یہاں عام کر دیا، وہی (شیخ عبدالحق) علم کو سب سے پہلے یہاں لائے اور نہایت عمدگی سے اس کا فیضان عام کیا۔ (الحطہ فی ذکر الصحاح الستہ مطبع نظامی کانپور ص۷۰)

امام ربانی مجدد الف ثانی حضرت شیخ احمد فاروقی سرہندی رحمتہ اللہ علیہ حضرت شیخ محقق کے نام اپنے مکتوب میں فرماتے ہیں: مخدوما مکرما...... وجود شریف ایشاں دریں غربت اسلام اہل اسلام را مغتنم است۔ (مکتوب، حصہ ششم دفتر دوم)

یہ شیخ محقق حدیث شریف کی مشہور کتاب مشکوٰۃ شریف کی شرح اشعۃ اللمعات میں فرماتے ہیں: "وامامتاخرین پس تحقیق اثبات کردہ اند اسلام والدین بلکہ تمامہ آبا و امہات آں حضرت را ﷺ تاآدم عم و ایشان رادر اثبات آں سہ طریقہ است یا ایشان بردین ابراہیم بودہ اند یا آں کہ ایشان رادعوت نہ رسیدہ و مردہ کہ در زمان فترت بودہ و مردند پیش از زمان نبوت یا آں کہ زندہ گردانیدہ خدائے تعالی ایشان را بردست آں حضرت (ﷺ) و بدعائے وے پس ایمان آوردندو حدیث احیائے والدین اگرچہ در حد ذات خود ضعیف است لیکن تصحیح و تحسین کردہ اند آں رابتعدد طرق و ایں علم گویا مستور بوداز متقدمین پس کشف کرد آں را حق تعالی برمتاخرین واللہ یختص برحمتہ من یشاء بماشاء من فضلہ و شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ رسائل تصفیف کردہ اندو آں

رابدلائل اثبات نمودہ و از شبہ مخالفاں جواب دادہ اگر آں رانقل کنیم سخن دراز گرددھم درآں جابایدنگریست، واللہ اعلم۔" (اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ، فارسی، مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ۱۹۳۶، ص۷۱۸،ج۱)

ترجمہ: اور لیکن متاخرین (بعد میں آنے والوں) نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے اسلام کو تحقیقی طور پر (دلائل سے) ثابت کیا ہے بلکہ نبی کریم ﷺ کے تمام آباء وامہات حضرت آدم علیہ السلام سے والدین کریمین (حضرت سیدنا عبداللہ و حضرت سیدہ آمنہ) تک سب کو مسلمان ثابت کیا ہے اور ان کے اسلام کے اثبات (ثابت کرنے) کے تین طریقے بیان کیے ہیں۔ (۱)۔ یہ کہ وہ حضرت سیدنا ابراہیم علیہ السلام کے دین پر تھے۔ (۲) یا یہ کہ انہیں دعوت نہیں پہنچی اور وہ دونوں زمانہ فترت میں یعنی نبی پاک ﷺ کے اعلان نبوت سے پہلے ہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ (۳) یا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر آپ (ﷺ) کی دعا سے انہیں زندہ فرمایا تو وہ رسول پاک ﷺ پر ایمان لائے۔ اور وہ حدیث شریف جس میں والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہونے کا ذکر ہے اگرچہ فی حد ذاتہ (اپنی اصل میں) ضعیف ہے لیکن متعدد طرق کی وجہ سے اس کی محدثین (ماہرین حدیث) نے تصحیح و تحسین کی ہے اور گویا کہ یہ علم متقدمین (پہلے ہونے والوں) سے پوشیدہ تھا، اللہ تعالیٰ نے متاخرین پر اس کو کھول (ظاہر کر) دیا اور اللہ تعالیٰ اپنی رحمت اور فضل سے جس کو چاہتا ہے، جس چیز کے ساتھ چاہتا ہے خاص فرما دیتا ہے۔ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ نے کچھ رسائل تصنیف کیے ہیں ان میں نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین (رضی اللہ عنہما) کے اسلام کو دلائل سے ثابت کیا ہے اور مخالفین کے شبہات کے جواب دیئے ہیں اگر ہم ان کو نقل کریں تو کلام طویل ہو جائے گا۔ آپ وہیں (یعنی ان رسائل ہی) سے ملاحظہ فرمالیں۔

اسی کتاب میں مزید فرماتے ہیں: "اما آبائے کرام آں حضرت ﷺ پس
همه ایشان از آدم تا عبد الله طاهر و مطهر اند از د نس کفر ورجس شرك
چنان که فرمود بیرون آمده ام از اصلاب طاهره بار حام طاهره و دلائل
دیگر که متاخرین علمائے حدیث آں را تحریر و تقریر نموده اند ولعمری
این علمی ست که حق تعالیٰ سبحانه مخصوص گردانیده باین متاخرین را
یعنی علم آں که آبا و اجداد شریف آں حضرت (ﷺ) همه بردین
توحید و اسلام بوده اند واز کلام متقدمین لائح می گرد د کلمات
برخلاف آں و ذلك فضل الله یوتیه من یشاء و یختص به من یشاء و خدا
جزاے خیر د هد شیخ جلال الدین سیوطی را که دریں باب رسائل
تصنیف کرده اند و افاده و اجاده نمودایں مدعا را ظاهر و باهر گردانیده
است و ماشاء الله که این نور پاك رادر جائے ظلماتے پلید نهند و در
عرصات آخرت به تعذیب و تحقیر آباء اورا مخزے و مخذول گرانند۔"
(ص۴۶۶، جلد رابع، اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ (کتاب الفتن باب فضائل سید
المرسلین فصل۱) مطبوعہ منشی نول کشور، لکھنؤ ۱۹۳۴ء)

ترجمہ: لیکن آں حضرت ﷺ کے تمام آبائے کرام حضرت سیدنا آدم علیہ السلام سے
حضرت سیدنا عبد اللہ (رضی اللہ عنہ) تک سب کے سب کفر کی میل اور شرک کی
پلیدی سے طاہر و مطہر (پاک وصاف اور ستھرے) ہیں جیسا کہ رسول پاک ﷺ نے
خود ارشاد فرمایا کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے اصلاب طاہرہ (پاک پشتوں) اور ارحام طاہرہ (پاک
شکموں) سے پیدا فرمایا اور بہت سے دوسرے دلائل جن کی متاخرین علماء حدیث نے
تقریر و تحریر فرمائی ہے اور مجھے اپنی جان کی قسم، یہ وہ علم ہے کہ متاخرین کو حق تعالیٰ
سبحانہ نے اس (علم) سے مخصوص فرمایا ہے یعنی رسول کریم ﷺ کے تمام آباء واجداد،

توحید اور اسلام کے دین پر تھے حالاں کہ متقدمین کے کلام سے ان کلمات کے خلاف
ظاہر ہوا ہے۔ اور یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے جس کو چاہے عطا فرماتا ہے اور جسے چاہے اس
کے ساتھ خاص فرما دیتا ہے اور اللہ تعالیٰ علامہ شیخ جلال الدین سیوطی کو جزائے خیر عطا
فرمائے کہ انہوں نے اس باب میں رسائل تصنیف کئے ہیں اور بہترین افادہ اور اجادہ
(فائدہ دینے والے اور عمدہ بیان) سے اس مدعا کو ظاہر و باہر فرمایا ہے اور حاشاللہ (اللہ
کی پناہ) کہ اس پاک نور کو پلید اور ظلمات گمراہی کی جگہ میں رکھے اور محشر میں ان کے
آباء واجداد کو رسوا کرے اور چھوڑ دے (یعنی ہرگز ایسا نہیں ہو سکتا)۔

☆ "ذخائر العقبیٰ فی مناقب ذوی القربیٰ"، علامہ محب الدین احمد بن عبد اللہ الطبری
رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۶۹۴ھ) کی کتاب ہے، دار المعرفہ بیروت سے طبع شدہ ہے، اس
کے ص۲۵۷ سے ۲۵۹ تک نبی پاک ﷺ کی والدہ ماجدہ اور ان کے دوبارہ زندہ ہونے
اور ایمان لانے کا تذکرہ ہے۔ ان کے بارے میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنی کتاب
شمول الاسلام میں لکھتے ہیں: "ان (امام محبؒ طبری) کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ
امام نووی کے بعد ان جیسا حدیث میں کوئی نہ ہوا۔"

☆ "سبل الہدیٰ والرشاد فی سیرۃ خیر العباد" امام محمد بن یوسف الصالحی الشامی (المتوفی
۹۴۲ھ) کی کتاب ہے، دار الکتب العلمیہ، بیروت سے ۱۴۱۴ھ طبع ہوئی، اس کی جلد
اول کے ص۲۲۹ سے ص۳۳۳ تک اور جلد دوم کے ص۱۲۰ سے ص۱۲۸ تک رسول
کریم ﷺ کے نسب اور آبائے کرام اور ایمان والدین کریمین کا تذکرہ ہے۔

☆ "مواہب لدنیہ" امام احمد بن محمد بن ابی بکر بن عبد الملک ابن احمد القسطلانی المصری
الشافعی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۹۲۳ھ) کی کتاب ہے جس کا اردو ترجمہ "سیرت محمدیہ"
کے نام سے تاج پریس حیدر آباد دکن میں ۱۳۴۲ھ میں طبع ہوا۔ "بستان المحدثین"
میں سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں:

"المواہب اللدنیہ" بھی ان (امام قسطلانی) کی ہی تصنیف ہے جو اپنے باب میں لاثانی ہے۔" (ص ۲۰۳۔ مطبوعہ نور محمد کارخانہ تجارت کتب کراچی)۔ مواہب لدنیہ میں ص ۹۱ سے ۱۰۵ تک رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا تذکرہ ہے۔

☆ "زرقانی علی المواہب" علامہ محمد بن عبدالباقی الزرقانی المالکی (المتوفی ۱۱۲۲ھ) کی مشہور کتاب ہے۔ مطبوعہ مصر ۱۳۲۵ھ کی جلد اول کے ص ۱۶۳ سے ۱۸۸ تک رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان میں دلائل بیان کیے گیے ہیں اور ان تمام اہل علم کے اقوال درج کئے گئے ہیں جن کی اس بارے میں تحریریں ہیں۔

☆ "تاریخ الخمیس فی احوال انفس نفیس" امام شیخ حسین بن محمد بن الحسن الدیار بکری (المتوفی ۹۶۶ھ) کی تصنیف ہے۔ مطبوعہ مئوسسہ شعبان، بیروت ۱۲۸۳ھ کی جلد اول کے ص ۲۲۹ سے ۲۸۳ تک رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے دلائل بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے اپنی اس کتاب کے شروع میں ان تمام کتابوں کے نام درج کئے ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کیا۔

☆ "اعلام النبوۃ" علامہ ابوالحسن علی بن محمد الماوردی (المتوفی ۴۵۰ھ) کی کتاب ہے، داراحیاء العلوم، بیروت سے طبع شدہ ہے، اس کے ص ۲۱۵ سے ص ۲۵۱ تک نبی کریم ﷺ کے شرف نسب اور ولادت کے واقعات کا بیان ہے اور امام ماوردی نے شرف نسب اور پاکیزگی کو نبوت کی شرط لکھا ہے۔

☆ "التذکرہ فی احوال الموتی وامور الآخرۃ" علامہ شمس الدین ابی عبداللہ محمد بن ابی بکر بن فرح الانصاری القرطبی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۶۷۱ھ) کی کتاب ہے جو دارالکتب العلمیہ بیروت کی مطبوعہ ہے اس کے ص ۱۶ اور ۱۷ پر انہوں نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانے کا تذکرہ کرتے ہوئے دلائل بیان کیے ہیں۔

☆ "السیرۃ الحلبیہ" علامہ شیخ علی ابن برہان الدین حلبی (المتوفی ۱۰۴۴ھ) کی مشہور کتاب ہے جس کا اصل نام "انسان العیون فی سیرۃ الامین المامون" ہے، عربی میں یہ کتاب دارالمعرفہ بیروت سے طبع ہوئی، اس کا اردو ترجمہ دیوبندی عالم جناب محمد اسلم قاسمی نے کیا ہے جسے دارالاشاعت کراچی نے شائع کیا ہے۔ دارالعلوم دیوبند کے سابق مہتمم جناب قاری محمد طیب لکھتے ہیں "سیرت حلبیہ الامام الہمام، الشیخ علی ابن برہان الدین حلبی کے قلم سیرت نگار کا شاہ کار ہے جس کی امت نے ہر دور میں تلقی بالقبول کی ہے، صدیوں سے یہ کتاب تمام کتب سیرت کے لئے ماخذ بنی ہوئی ہے اور مشکلات سیرت میں علماء نے اس کی طرف خاص طور پر رجوع کیا ہے اور اسے مشعل راہ بنایا ہے اور اپنی اپنی تالیفات سیرت کو اسی کے حوالوں سے مزین اور مستند بنایا ہے اور انہیں قابل اعتماد ثابت کیا ہے اس لئے اگر اسے امّ السیر کہا جائے تو بے جا نہ ہوگا۔"
(ص ۳۹، ۴۰ سیرت حلبیہ اردو، جلد اول)

اس عربی کتاب کی جلد اول کے ص ۶ سے ۱۷۷ اور اردو ترجمہ میں جلد اول کے ص ۹۷ سے ۱۲۶ تک نبی کریم ﷺ کے نسب کا شرف اور والدین کریمین کے حالات و واقعات اور ان کے ایمان کا تذکرہ دلائل کے ساتھ کیا گیا ہے۔

یہاں صرف چند کتابوں کا تذکرہ کیا گیا ہے، ان کے علاوہ بھی بہت سی کتابوں میں اکابر علماء اسلام نے یہ موضوع بیان کیا ہے۔

☆ "حجتہ اللہ علی العالمین فی معجزات سید المرسلین (ﷺ)" علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبھانی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۰ھ) کی کتاب ہے جو بیروت میں طبع ہوئی۔ اُس کے ص ۴۱۲ سے ۴۲۱ تک احیائے ابوین اور ان کے ایمان کے دلائل نہایت عمدہ پیرائے میں بیان ہوئے ہیں۔ انہوں نے ص ۴ پر ان کتابوں کے نام درج کیے ہیں جن سے انہوں نے استفادہ کرتے ہوئے اپنی یہ کتاب مرتب فرمائی۔

علامہ نبہانی نے امام ابن حجر، علامہ تلمسانی، علامہ ابو القاسم سہیلی، امام قسطلانی، علامہ زرقانی، علامہ حافظ ابو بکر خطیب بغدادی، حافظ ابو القاسم، ابن عساکر، حافظ ابو حفص بن شاہین، امام قرطبی، امام محب الدین طبری، علامہ ناصر الدین بن منیر، علامہ حافظ فتح الدین محمد ابن سید الناس۔ علامہ شمس الدین بن ناصر الدین دمشقی، امام فخر الدین الرازی، امام بوصیری، امام سبکی، علامہ اسدی، علامہ صفدی، امام غزالی وغیرھم (رحمتہ اللہ علیھم) کے اقوال پیش کئے ہیں۔ علامہ نبہانی، امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے لئے اسلام اور مسلمانوں کی طرف سے جزائے خیر کی دعا فرماتے ہیں کیوں کہ امام سیوطی نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنھما کے ایمان ثابت کرنے میں مستقل کتابیں تحریر فرمائی ہیں اور ان میں روشن دلائل سے ثابت کیا ہے کہ والدین رسالت مآب ناجی اور جنتی ہیں۔ واضح رہے کہ علامہ نبہانی کی تحریر بھی امام سیوطی ہی کے رسائل سے ماخوذ ہے۔ علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی فرماتے ہیں کہ امام سیوطی نے جو دلائل قائم کئے ہیں وہ کچھ یہ ہیں:

(۱) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کو ان کی ظاہری دنیوی زندگی میں اسلام کی دعوت نہیں پہنچی اور وہ دونوں جوانی کی ابتدا ہی میں وفات پاگئے۔ امام سیوطی نے اس پر متعدد دلائل بیان کرتے ہوئے ان کا ناجی و جنتی ہونا ثابت کیا ہے۔

(۲) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین اہل فترت تھے۔

امام سیوطی نے فترت اور اہل فترت کے بارے میں دلائل بیان کرتے ہوئے ثابت کیا کہ وہ عذاب نہیں دیئے جائیں گے۔

(۳) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین دین حنیف، دین ابراھیمی پر تھے اور موحد تھے، شرک و کفر کی آلودگی سے پاک تھے۔ امام سیوطی نے اس بارے میں دلائل و شواہد تفصیل سے بیان کیے ہیں۔

(۴) رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کو اللہ تعالیٰ نے پھر زندہ کیا، یہاں تک کہ وہ نبی کریم ﷺ پر ایمان لائے۔ امام سیوطی نے اس حوالے سے نہایت عمدہ پیرائے میں دلائل کو تفصیل سے بیان کیا اور ان تمام دلائل پر جو اعتراض ہو سکتے تھے ان کا عمدہ جواب دیا۔

علامہ نبہانی فرماتے ہیں: "**وقد مال الی هذه السبیل الامام فخر الدین الرازی فقال ان آباءہ ﷺ کلهم الی آدم علیه الصلوٰة والسلام کانوا علی التوحید انتهی۔**" (ص ۴۱۴۔ رسائل تسع ص ۹۲)

اور اسی راستے کی طرف امام فخر الدین رازی مائل ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام تک تمام آباء و امہات (موحد) توحید پر تھے۔ (امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۶۰۶ھ) کا یہ مذکورہ بالا ارشاد ان کی مشہور تفسیر کبیر میں تو نہیں ہے مگر امام قسطلانی، امام سیوطی، علامہ زرقانی، اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اور دیگر اکابر علماء اسلام نے امام رازی کا یہ قول ان کی کتاب "اسرار التنزیل" کے حوالے سے نقل کیا ہے۔ اسرار التنزیل امام رازی کی تصانیف میں مختصر معروف تفسیر ہے جس کا ذکر جناب عبد السلام ندوی نے اپنی کتاب "امام رازی" (مطبوعہ ادارہ اسلامیات لاہور ۱۹۸۸ء) میں ص ۳۴ پر کیا ہے۔ ہو سکتا ہے یہ کتاب اسرار التنزیل، تفسیر کبیر کے بعد لکھی گئی ہو)۔

علامہ یوسف نبہانی فرماتے ہیں: "**ومن خصائصه ﷺ فیما ذکر الغز الی ان الله ملکه الجنه، واذن له ان یقطع منها من یشاء ماشاء واعظم بذلك منه، و خصه بطهارة النسب تعظیما لشانه، و حفظ آباءہ من الدنس تتمیما لبرهانه، وجعل کل اصل من اصوله خیر اهل زمانه۔**" (ص ۴۱۴۔ رسائل تسع ص ۱۱۰)

اور یہ رسول کریم ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ اس کے بارے میں امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب پاک ﷺ کو جنت کا مالک بنا دیا ہے اور ان کے لئے اجازت واختیار ہے کہ اس جنت میں سے جسے چاہیں اور جو چاہیں جاگیر عطا فرمادیں، اس سے بھی زیادہ بڑی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی کریم ﷺ کو ان کی عظمت شان کی وجہ سے نسب کی طہارت وپاکیزگی کے ساتھ خاص کیا ہے اور نبی پاک ﷺ کے آباؤاجداد کو آپ کی برہان نبوت کو کامل کرنے کے لئے میل کچیل سے پاک رکھا اور آپ کے تمام اصول (آباواجداد) کو ان کے اہل زمانہ سے بہتر بنایا۔

علامہ نبہانی فرماتے ہیں: "**وسلك الامام فخر الدين الرازى مسلكا آخر فى غاية التبجيل والتعظيم، انهمالم يكونا مشركين بل كانا على التوحيد و ملة ابراهيم، وزاد ان اجداده ﷺ كلهم الى آدم كذلك، سالكون من التوحيد فى اقوم المسالك۔**" (ص ۴۱۸۔ رسائل تسع ص ۱۱۷) اور امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ نے ایک دوسرا مسلک بیان کیا ہے جس میں نبی کریم ﷺ کی نہایت تعظیم و تبجیل (بزرگی اور عزت) ہے۔ امام رازی فرماتے ہیں کہ وہ (رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین) ہرگز مشرک نہیں تھے بلکہ توحید پر تھے اور ملت ابراہیم پر تھے۔ اور زیادہ کیا کہ بلاشبہ نبی پاک ﷺ کے تمام آباء واجداد حضرت آدم علیہ السلام تک سب اسی طرح تھے توحید پر چلنے والے، تمام مسلکوں میں سے درست ترین مسلک پر یعنی سبھی موحد تھے۔ (یہ ارشاد بھی اسرار التنزیل سے نقل کیا گیا ہے)

علامہ یوسف بن اسمٰعیل نبہانی نے اپنی دوسری تالیف "الانوار المحمدیہ من المواہب اللدنیہ" (مطبوعہ بیروت، ۱۳۱۰ھ) جلد اول کے ص ۳۳ تا ۳۵ میں بھی احیائے ابوین اور ان کے ایمان کا تذکرہ کیا ہے۔

پانچویں صدی ہجری سے اب تک تقریباً ایک ہزار برس میں اکثر علماء اسلام اسی مسلک

پر جمع ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین موحد و مومن اور ناجی و جنتی ہیں۔
علامہ بدر الدین عینی صاحب عمدۃ القاری شرح صحیح بخاری کے ان الفاظ میں ایمان و عقیدت کا اظہار یہاں بھی نہایت موزوں ہے کہ **من قال فى غير ذلك فاذنى عنه اصم۔** (جس کسی نے اس کے سوا کچھ کہا تو اس کے سننے سے میرے کان بہرے ہیں)۔

☆ "الاشباہ والنظائر" میں علامہ زین الدین ابراہیم ابن نجیم (المتوفی ۹۷۰ھ) جو اہل علم میں بلند مرتبہ اور ثقہ ہیں وہ فرماتے ہیں: "**ومن مات على الكفر ابيح لعنه الاوالدى رسول الله ﷺ لثبوت ان الله احيا هما حتى آمنابه۔**" (ص ۴۶۷/ ۲ مطبوعہ ادارۃ القرآن کراچی) اور ہر اس شخص پر لعنت کرنا جائز و حلال ہے جو کفر پر مرا ہے سوائے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے کیوں کہ ان کے لئے ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان دونوں کو زندہ کیا یہاں تک کہ وہ رسول پاک (ﷺ) پر ایمان لائے۔

☆ اسی کتاب "الاشباہ والنظائر" کے حاشیہ پر علامہ سید احمد بن محمد حموی (المتوفی ۱۰۹۸ھ) دلائل بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں: **فجملة هذه المسئلة ليست من الاعتقادات فلا حظ للقلب منها واما اللسان فحقه الامساك عما يتبادرمنه النقصان خصوصا الى وهم العامة لانهم لا يقدرون على دفعه و تداركه هذا خلاصة ما فى هذا المقام من الكلام، والله ولى والفضل والانعام** (۴۶۷/ ۲۔ مطبوعہ ادارۃ القرآن، کراچی)

حاصل کلام یہ کہ یہ مسئلہ (ایمان ابوین کا) اعتقادی نہیں اس لئے قلب کا اس میں کچھ حصہ نہیں۔ رہی زبان تو اس کا حق بھی یہی ہے کہ اسے ان تمام باتوں سے روکا جائے جن سے نقصان بڑھتا ہے (یعنی کوئی ایسا کلمہ جس سے تنقیص و توہین ہوتی ہو یا جس سے ایذائے رسول کا اندیشہ ہوتا ہو وہ کہنے سے بہتر ہے کہ زبان کو بند رکھا جائے) بالخصوص عام لوگوں کا وہم (زیادہ نقصان کرتا ہے) اس لئے کہ وہ لوگ اس وہم کو دفع

دور کرنے اور اس کے تدارک پر قدرت نہیں رکھے۔ اس مقام میں کلام کا یہی خلاصہ ہے۔ اور اللہ تعالیٰ فضل وانعام کا مالک ہے۔

☆ "حاشیہ الطحطاوی علی الدر المختار" از علامہ سید احمد طحطاوی حنفی (المتوفی ۱۲۳۱ھ) (مطبوعہ دار المعروفہ بیروت ۱۳۹۵ھ) میں ہے: "**وبالجملة لا ينبغي ذكر هذه المسئلة الامع مزيد الادب وليست من المسائل التى يضر جهلها اويسأل عنها فى القبر اوفى الموقف فحفظ اللسان عن التكلم فيها الابخير اولى و اسلم**۔" (ص ۸۰ / ۲) حاصل کلام یہ کہ اس مسئلہ کا ذکر نہایت ادب واحترام ہی سے کیا جائے اور یہ ان مسائل سے نہیں کہ جن کا نہ جاننا نقصان دے یا اس بارے میں قبر و حشر میں کوئی سوال ہوگا (یعنی ایسا نہیں ہے) پس بھلائی اور خیر کے سوا اس بارے میں زبان کو کلام سے روکے رکھنے ہی میں سلامتی اور بہتری ہے۔

☆ "**المستند المعتمد شرح المعتقد المنتقد**" حضرت مولانا فضل رسول بدایونی کی کتاب ہے اور اس کتاب پر امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان بریلوی کے حواشی ہیں یا اس کی شرح فاضل بریلوی نے کی ہے۔ اس کے حواشی میں یہ عبارت ہے: "**وانما الحق ما افادالامام السيوطى ان المسئلة خلافية وان كلا الفريقين ائمة اجلاء واما الكتاب فلانص فيه على شئى فى الباب وان تعلق ببعض ما يذكر فى اسباب النزول كا نارجوعا الى الحديث ولا شك انه هو الماخذ وحده لا مثال المسئلة والسيوطى اعلى كعبا اوسع باعا واعظم ذراعا منكم ومن اضعاف امثالكم فى المعرفة بالحديث و طرقه و علله ورجاله و احواله فكان الاسلم لكم القبول والافالتسليم والافالسكوت** ۔" (ص ۱۷۶)۔ اور اس (ایمان ابوین کے) بارے میں حق وہی ہے جو امام سیوطی (رحمتہ اللہ علیہ) نے بیان فرمایا ہے کہ یہ مسئلہ خلافیہ (اختلافی) ہے اور

اس مسئلہ کے فریقین (ماننے والے اور نہ ماننے والے) بڑے بڑے امام ہیں اور قرآن کریم میں اس بارے میں کوئی قطعی نص بھی نہیں ہے، البتہ بعض ان چیزوں سے جو نزول کے اسباب میں بیان ہوئی ہیں (ان سے) اس مسئلے کا تعلق کیا جاتا ہے، اس لئے فریقین کو احادیث کی طرف رجوع کی ضرورت ہوئی اور ایسے مسائل کے لئے احادیث ہی تنہا ماخذ ہو سکتی ہیں اور امام سیوطی (رحمتہ اللہ علیہ) فریق مخالف سے اس فن حدیث میں بدرجہا اعلی وارفع اور اعظم ہیں بلکہ ان جیسے کئی مسئلوں سے حدیث کی پہچان (معرفت حدیث) اور اس کے طرق اور اس کے علل اور اس کے رجال واحوال میں اعلی اور اعلم (بہتر اور زیادہ جاننے والے) ہیں۔ پس منکرین کے لئے طریق اسلم (ایمان ابوین کا) قبول ہے ورنہ تسلیم (نہ انکار نہ اقرار) ورنہ سکوت (خاموشی)۔

☆ "زرقانی علی المواہب" میں متعدد دلائل کے بیان کے بعد ہے: **و قد بينا لك مالكى حكم الابوين فاذا سئلت عنهما فقل همانا جيان فى الجنة اما احييا حتى آمنا كما جزم به الحافظ السهيلى والقرطبى وناصر الدين بن المنبر وان كان الحديث ضعيفا كما جزم به اولهم ووافقه جماعة من الحفاظ لانه فى منقبة وهى يعمل فيها بالحديث الضعيف واما لانهما ماتا فى الفترة قبل البعثة ولا تعذيب قبلها كما جزم به الابى واما لانهما كانا على الحنيفية والتوحيد لم يتقدم لهما شرك كما قطع به الامام السنوسى والتلمسانى المتاخر محشى الشفاء فهذا ما وقفنا عليه من علمائنا ولم نرلغير هم مايخالفه الاما يشم من نفس ابن دحية وقد تكفل برده القرطبى**۔" (ص ۱۸۶ مطبوعہ مصر)

ترجمہ: اے مالکی! ہم نے تیرے لئے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کا حکم بیان کر دیا ہے۔ جب تجھ سے ان کے بارے میں سوال کیا جائے تو جواب میں تم کہنا کہ

وہ دونوں ناجی (نجات پائے ہوئے) جنت میں ہیں یا تو اس لئے کہ ان دونوں کو زندہ کیا گیا یہاں تک کہ وہ رسول پاک ﷺ پر ایمان لائے جیسا کہ اس پر حافظ سہیلی اور قرطبی اور ناصر الدین ابن منیر نے جزم (☆) کیا ہے جیسا کہ ان سے پہلے لوگوں (علماء) نے بھی جزم کیا اگرچہ حدیث ضعیف ہے اور حفاظ کی ایک جماعت نے بھی اس کی موافقت کی ہے اس لئے کہ یہ حدیث فضیلت اور منقبت میں ہے اور ان (فضائل و مناقب کی) باتوں میں حدیث ضعیف پر عمل کیا جاتا ہے اور یا اس لئے کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کا وصال بعثت نبوی سے پہلے زمانہ فترت میں ہوا ہے اور بعثت نبوی سے پہلے زمانہ فترت کے فوت شدہ لوگوں کو عذاب نہیں ہوگا جیسا کہ ابی نے اس پر جزم کیا ہے اور یا اس لئے کہ وہ دونوں ملت حنفیہ اور توحید پر تھے، انہوں نے کبھی شرک نہیں کیا جیسا کہ امام سنوسی اور تلمسانی متاخر محشی شفا کا یقین ہے، یہ وہ منقولات ہیں جن کو ہم نے اپنے علماء سے جانا ہے اور ابن دحیہ کے سوا ہم نے کسی اور سے مخالفت کی بو کو محسوس نہیں کیا ہے اور اس کا رد علامہ قرطبی نے کر دیا ہے۔

☆ **"حاشیہ ردالمحتار علی الدرالمختار المعروف بفتاوی شامی"** میں علامہ محمد امین ابن عابدین (متوفی ۱۲۵۲ھ) رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: **"مطلب فی احیاء ابوی النبی ﷺ بعد موتھما: الاتری ان نبینا ﷺ قد اکرمہ اللہ تعالیٰ بحیاۃ ابویہ لہ حتی آمنا بہ کما فی حدیث صححہ القرطبی و ابن ناصر الدین (☆☆) حافظ الشام و غیرھما، فانتفعا بالایمان بعد الموت**

(☆) جزم کے معنی، مضبوط، پکا اور پختہ کرنے کے ہیں، یعنی جزم سے مراد، تائید و توثیق ہے۔

(☆☆) یہ تصحیح محدثانہ نہیں، لغوی معنی میں ہے، یا اس معنی میں ہے کہ ضعیف حدیث طرقِ متعددہ (راویوں کے مختلف سلسلوں کی بڑی تعداد) سے حسن لغیرہ کے درجے کو پہنچ جاتی ہے جو صحیح لغیرہ کے قریب ہے اور حسن لغیرہ طرق متعددہ سے مروی ہو تو وہ ترمذی وغیرہ کی اصطلاح میں صحیح لغیرہ کہلاتی ہے، لیکن علامہ شامی نے حدیث کی تصحیح کی نسبت علامہ شمس الدین ابن ناصر الدین دمشقی کی طرف بھی کی ہے، یہ بظاہر صحیح نہیں ہے کیوں کہ انہوں نے اپنے اشعار کے آخر میں صراحت کی ہے کہ **"وان کان الحدیث بہ ضعیفا"**۔

علی خلاف القاعدہ اکراما لنبیہ ﷺ کما احیا قتیل بنی اسرائیل لیخبر بقاتلہ، و کان عیسی علیہ السلام یحیی الموتی، و کذلک نبینا ﷺ احیا اللہ تعالیٰ علی یدیہ جماعۃ من الموتی، و قد صح ان اللہ تعالیٰ رد علیہ ﷺ الشمس بعد مغیبھا حتی صلی علی کرم اللہ وجھہ العصر، فکما اکرم بعود الشمس والوقت بعد فواتہ، فکذلک اکرم بعود الحیاۃ ووقت الایمان بعد فواتہ، وما قیل ان قولہ تعالی ولا تسأل عن اصحاب الجحیم. نزل فیھالم یصح، و خبر مسلم (ابی و ابوک فی النار) کان قبل علمہ اہ ملخصا۔" (ص۲۳۱، ج۴ باب المرتد۔ مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

ترجمہ: اے مخاطب! کیا تو نہیں دیکھتا کہ اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے ابوین کریمین کو زندہ کر کے عزت دی ہے یہاں تک کہ وہ دونوں نبی پاک ﷺ پر ایمان لائے جیسا کہ اس حدیث میں ہے جس کی قرطبی اور ابن ناصر الدین نے تصحیح کی ہے، ان دونوں (والدین کریمین) نے وفات کے بعد خلاف قاعدہ، ایمان کے ساتھ نفع حاصل کیا ہے نبی کریم ﷺ کے اکرام کی وجہ سے، جیسا کہ بنی اسرائیل کا قتیل زندہ کیا گیا تاکہ وہ اپنے قاتل کی خبر دے اور جیسا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردے زندہ کرتے تھے اور اسی طرح ہمارے نبی کریم ﷺ کے ہاتھوں پر مردوں کی ایک جماعت کو اللہ تعالیٰ نے زندہ کیا ہے اور تحقیق صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے سورج کو غروب ہونے کے بعد نبی پاک ﷺ کے لئے واپس لوٹایا یہاں تک کہ حضرت علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ نے عصر کی نماز کو اس کے اپنے وقت میں ادا کیا، جس طرح سورج اور عصر کے وقت کو اس کے فوت ہونے کے بعد لوٹا کر رسول پاک ﷺ کا اعزاز فرمایا، اسی طرح زندگی اور ایمان کا وقت فوت ہونے کے بعد والدین کریمین کو دوبارہ زندگی اور ایمان عطا فرما کر رسول کریم ﷺ کا اعزاز فرمایا۔ اور یہ جو اعتراض کیا گیا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا

قول ولا تسئل عن اصحب الجحیم کہ یہ ان دونوں (والدین کریمین) کے بارے میں نازل ہوا ہے، یہ درست نہیں (یعنی یہ ان کے بارے میں نازل نہیں ہوا) اور اسی طرح مسلم شریف کی حدیث **ابی وباوك فی النار**، احیائے **والدین کریمین** سے پہلے کی ہے۔

☆ ''فتاوی عزیزی'' میں سراج الہند حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ (المتوفی ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں: ''آں حضرت ﷺ کے ابوین شریفین کی نجات ثابت کرنے میں علماء کا تین مسلک ہے۔ ایک مسلک یہ کہ باوجود کفر وشرک کے یہ سزاوار عذاب کے نہیں، صبیان اور مجنونوں کے بارے میں جو حکم ہے وہی ان کے بارے میں بھی حکم ہے اس واسطے کے ابوین شریفین زمانہ فترۃ میں تھے اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**۔ یعنی ہم عذاب کرنے والے نہیں جب تک رسول نہ بھیجیں۔ اور زمانہ فترۃ کا آں حضرت ﷺ کی بعثت کے قبل ہوا تو بمقتضائے اس آیت کے اس وقت کے لوگ جو زمانہ فترۃ میں فوت ہو گئے سزاوار عذاب کے نہیں اور اس مسلک میں جو منافات ہے وہ اوپر مذکور ہے اور باعتبار اس مسلک کے بھی عبارت فقہ اکبر کی صحیح ہو سکتی ہے اس واسطے کے وہ عبارت صرف یہی ہے **ماتا علی الکفر** اس میں تعذیب کا کچھ ذکر نہیں۔ اور دوسرا مسلک یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے ابوین شریفین ایمان لانے کے لئے بعد موت کے پھر زندہ کئے گئے اور آں حضرت ﷺ پر ایمان لائے اور یہ مسلک بھی فقہ اکبر کے قول کے منافی نہیں، چناں چہ شمس الدین کردری نے کہ اجلہ علماء حنفیہ ماوراء النہر سے ہیں، اپنی فقہ میں لکھا ہے: **ویجوز لعن من مات علی الکفر الا والدی رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ و علی آلہ واصحابہ وسلم لثبوت انہ تعالیٰ احیا هماله حتی آمنا به انتهی**۔ یعنی اور جائز ہے لعن کرنا اس پر جو مر گیا ہو کفر پر مگر والدین آں حضرت ﷺ کی شان

میں یہ جائز نہیں اس واسطے کہ یہ ثابت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابوین شریفین کو آں حضرت ﷺ کے لئے زندہ فرمایا اور وہ آں حضرت ﷺ پر ایمان لائے۔ (یہ ترجمہ شمس الدین کروری کے قول مذکور کا ہے)۔ اور تیسرا مسلک یہ ہے کہ ابوین شریفین نے خود اپنی عقل سے ملت ابراہیمی سن کر شرک کا قبح (برا ہونا) معلوم کیا اور شرک ترک کیا اور توحید کے معتقد تھے اور بت کی تعظیم نہ کرتے تھے اور سابق (پہلے) سے ایک دوسرے سے سنتے چلے آئے کہ آں حضرت ﷺ مبعوث ہوں گے اور آں حضرت کے تولد اور قدوم میمنت لزوم کے منتظر تھے اور دل سے قصد مصمم (پکا ارادہ) رکھتے تھے کہ جب آں حضرت ﷺ جلوہ گر ہوں گے تو ہم لوگ دل و جان سے آں حضرت ﷺ کی اتباع اختیار کریں گے چناں چہ آں حضرت ﷺ کے نور کا قصہ اس مدعا کے لئے شاہد ہے کہ وہ نور حضرت عبد اللہ کی پیشانی میں جلوہ گر تھا اور آپ کو یہ وصیت پہنچی کہ آپ کے والد اور آپ کے اجداد یکے بعد دیگرے اس نور مبارک کی حفاظت کے لئے وصیت کرتے رہے اور علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رسالہ میں زیادہ تر یہی مسلک اختیار کیا ہے تو اس صورت میں ابوین شریفین کی نجات ثابت ہوتی ہے اور ابوین شریفین کا ایمان ثابت ہوتا ہے اس واسطے کہ اس وقت اسی قدر ایمان اجمالی متحقق ہو سکتا تھا چناں چہ ورقہ بن نوفل کے حق میں بھی اسی قدر ثابت ہے اور فقہ اکبر کی عبارت اس مسلک کے بھی منافی نہیں۔ اس واسطے کہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ عدم ایمان تفصیلی اور عدم وقوع ایمان بعد بعث آں حضرت ﷺ کی تعبیر کفر کے ساتھ فقہ اکبر میں ہوئی ہے لیکن حدیث **ابی وابوك فی النار** اور حدیث **لم یوذن لی بالشفاعة فیها** حق میں مادر شریفہ کے ہو تو یہ تینوں مسلک اس کے خلاف ہیں، تو بہت بہتر ہے کہ ان مسائل میں سکوت اختیار کیا جاوے۔'' (ص ۲۹۵ تا ۲۹۷، ج ۱، سرور عزیزی المعروف فتاوی عزیزی، مطبوعہ مجیدی کان پور)

☆ "نور الابصار فی مناقب آل بیت النبی المختار" مولفہ الشیخ مومن بن حسن مومن الشلنجی المتوفی تیرھویں صدی ہجری (مطبوعہ مطبعہ مصطفیٰ البابی الحلبی مصر ۱۳۶۷ھ) کے ص ۳۴ پر ہے: واحیاء ابویه له حتی آمنا به علی ما قیل۔ رسول کریم ﷺ نے اپنے والدین کو زندہ کیا یہاں تک کہ وہ آپ پر ایمان لائے جیسا کہ کہا گیا۔ اسی کو جناب نواب صدیق حسن خاں بھوپالی (م ۱۳۰۷ھ) نے الشمامۃ العنبریہ میں لکھا۔

☆ "اسعاف الراغبین فی سیرۃ المصطفیٰ و فضائل اہل بیت الطاہرین" الشیخ محمد بن علی مصری الصبان (م ۱۳۰۶ھ) کے ص ۶۵ پر بھی یہی عبارت درج ہے۔

☆ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی (المتوفی ۱۳۴۰ھ) فرماتے ہیں: "بات وہی ہے جو امام جلیل سیوطی نے فرمائی: انی لم ادع ان المسئالة اجماعیه بل هی مسئاله ذات خلاف فحکمها کحکم سائر المسائل المختلف فیها غیرانی اخترت اقوال القائلین بالنجاة لانه الانسب لهذا المقام۔ پھر بے شک میں نے دعویٰ نہیں کیا کہ یہ (ایمان ابوین کا) مسئلہ اجماعیہ ہے بلکہ یہ اختلافی مسئلہ ہے تو اس کا حکم بھی انہی (اختلافی) مسائل کا سا ہے لیکن میں نے ان کے قول کو اختیار کیا ہے جو (والدین رسالت مآب کی) نجات کے قائل ہیں اس لئے کہ اس مقام کے یہی مناسب اور شایان ہے"...... فرماتے ہیں: "میں (احمد رضا) کہتا ہوں کہ تحقیق یہ کہ طالب تحقیق مرہون دست دلیل ہے۔ ابتداء ظواہر بعض آثار سے جو ظاہر بعض انظار ہوا ظاہر تھا کہ ان سے جوابات شافیہ اور اس پر دلائل وافیہ قائم و مستقیم، چارہ کار قبول و تسلیم بالاقل سکوت و تعظیم والله الهادی الی صراط المستقیم۔" (ص ۳۴، شمول الاسلام، مطبوعہ حسنی پریس، بریلی)...... مزید فرماتے ہیں: "اپنا مسلک اس باب میں یہ ہے

ومن مذهبی حب الدیار لاهلها   وللناس فیما یعشقون مذاهب

جسے یہ پسند ہو فبہا و نعمت ورنہ آخر اس سے تو کم نہ ہو کہ زبان روکے دل صاف رکھے ان ذلکم کان یوذی النبی سے ڈرے۔" (ص ۲۱ شمول الاسلام)

وہ مزید فرماتے ہیں: "امام ابن حجر مکی شرح (ہمزیہ افضل القری) میں فرماتے ہیں: ما احسن قول المتوقفین فی هذه المسئالة الحذر الحذر من ذکر هما بنقص فان ذلك قد یوذیه ﷺ لخبر الطبرانی لا توذوا الاحیاء بسبب الاموات۔ یعنی کیا خوب فرمایا ان بعض علماء نے جنہیں اس مسئلہ میں توقف تھا کہ دیکھ بچ والدین کریمین کو کسی نقص کے ساتھ ذکر کرنے سے کہ اس سے حضور سید عالم ﷺ کو ایذا ہونے کا اندیشہ ہے کہ طبرانی کی حدیث میں ہے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا مردوں کو برا کہہ کر زندوں کو ایذا نہ دو یعنی حضور تو زندہ ابدی ہیں ہمارے تمام افعال و اقوال پر مطلع ہیں اور اللہ عزوجل فرماتا ہے: والذین یوذون رسول الله لهم عذاب الیم جو لوگ رسول اللہ کو ایذا دیتے ہیں ان کے لئے دردناک عذاب ہے۔ عاقل کو چاہئے .. جگہ سخت احتیاط سے کام لے ع ہش دار کہ رہ بردم تیغ ست قدم را۔ یہ مانا مسئلہ قطعی نہیں اجماعی نہیں پھر ادھر (ایمان ابوین کے انکار میں) کون سا قاطع کون سا اجماع ہے؟ آدمی اگر جانب ادب میں خطا کرے تو لاکھ جگہ بہتر ہے اس سے کہ معاذ اللہ اس کی خطا جانب گستاخی جائے۔" (ص ۲۲ شمول الاسلام)

مزید فرماتے ہیں: "ادھر (منکرین میں) کون سی دلیل قاطع پائی؟ حاش للہ ایک حدیث بھی (اس باب میں) صحیح و صریح نہیں، جو صریح ہے، ہرگز صحیح نہیں اور جو صحیح ہے، ہرگز صریح نہیں، جس کی طرف ہم نے اجمالی اشارات کر دیئے تو اقل درجہ وہی سکوت و حفظ ادب رہا، آئندہ اختیار بدست مختار۔" (ص ۲۳ شمول الاسلام)

☆ "الافاضات السنیه الملقب به فتاوی مهریه" (مطبوعہ جامعہ غوثیہ گولڑا شریف ۱۳۹۷ھ) کے ص ۱۲ پر علامہ زمان حضرت قبلہ پیر سید مہر علی شاہ صاحب

گیلانی گولڑوی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۱۳۵۶ھ) فرماتے ہیں: "حضرت پیغمبر خدا احمد مجتبی محمد مصطفیٰ ﷺ کے والدین شریفین کے عدم اسلام کا علماء متقدمین کو تو یقین واثق ہے اور متاخرین ابن حجر وغیرہ کا بھی یہی مسلک ہے مگر بعض متاخرین محققین اہل فقہ وحدیث نے اسلام ابوین شریفین حضرت رسول الثقلین ﷺ کو احادیث سے ثابت کیا ہے بلکہ جمیع آباء وامہات حضرت سرور کائنات فخر موجودات ﷺ کا اسلام حضرت آدم علیہ السلام تک پایہ ثبوت کو پہنچایا ہے اور اثبات اسلام کے تین طریقے بیان کئے ہیں۔

اول یہ کہ والدین شریفین آں حضرت ﷺ دین ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تھے دوسرا یہ کہ وہ دونوں صاحب زمانہ فترت میں تھے نہ زمانہ نبوت میں یعنی ان کو کسی نبی کی دعوت نہیں پہنچی۔ تیسرا یہ کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت پیغمبر خدا ﷺ کی دعا سے آپ کے والدین شریفین کو زندہ کیا اور وہ اسلام لائے۔ چناں چہ احادیث میں مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے بارگاہ ایزدی میں سوال کیا کہ الٰہی میرے والدین کو زندہ فرما کر مشرف باسلام کر۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کا سوال منظور فرما کر آپ کے والدین کو زندہ فرما کر مشرف باسلام کیا، اگرچہ بعض احادیث میں اس کے خلاف بھی تصریح معلوم ہوتی ہے اور اس حدیث کی علماء متقدمین نے تضعیف بھی کی ہے لیکن متاخرین محققین نے حدیث احیاء کی تصحیح و تحسین کئی طرح سے فرمائی ہے اور یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ حدیث احیاء ان احادیث سے ہے کہ جن کو متقدمین محدثین نے روایت کیا ہے متاخر ہے گویا یہ علم متقدمین سے ایک گونہ پوشیدہ و مستور تھا اور متاخرین پر اللہ تعالیٰ نے اس کو کھول دیا واللہ یختص برحمتہ من یشاء من فضلہ۔ علامہ جلال الدین سیوطی علیہ الرحمتہ والرضوان نے اس بارے میں کئی رسالے لکھے ہیں اور مخالفین کو بخوبی جواب دیئے ہیں علی ہذا القیاس صاحب مواہب لدنیہ وانوار محمدیہ من

مواہب اللدنیہ نے بھی اس مدعا کا ثبوت پیش کیا ہے۔ علامہ شامی وطحطاوی نے بھی اسلام ابوین شریفین کا مسئلہ بغرض اثبات اسلام آں ہا ذکر فرمایا ہے، چناں چہ انوار المحمدیہ من مواہب اللدنیہ میں مرقوم ہے: وقد روی ان آمنة امنت به ﷺ بعد موتها روی الطبرانی بسنده عن عائشة رضی الله تعالیٰ عنها ان النبی ﷺ نزل الحجون كئيبا حزينا فاقام به ماشاء الله تعالى ثم رجع مسرور اقال سألت ربی عزوجل فاحی لی امی فامنت بی ثم ردها كذا روی من حديث عائشة ايضا احياء ابويه ﷺ حتى آمنا به اورده السهيلی والخطيب. و قال القرطبی فی التذكره ان فضائله ﷺ و خصائصه لم تزل تتوالی و تتتابع الی حين مماته فيكون هذا مما فضله الله به و اكرمه قال و ليس احياء هما و ايمانهما ممتنعا عقلا ولا شرعا فقد ورد فی الكتاب العزيز احياء قتيل بنی اسرائيل و اخبر بقاتله و كان عيسی عليه السلام يحيی الموتی و كذلك نبينا عليه الصلوة والسلام احی الله علی يديه جماعة من الموتی و اذا ثبت هذا فما يمتنع ايمانهما بعد احيائهما و يكون ذلك زيادة فی كرامته و فضيلته ﷺ و قال الامام فخر الدين الرازی ان جميع اباء محمد ﷺ كانوا مسلمين و مما يدل علی ذلك قوله ﷺ لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الی ارحام الطاهرات و قد قال الله تعالیٰ انما المشركون نجس فوجب ان لا يكون احد من اجداده مشركا و لقد احسن الحافظ شمس الدين بن ناصر الدين الدمشقی (المتوفی ۸۴۲ھ) حيث قال (فی مورد الصادی بمولد الهادی)

حبا الله النبی مزيد فضل　　علی فضل و كان به رؤفا
فاحی امه و كذا اباه　　لا يمان به فضلا لطيفا

فسلم فالقد يم بذا قدير وان كان الحديث به ضعيفا (☆)

اور بخاری شریف میں بروایت ابی ہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ مروی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا کہ میری بعثت خیر قرون بنی آدم میں قرنابعد قرن ہوئی ہے اور خیریت بعثت نبوی باوجود تلوث کفر آباءواجداد غیر متصور ونیز حدیث مسلم جس کا خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اولاد اسمٰعیل علیہ السلام سے کنانہ کو برگزیدہ کیا اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے خلعت اصطفا حضرت پیغمبر خدا ﷺ کو پہنائی گئی یہ برگزیدگی واصطفائی بھی اس کی مقتضی ہے کہ سلسلہ آباءواجداد نبوی میں کم از کم وجود توحید تو ضرور ہی پایا جائے ورنہ باوجود کفروشرک محض خصائل حمیدہ کسی گنتی وشمار میں نہیں۔ كما فى المشكوة عن ابى هريرة رضى الله تعالىٰ عنه قال قال رسول الله ﷺ بعثت من خير قرون بنى آدم قرنا فقرنا حتى كنت من القرن الذى كنت منه رواه البخارى. وعن واثلة بن الاسقع قال سمعت رسول الله ﷺ ان الله اصطفى قريشا من كنانة واصطفى من قريش بنى هاشم و اصطفانى من بنى هاشم رواه مسلم۔ اور علامہ ابن عابدین شامی و علامہ طحطاوی رحمتہ اللہ علیہما نے بھی ایمان والدین شریفین پیغمبر خدا ﷺ کو اچھی طرح ثابت کیا ہے اور مخالفین کے اعتراضات کا جواب بھی دیا ہے اور حدیثیں بھی اس کے خلاف وارد ہوئی ہیں ان کی توجیہ بخوبی فرمائی ہے چناں چہ شامی میں مرقوم ہے: ان ترى ان نبينا ﷺ قد اكرمه الله تعالى بحياة ابويه له حتى آمنا به كما فى حديث صححه القرطبى و ابن ناصر الدين حافظ الشام و غيرهما فانتفعا بالايمان بعد الموت على خلاف العادة اكراما لنبيه ﷺ كما احى قتيل

☆ دمشق کے مشہور محدث ابن ناصر الدین دمشقی کے حالات "شذرات الذہب" مولفہ عبدالحی بن عماد حنبلی (م۱۰۸۹ھ) میں تفصیل سے مذکور ہیں۔ "کشف الظنون عن اسامی الکتب والفنون" (مطبوعہ دارالفکر بیروت) کے ص ۱۵۴/۶ میں علامہ ملا کاتب جلبی (م۱۰۶۷ھ) نے امام دمشقی کی چالیس تصانیف کا تذکرہ کیا ہے۔

بنى اسرائيل ليخبر بقاتله و كان عيسى عليه السلام يحى الموتى و كذالك نبينا عليه الصلوٰة والسلام احى الله تعالىٰ على يديه جماعة من الموتى و قد صح ان الله تعالى رد عليه الشمس بعد غيبتها حتى صلى على كرم الله وجهه العصر فكما اكرم بعود الشمس بعد فواته فكذالك اكرم بعود الحياة و وقت الايمان بعد فواتهما- ولايقال ان فيه اسأة ادب لاقتضائه كفر الابوين الشريفين مع ان الله تعالى احياهما له وامنا به كما ورد فى حديث ضعيف لانا نقول ان الحديث اعم بدليل رواية الطبرانى و ابى نعيم و ابن عساكر خرجت من نكاح ولم اخرج من سفاح من لدن آدم الى ان ولدنى ابى وامى لم يصبنى من نكاح الجاهلية شئى و احياء الابوين بعد مماتهما لاينا فى كون النكاح كان فى زمن الكفر ولاينا فى ايضا ما قال له الامام فى الفقه الاكبر من ان والديه ﷺ ماتا على الكفر ولا ما فى صحيح المسلم استاذنت ربى ان استغفر لا مى فلم ياذن لى وما فيه ايضا ان رجلا قال يا رسول الله ﷺ اين ابى؟ قال فى النار قلما قفاد عاه فقال ان ابى و اباك فى النار لامكان ان يكون الاحياء بعد ذلك لانه كان فى حجة الوداع فكون الايمان عند المعاينة غير نافع فكيف بعد الممات فذالك فى غير الخصوصية التى اكرم الله بهانبيه ﷺ واما الاستدلال على نجاتهما بانهما ماتا فى زمن الفترة فهو مبنى على اصول الاشاعرة ان من مات ولم تبلغه الدعوة يموت ناجيا اما الماتر يدية فان مات قبل مضنى مدة يمكنه فيها التامل ولم يعتقده ايمانا ولا كفرا فلا عقاب عليه بخلاف ما اذا اعتقد كفرا اومات بعد المدة غير معتقد شيئانعم البخاريون من الماتريدية والفقوا لا شاعرة وحملوا قول الامام لا عذر لا حد فى الجهل يخالفه على

ما بعد البعثة واختاره المحقق ابن الهمام فى التحرير لكن هذا فى غير من مات معتقد الكفر فقد صرح النووى الفخر الرازى بان من مات قبل البعثة مشركا فهو فى النار و عليه حمل بعض المالكية ماصح من الاحاديث فى تعذيب اهل الفترة بخلاف من لم يشرك منهم ولم يوجد بل بقى عمره فى غفلة من هذا كله ففيهم الخلاف و بخلاف من اهتدا منهم بعقله كقس بن ساعدة و زيد بن عمرو بن نفيل فلا يخالف فى نجاتهم و على هذا فالظن فى كرم الله تعالى ان يكون ابواه ﷺ من هذين القسمين بل قيل ان اباء ه ﷺ كلهم موحدون لقوله تعالىٰ و تقلبك فى الساجدين.

اور علامہ طحطاوی نے بھی اسی کے قریب قریب بیان کیا ہے جس کا نقل کرنا طوالت سے خالی نہیں ہے اس کو ترک کرتا ہوں، ہاں اس میں ایک حکایت اس کے متعلق نقل کی ہے اس کو تحریر کردیتا ہوں۔

وحكى ان بعض الفضلاء مكث متفكر الليلة فى ابويه ﷺ و اختلاف العلماء فى حديث احيائهما و ايمانهما به فمن مضعف ومن مصحح وهل يمكن الجمع بين الاقاويل ام لافاستهواه الفكرة حتى مال على السراج فاحرقه فلما كانت صبيحة تلك الليلة اتاه رجل من الجند يسئاله ان يضيفه فتوجه الى بيته فمر فى اثناء الطريق على رجل حضرى قد جلس بباب خزانة تحت حانوت بها موازينه و باقى الات البيع فقام هذا الرجل حتى اخذ بعنان دابة الشيخ وقال له شعر

امنت ان ابا النبى وامه — احيا هما الحى القدير البارى
حتى لقد شهدا له برسالة — صدق فتلك كرامة المختار
وبه الحديث ومن يقول بضعفه — فهو الضعيف عن الحقيقة عارى

ثم قال خذها اليك ايها الشيخ ولا تسهر ولا تتعب نفسك متفكر احتى يحرقك السراج ولكن امض المحل الذى انت قاصده لتاكل منه لقمة حراما فبهت الشيخ لذلك ثم طلب الرجل فلم يجده فاستخبر جيرانه من اهل السوق فلم يعرف منهم احدا و اخبرابانه لا عهدلهم برجل يجلس بهذا المحل اصلاثم ان الشيخ رجع الى منزله ولم يمض الى دارالجندى لما سمعه من مقالة هذا الاستاذ۔ الحاصل ایمان والدین شریفین حضرت پیغمبر خدا ﷺ کا متاخرین علمائے کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے نزدیک ثابت ہے جیسا کہ اوپر بیان کیا گیا۔ الملتجی الی اللہ، عبدہ المذنب مہر علی شاہ۔"

(حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب گولڑوی کی اس تحریر میں جس قدر عربی عبارات ہیں ان کا اردو ترجمہ تکرار کی وجہ سے درج نہیں کیا جارہا لیکن الدر المختار کے حاشیہ الطحطاوی از علامہ سید احمد طحطاوی حنفی المتوفی ۱۲۳۱ھ (مطبوعہ بیروت) کے ص ۸۰/۲ پر درج اس ایمان افروز حکایت جس کا ذکر حضرت پیر مہر علی شاہ صاحب نے کیا ہے، ترجمہ ملاحظہ ہو):

کچھ بزرگوں نے یہ حکایت بیان کی ہے کہ

ایک عالم رات بھر رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے دوبارہ زندہ ہونے اور ان کے ایمان کے مسئلہ میں متفکر رہے اور علماء کے اس اختلاف کو سوچتے رہے کہ کوئی اس حدیث کو صحیح کہتا ہے اور کوئی ضعیف، تو ان صحیح یا ضعیف کہنے والوں کے اقوال میں تطبیق کیوں کر ہو؟ اسی فکر میں گم، جلتے ہوئے چراغ پر جھک گئے تو بدن جل گیا۔ صبح ان کے پاس ایک لشکری آیا کہ میرے یہاں آپ کی دعوت ہے۔ اس کے گھر کی طرف چلے تو راہ میں ایک ترہ فروش ملے جو اپنی دکان کے آگے باٹ اور ترازو لیے بیٹھے تھے۔ وہ (ترہ فروش) اٹھے اور انہوں نے اس عالم کے گھوڑے کی باگ پکڑلی اور یہ اشعار پڑھے ۔

یعنی میں ایمان لایا کہ زندہ قادر مطلق، خالق کائنات (اللہ تعالیٰ) نے زندہ کیا رسول اللہ ﷺ کے ماں باپ کو یہاں تک کہ بلاشبہ ان دونوں نے رسول پاک ﷺ کی نبوت و رسالت کی گواہی دی۔ اے شیخ، تصدیق کر کہ یہ (واقعہ) رسول کریم ﷺ کے اعزاز کے واسطے ہوا اور اس بارے میں حدیث شریف وارد ہوئی اور جو اس حدیث کو ضعیف بتائے وہ شخص آپ خود، ضعیف ہے یعنی اس کے علم و فہم میں ضعف ہے، اور وہ علم حقیقت سے خالی ہے۔ یہ اشعار سنا کر اس (ترہ فروش) نے اس عالم سے فرمایا، اے شیخ! یہ بات قبول کرو اور رات بھر نہ جاگو، نہ ہی اپنی جان کو فکر میں ڈالو کہ چراغ تمہیں جلا دے۔ ہاں سنو! جہاں جارہے ہو وہاں حرام لقمے کھاؤ گے۔ وہ عالم یہ باتیں سن کر بے خود ہو کر رہ گئے، (اپنی بے خودی سے چونک کر) اس شخص (ترہ فروش) کو تلاش کیا تو ان کا پتا نہ پایا۔ بازار میں ان کے پڑوسی دکانداروں سے پوچھا، مگر ان میں سے کوئی بھی اس (ترہ فروش) کو پہچانتا نہیں تھا، بازاروں والوں نے کہا ایسا کوئی شخص یہاں بیٹھتا ہی نہیں۔ (وہ علامہ تھے سمجھ گئے کہ قدرت نے میری رہ نمائی کے لیے اس بزرگ کو ظاہر کیا تھا) پھر وہ عالم اس بزرگ ہادی غیب عالم ربانی کی اس ہدایت کو سن کر اپنے مکان کو واپس آگئے اور لشکری کے یہاں تشریف نہیں لے گئے۔

☆ قارئین کرام! امام فخر الدین رازی رحمتہ اللہ علیہ کا سن وفات ۶۰۶ ہجری ہے اور انہیں چھٹی صدی کا مجدد بھی کہا جاتا ہے۔ اور اسی سے قریب ترین دور کے علامہ قرطبی (المتوفی ۶۷۱ھ) کی تحریر بھی آپ نے پڑھی۔ علاوہ ازیں حضرت امام محمد غزالی رحمتہ اللہ علیہ کا سن وفات ۵۰۵ ہجری ہے، ان کی تحریر سے اقتباس بھی علامہ نبہانی کی تحریر میں آپ نے ملاحظہ فرمایا۔ یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس مسئلہ میں علامہ جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ (المتوفی ۹۱۱ھ) کے مستقل رسائل سے قبل اگرچہ کچھ علماء کا اختلاف رہا مگر اس کے باوجود کسی نے بے ادبی اور گستاخی کے لہجے میں رسول کریم

ﷺ کے والدین کریمین کا ذکر نہیں کیا اور علامہ سیوطی کے بعد یہ اختلاف بھی ایسا نہیں رہا کیوں کہ امام سیوطی نے ایمان ابوین کے منکرین کے اعتراضات کا وافی و شافی جواب تحریر فرما کر اہل علم و تحقیق کی تسلی کا سامان کیا اور حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ کے مطابق متاخرین علماء اسلام پر اللہ تعالیٰ کا فضل ہوا اور یہ مسئلہ ان پر کھلا اور انہوں نے اس باب میں ایمان و عقیدت کا مظاہرہ کرتے ہوئے عمدہ دلائل سے ایمان ابوین شریفین کو ثابت کیا۔

☆ اس بارے میں حضرت امام ملا علی قاری حنفی (المتوفی ۱۰۱۴ھ) کا نام متنازع ہے اور کچھ لوگ انہیں مطعون کرتے ہیں کہ انہوں نے نہایت نامناسب لہجے میں نہ صرف ایمان ابوین کا انکار کیا ہے بلکہ انہیں (معاذ اللہ) غیر ناجی ثابت کیا ہے اور یہ الزام بھی لگایا جاتا ہے کہ امام ملا علی قاری حنفی ہی نہیں خود امام اعظم ابو حنیفہ سیدنا نعمان بن ثابت کوفی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۵۰ھ) نے بھی فقہ اکبر میں ایمان ابوین کا انکار کیا ہے، ان دونوں باتوں کا مختصراً تحقیقی جائزہ پیش کرتا ہوں، پہلے فقہ اکبر کے بارے میں ملاحظہ ہو:

"الفقہ الاکبر" ایک مختصر رسالہ ہے جس کی نسبت حضرت امام اعظم ابو حنیفہ سیدنا نعمان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف کی گئی ہے۔ کچھ علمائے اسلام یہ فرماتے ہیں کہ اہل سنت کے چاروں اماموں (ائمہ مجتہدین) کی خود اپنی کوئی تصنیف ہی نہیں ہے اور کچھ علماء اسلام نے ان سے منسوب تصانیف کو انہی کی تصانیف مانا ہے، لیکن ان کا صحیح اور معتمد نسخہ کون سا ہے؟ یا ہر نسخے کے تمام مندرجات ہر طرح صحیح ہیں؟ اس بارے میں کوئی دعوی یا علماء اسلام کا اتفاق نہیں ہے۔

مصری عالم اور ناقد جناب شیخ محمد ابو زہرہ حنفی کی عربی کتاب "ابو حنیفہ حیاتہ وعصرہ" کا اردو ترجمہ "حیات حضرت امام ابو حنیفہ رحمتہ اللہ علیہ" کے نام سے (ملک سنز تاجران

کتب، کارخانہ بازار) فیصل آباد میں شائع ہوا، ترجمہ کرنے والے جناب غلام احمد حریری ہیں۔ یہ ترجمہ انہوں نے اگست ۱۹۸۰ء میں کیا۔ اس کتاب میں ہے کہ شیخ محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں: ”بعض وہ کتابیں جو آپ (امام ابو حنیفہ) کی طرف منسوب ہیں ان میں سے اولین کتاب الفقہ الاکبر ہے۔“ (ص ۳۰۰)۔ مزید فرماتے ہیں:
”واضح رہے کہ علماء کے نزدیک فقہ اکبر کی نسبت امام ابو حنیفہ کی جانب محل نظر و تامل ہے۔ اس پر علماء کبھی متفق نہ ہو سکے اور نہ کسی نے اتفاق کا آج تک دعویٰ کیا، یہاں تک کہ آپ سر گرم حامی اور آپ کے آثار و کتب کی زبردست آرزو رکھنے والے بھی اس کا کوئی واضح ثبوت پیش نہ کر سکے۔“ (ص ۳۰۱)...... ”پس فقہ اکبر کی نسبت امام ابو حنیفہ کی طرف مشکوک اور بعض علماء کے نزدیک نادرست ہے۔“ (ص ۳۰۲)۔......
ص ۳۰۲ پر مزید لکھتے ہیں: ”اب فقہ اکبر کے متن پر ایک غائر نگاہ ڈال کر یہ معلوم کرنا چاہئے کہ اپنے مندرجات و محتویات کے اعتبار سے کیا پوری کتاب کی نسبت آپ (امام ابو حنیفہ) کی طرف درست ہے یا اس میں کچھ ایسا مواد بھی پایا جاتا ہے جس کا انتساب آپ کی جانب محل نظر و تامل ہے؟...... ص ۳۰۳ پر ہے: ”فقہ اکبر میں بعض ایسے مسائل بھی دیکھنے میں آئے جن کا رواج نہ امام ابو حنیفہ کے زمانہ میں تھا اور نہ آپ سے قبل۔“...... مزید لکھتے ہیں: ”اس مشہور فقہ اکبر کی نسبت بھی آپ کی طرف محل نظر و تامل ہے اور قطعی طور پر ثابت نہیں کہ یہ آپ کی تصنیف ہے۔“ (ص ۳۳۷)

☆ جناب شبلی نعمانی اپنی تالیف ”سیرۃ النعمان“ میں لکھتے ہیں: ”امام صاحب کی طرف جو کتابیں منسوب ہیں ان کے نام یہ ہیں۔ فقہ اکبر۔ العالم والمتعلم۔ مسند۔“ (ص ۱۱۱) ......”امام رازی نے مناقب الشافعی میں تصریح کی ہے کہ امام ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔“ (ص ۱۱۳)...... ”فقہ اکبر کو اگرچہ فخر الاسلام بزدوی عبد العلی بحر العلوم و شارحین فقہ اکبر نے امام صاحب کی طرف منسوب کیا ہے لیکن ہم مشکل سے

اس پر یقین کر سکتے ہیں۔ یہ کتاب جس زمانہ کی تصنیف بیان کی جاتی ہے اس وقت تک یہ طرز تحریر پیدا نہیں ہوا تھا، وہ بطور ایک متن کے ہے اور اس اختصار اور ترتیب کے ساتھ لکھی گئی ہے جو متاخرین کا خاص انداز ہے، ایک جگہ اس میں جوہر و عرض کا لفظ آیا ہے، حالاں کہ یہ فلسفیانہ الفاظ اس وقت تک عربی زبان میں داخل نہیں ہوئے تھے۔ بے شبہ منصور عباسی کے زمانہ میں فلسفہ کی کتابیں یونانی زبان سے عربی میں ترجمہ کی گئی تھیں لیکن یہ زمانہ امام صاحب کی آخر زندگی کا زمانہ ہے۔ کسی طرح قیاس نہیں کیا جا سکتا کہ ترجمہ ہوتے ہی یہ الفاظ اس قدر جلد شائع ہو جائیں کہ عام تصنیفات میں ان کا رواج ہو جائے۔ فلسفہ کے الفاظ نے مذہبی دائرے میں اس وقت بار پایا ہے جب کثرت استعمال کی وجہ سے وہ زبان کا جزو بن گئے اور عام بول چال میں بھی ان کے استعمال کے بغیر چارہ نہ رہا لیکن یہ دور امام صاحب کے زمانہ کے بعد شروع ہوا ہے۔ یہ بحث تو درایت کی حیثیت سے تھی، اصول روایت کے لحاظ سے بھی یہ امر ثابت نہیں ہوتا۔ دوسری تیسری بلکہ چوتھی صدی کی تصنیفات میں اس کتاب کا پتہ نہیں چلتا، قدیم سے قدیم تصنیف جس میں اس رسالہ کا ذکر کیا گیا ہے (جہاں تک ہم کو معلوم ہے) فخر الاسلام بزدوی کی کتاب الاصول ہے جو پانچویں صدی کی تصنیف ہے۔ امام ابو حنیفہ کے ہزاروں شاگرد تھے جن میں سے اکثر بجائے خود استاد تھے اور واسطہ در واسطہ ان کے ہزاروں لاکھوں شاگرد ہوئے۔ نہایت خلاف قیاس ہے کہ امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود ہوتی اور اتنے بڑے گروہ میں اس کا نام نہ لیا جاتا۔ علم عقائد اور اس کے متعلقات پر جو بڑی بڑی کتابیں مثلاً صحائف، شرح مقاصد، شرح مواقف، ملل و نحل وغیرہ تصنیف ہوئیں ان میں کہیں اس کا ذکر تک نہیں ہے۔ اس کتاب کی جس قدر شرحیں ہوئیں سب آٹھویں صدی میں یا اس کے بعد ہوئیں، اس کے علاوہ ابو مطیع بلخی جو اس کتاب کے راوی ہیں، حدیث و روایت میں چنداں مستند نہیں ہیں۔ کتب رجال

میں ان کی نسبت محدثین نے سخت ریمارک کئے ہیں اگرچہ میں ان کو کلیتہً تسلیم نہیں کرتا، تاہم ایک ایسی مشتبہ کتاب جس کا ثبوت صرف ابو مطیع بلخی کی روایت پر منحصر ہو، محدثانہ اصول پر قابل تسلیم نہیں ہو سکتی۔ میرا خیال ہے کہ ابو مطیع بلخی نے ایک رسالہ میں بطور خود عقائد کے مسائل قلم بند کئے تھے، رفتہ رفتہ وہ امام صاحب کی طرف منسوب ہو گیا، اس خیال کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ ذہبی نے "عبر فی اخبار من غبر" میں ابو مطیع کا جہاں ذکر کیا ہے ان لفظوں سے کیا ہے کہ "صاحب الفقہ الاکبر"، جس کے متبادر معنی یہی ہیں کہ خود ابو مطیع بلخی اس کے مصنف ہیں۔ میرا یہ بھی خیال ہے کہ فقہ اکبر کی موجودہ ترتیب و عبارت ابو مطیع کے زمانہ سے بھی بہت بعد کی ہے۔ اور یہ کچھ نئی بات نہیں، جامع صغیر، جو امام محمد کی تالیف ہے اس کی موجودہ ترتیب امام ابو طاہر دباس نے کی ہے جو چوتھی صدی میں تھے۔ فرق یہ ہے کہ جامع صغیر کی عبارت وہی اصلی ہے، صرف ترتیب بدل دی گئی ہے، برخلاف اس کے فقہ اکبر کا انداز عبارت بھی زمانہ مابعد کا معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے اس بحث میں اپنی رائے اور قیاسات کو بہت دخل دیا ہے لیکن تمام واقعات بھی لکھ دئے ہیں۔ ناظرین کو ہم اپنی رائے کے قبول کرنے پر مجبور نہیں کرتے، اصلی واقعات اور ہماری رائیں دونوں ان کے سامنے ہیں، وہ جو چاہیں خود فیصلہ کرلیں۔ بے شبہ ہماری ذاتی رائے یہی ہے کہ آج امام صاحب کی کوئی تصنیف موجود نہیں ہے۔" (ص ۱۱۵ تا ۱۱۷ حصہ دوم، سیرۃ النعمان، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۹۱۲ع)

☆ علامہ زاہد الکوثری نے بھی اپنی ایک تحریر میں یہی فرمایا ہے کہ ائمہ اربعہ کی اپنی ذاتی کوئی تصنیف نہیں ہے۔

☆ حضرت علامہ شاہ ابو الحسن زید فاروقی دہلوی نے اپنی کتاب "سوانح بے بہائے امام اعظم ابو حنیفہ" میں فقہ اکبر کا کوئی ذکر نہیں کیا اور مصری عالم شیخ محمد ابو محمد زہرہ ہی کی

تحقیق کی تائید کی ہے کہ امام اعظم کی اپنی ذاتی کوئی تصنیف نہیں ہے۔" (ص ۱۵۰، ۱۵۱، مطبوعہ شاہ ابو الخیر اکاڈمی، دہلی ۱۴۱۱ھ)

☆ دانش گاہ پنجاب، لاہور کے زیر اہتمام شائع ہونے والے "اردو دائرہ معارف اسلامیہ" کی جلد اول (مطبوعہ ۱۴۰۰ھ) کے ص ۷۸۵ کالم ۲ میں ہے: "امام رازی (م ۶۰۶ھ) نے مناقب الشافعی میں لکھا ہے کہ ابو حنیفہ کی کوئی تصنیف باقی نہیں رہی۔ الفہرست میں ابن الندیم نے آپ کی چار کتابوں کا نام لکھا ہے: الفقہ الاکبر، عثمان البستی (البتی) کے نام خط، العالم والمتعلم، الرد علی القدریہ، مسند، جو خوارزمی (م ۶۶۵) نے مرتب کی، اس کا ذکر الفہرست میں نہیں ہے۔ حقیقت میں خود امام ابو حنیفہ کی واحد مستند تحریر جو ہم تک پہنچی ہے، ان کا وہ خط ہے جو انہوں نے عثمان البتی کو لکھا تھا اور جس میں انہوں نے شائستہ طریقے سے اپنے نظریات کی مدافعت کی ہے (یہ خط العالم و المتعلم اور الفقہ الابسط کے ساتھ قاہرہ ۱۳۶۸ھ / ۱۹۴۹ء میں طبع ہو چکا ہے)۔ ایک اور کتاب جو ابو حنیفہ سے منسوب کی گئی ہے الفقہ الاکبر ہے۔ Wensinck نے ثابت کر دیا ہے کہ اس سے مراد صرف الفقہ الاکبر کا حصہ اول ہے جس کا اصل متن فقط ایک مبسوط شرح میں مندرج ہے، جسے غلطی سے الماتریدی سے منسوب کیا جاتا ہے (یہ حیدر آباد میں ۱۳۲۱ھ میں مجموعہ شروح الفقہ الاکبر کے شمارہ اول کے طور پر چھپی ہے) اصل متن میں دس ارکان ایمان بیان کئے گئے ہیں، جن میں خارجیوں، قدریوں، شیعیوں اور جہمیوں کے مقابلے میں راسخ العقیدہ مسلمانوں کے موقف کی وضاحت کی گئی ہے، مگر مرجئہ اور معتزلہ کے خلاف مسائل مذکور نہیں ہیں۔ الفقہ الاکبر کے متعلق شروح لکھی گئیں، جن میں سے ملا علی قاری (م ۱۰۰۱ھ) کی شرح زیادہ متداول ہے۔ (مصر ۱۳۲۳ھ) ایک مقالے کے سواء الفقہ، الاکبر، حصہ اول کے جملہ مقالات الفقہ الابسط میں بھی درج ہیں، جس میں امام ابو حنیفہ کے وہ بیانات قلم بند ہیں جو انہوں نے

دینی مسائل کے متعلق اپنے ایک شاگرد ابو مطیع البلخی (م ۱۸۳ھ / ۷۹۹ء) کے سوالات کے جواب میں دئے تھے۔ لہٰذا الفقہ الاکبر، حصہ اول، کے مضامین امام ابو حنیفہ کی مسلمہ آراء پر مشتمل ہیں، اگرچہ اس کی کوئی شہادت نہیں ہے کہ یہ مختصر متن واقعی انہوں نے لکھا تھا، لیکن نام نہاد الفقہ الاکبر ثانی اور وصیۃ ابو حنیفہ حضرت امام کی اپنی تصنیف نہیں ہیں۔ بعض دیگر مختصر متون کی عبارتیں بھی امام ابو حنیفہ کی طرف منسوب کی جاتی ہیں لیکن ابھی تک ان کے مستند ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں تحقیق نہیں ہو سکی، وصیۃ، جس میں انہوں نے اپنے شاگرد یوسف بن خالد السمتی البصری کو مخاطب کیا ہے، ایرانیوں کے درباری اخلاق کی ترجمانی کرتی ہے، لہٰذا یہ خیال بھی نہیں کیا جاسکتا کہ وہ فقہ اسلامی کے کسی ماہر و مخصص کی تصنیف ہے۔"

☆ فیض الباری علی صحیح البخاری، ص ۵۹ / ۱، مطبوعہ مطبعہ حجازی، قاہرہ، ۱۳۵۷ھ میں جناب انور شاہ کشمیری نے بھی یہی کہا ہے کہ فقہ اکبر امام ابو حنیفہ کی تصنیف نہیں ہے۔

☆ طوالت کے خوف سے اتنے اقتباسات پر اکتفا کرتے ہوئے اپنے قارئین کرام سے عرض گزار ہوں کہ فقہ اکبر کے جس قدر نسخے لائبریریوں میں موجود ہیں ان سب کے متن میں کوئی نہ کوئی فرق ضرور ہے۔ اس کتاب (فقہ اکبر) کے بارے میں یہ تفصیل اس لئے لکھنی ضروری ہوئی کہ اس کے حوالے سے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ پر یہ الزام لگانے کی کوشش کی جاتی ہے کہ وہ ایمان ابوین کے منکر تھے، چناں چہ کہا جاتا ہے کہ فقہ اکبر میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں یہ الفاظ ہیں "ماتا علی الکفر" (معاذ اللہ)۔ اکابر علمائے کرام کہتے ہیں اصل الفاظ یہ تھے "ما ماتا علی الکفر۔" مگر کاتب نے دو مرتبہ لفظ "ما" میں سے ایک مرتبہ "ما" نہیں لکھا، اس سے یہ بھول ہوئی اور وجہ نزاع ہو گئی۔ کچھ اکابر علمائے اسلام نے تحقیق سے ثابت کیا ہے کہ فقہ اکبر کے اصل نسخوں میں یہ عبارت ہی نہیں ہے۔

چناں چہ ان علمائے اسلام نے جو کچھ فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے:

(۱) فقہ اکبر کے متعلق کوئی قطعی یقینی سند ایسی نہیں جس کی بنیاد پر یہ کہا جاسکے کہ یہ واقعی امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ کی تصنیف ہے۔

(۲) اگر فقہ اکبر کو امام اعظم کی تصنیف مان بھی لیا جائے تو کسی مستند و صحیح نسخے میں یہ عبارت نہیں ہے۔

(۳) یہ عبارت الحاقی ہے، یعنی کسی اور نے بعد میں متن میں شامل کر دی ہے۔

(۴) شرح فقہ اکبر لابی منصور ماتریدی (المتوفی ۳۳۳ھ) مطبوعہ دائرۃ المعارف دکن (۱۳۶۵ھ) جس کے کل صفحات ۲۷ ہیں، اس کے خاتمہ کے الفاظ سے حقیقت واضح ہوتی ہے۔ (واضح رہے کہ اشاعرہ (امام ابو الحسن اشعری کے پیروان کار) کے مقابلے میں حنفی حضرات خود کو امام ابو منصور ماتریدی کی طرف نسبت کر کے "ماتریدی" کہلاتے ہیں اور اس مسئلہ (ایمان ابوین) میں مخالفت کرنے والے عام طور پر سب سے پہلے علامہ ملا علی قاری ہروی کا نام لیتے ہیں، لیکن ملا علی قاری نے فقہ اکبر اور شرح شفاء میں جس رسالے کا ذکر کیا ہے وہ مارکٹ میں نہیں دیکھا گیا، نہ ہی اس کے دلائل کسی نے ذکر کئے ہیں، جہاں کہیں ملا علی قاری نے یہ مسئلہ لکھا ہے، اجمالی طور پر لکھا ہے بلکہ شرح شفا میں ان کی تحریر واضح کرتی ہے کہ انہوں نے اپنے پہلے رسالہ و تحریر سے توبہ کر کے رجوع کر لیا تھا۔

☆ عالم حجاز علامہ سید محمد علوی مالکی اپنی کتاب "ذخائر محمدیہ" میں فرماتے ہیں:

"یہاں ہم امام اعظم کی طرف حضور کے والدین کے بارے میں جو کچھ منسوب ہے (کہ وہ آپ ﷺ کے والدین کے کفر کے قائل تھے) اس کی حقیقت حال سے آگاہ کرنا چاہتے ہیں۔ ان (ملا علی قاری) کا اس قول سے رجوع ثابت ہے جیسے شیخ مصطفیٰ الحمامی نے "النہضۃ الاصلاحیۃ" میں لکھا ہے۔ ملا علی قاری کی طرف ایک کتابچہ منسوب

کیا جاتا ہے جس کا نام "**ادلہ معتقد ابی حنیفہ الامام فی ابوی الرسول علیہ السلام**" ہے جس میں آپ (ﷺ) کے والدین کریمین کے بارے میں ایسی گفتگو کی گئی ہے جس سے بچنا لازم تھا کیوں کہ یہ کلام بارگاہ مصطفوی میں تکلیف کا باعث بنتا ہے اور آپ (ﷺ) کو اذیت دینا عظیم گناہ ہے۔

محدث ابن ابی الدنیا اور ابن عساکر نے روایت کیا ہے کہ ایک دفعہ ابو لہب کی بیٹی درہ (یا سبیعہ) ایک آدمی کے پاس سے گزری، اس آدمی نے ان کو دیکھ کر کہا، یہ لڑکی اللہ کے دشمن ابو لہب کی بیٹی ہے۔ بس حضرت درہ رضی اللہ عنہا نے اس کی طرف متوجہ ہو کر کہا "اے شخص بے شک اللہ تعالیٰ نے میرے باپ کا ذکر رشتہ داری اور ان کے شرف نسب کے لحاظ سے کیا ہے جب کہ تیرے باپ کا ذکر اللہ تعالیٰ نے ان کی جہالت کی وجہ سے نہیں کیا" پھر حضرت درہ نے حضور علیہ السلام سے اس واقعہ کی شکایت کی، آپ نے لوگوں کو خطبہ ارشاد فرمایا: **لا یوذین مسلم بکافر**۔ کسی مسلم کو کافر کی وجہ سے (طعنہ دے کر) تکلیف نہ دو۔ اس نصیحت کا مطلب یہ ہے کہ تم کافروں کا اس طرح ذکر نہ کرو جس سے مسلمانوں کو تکلیف پہنچے اور انہیں دکھ اور الم کا سامنا کرنا پڑے۔ مسلمان کی ہمیشہ عزت کرنی چاہئے، یہاں تک کہ اگر کسی مسلمان کے قریبی رشتہ دار کافر ہوں تو ان کے حوالے سے اس سے ایسی گفتگو نہیں کرنی چاہئے جس سے اس مسلمان کو تکلیف پہنچے اور اس کے غصے کا باعث بنے۔

جب عام مسلمانوں کا یہ حال ہے تو سرکار (ﷺ) کے بارے میں گفتگو کرنے میں تو بدرجہ اولی یہ رعایت کرنی چاہئے کہ کوئی ایسا کلمہ زبان سے نہ نکل جائے جو ناراضی کا سبب بنے۔ اسلامی تقاضا اور ادب یہ ہے کہ آپ کے خاندان کے وہ افراد جو حالت کفر پر فوت ہوئے، ان کا بھی اس طرح ذکر نہ کیا جائے جو سرکار کی بارگاہ کی اذیت کا سبب ہو، تو آپ (ﷺ) کے والدین کے بارے میں یہ کیسے روا ہو سکتا ہے؟..........

اب ہم مذکورہ رسالے کے بارے میں گفتگو کرتے ہیں، ہمارا خیال ہے کہ امام اعظم کی طرف یہ بات منسوب کرنا کہ حضور (ﷺ) کے والدین قیامت کے دن عذاب سے چھٹکارا نہیں پائیں گے اور وہ ہمیشہ جہنم میں رہیں گے، ان پر بہت بڑی اور واضح تہمت ہے اور پھر یہ اس سے بھی بڑھ کر تہمت ہے کہ رسالے کا نام "**ادلۃ معتقد ابی حنیفہ الامام فی ابوی الرسول علیہ السلام**" ہے۔ (حضور ﷺ کے والدین کے بارے میں امام ابو حنیفہ کے اعتقادی دلائل)۔ اگر کوئی قاری یہ اعتراض کرے کہ ملا علی قاری نے اس رسالے کے شروع میں لکھا کہ امام اعظم نے اپنی کتاب فقہ اکبر میں کہا ہے: **والدا رسول اللہ ماتا علی الکفر**۔ جب ان کی کتاب میں موجود ہے تو پھر آپ کیسے کہہ رہے ہیں کہ اس قول کی امام اعظم کی طرف نسبت کرنا تہمت ہے؟ اس کا جواب یہ ہے کہ فقہ اکبر میں **ماتا علی الکفر** کے الفاظ نہیں بلکہ اس میں عبارت یوں ہے: **والدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ و ابو طالب مات کافرا**۔ رسول اللہ ﷺ کے والدین فطرت پر فوت ہوئے اور ابو طالب کفر کی حالت میں فوت ہوئے۔

میں (سید محمد علوی مالکی) نے یہ عبارت خود اس قدیم نسخے میں دیکھی ہے جو مدینہ منورہ کی شیخ الاسلام لائبریری میں موجود ہے۔ بعض اہل علم نے مجھے بتایا کہ یہ نسخہ عہد عباسی کا تحریر کردہ ہے۔ لائبریری میں یہ نسخہ جس مجموعہ کتب میں محفوظ ہے، اس کا نمبر ۳۳۰ ہے، جو شخص فقہ اکبر کے اس نسخہ کو دیکھنا چاہے وہ اس لائبریری سے رجوع کرے، یقیناً وہ اس نسخے میں وہی الفاظ پائے گا جو ہم نے یہاں نقل کئے ہیں اور مجھے (یہ نسخہ) دیکھے ہوئے کوئی زیادہ دیر نہیں ہوئی، یہ موسم حج ۱۳۵۴ھ کی بات ہے اور آج وقت تحریر ۴ جمادی الاول ۱۳۵۵ھ ہے، یعنی پانچ ماہ اور کچھ دن ہوئے ہیں کیوں کہ میں ۱۳۵۴ھ ذی الحجہ کے شروع میں مدینہ منورہ میں تھا، جو کوئی بھی تامل سے کام لے گا اسے یقین ہو جائے گا کہ ملا علی قاری کے نسخے میں جو کچھ نقل کیا گیا ہے اس میں یہ اہم

خرابیاں ہیں:

(۱) پہلی یہ کہ وہ جھوٹ ہے اور یہ اس قدیم نسخے کی مخالفت کرتا ہے جس کا ذکر ہو چکا۔

(۲) دوسری یہ کہ اس میں تدلیس (☆) ہے کیوں کہ جب کوئی شخص ملا علی قاری کی منقولہ (نقل کی ہوئی) عبارت کے بعد یہ جملہ پڑھتا ہے: **و ابو طالب مات کافرا۔** تو از خود یہ سوال پیدا ہو گا کہ جب حضور ﷺ کے والدین اور ابو طالب تمام کفر پر فوت ہوئے تو فقہ اکبر کی عبارت یوں ہونی چاہئے تھی: **ووالدا رسول اللہ و ابو طالب ماتو کفارا۔** یعنی حضور ﷺ کے والدین کا کفر الگ اور ابو طالب کے کفر کو الگ ذکر نہ کیا جاتا۔

رہا معاملہ ہمارے نسخے کا تو یہ بہت ہی واضح ہے۔ ابو طالب کے کفر کے افراد میں کیوں کہ یہاں حکم دو ہی تھے اس لئے پہلے اس میں حضور علیہ الصلوۃ والسلام کے والدین کے ایمان کا ذکر ہے اور اس کے بعد ابو طالب کے کفر پر تصریح، ممکن ہے قاری کے ذہن میں یہ بات آئے کہ ملا علی قاری نے جو کفر کا لفظ نقل کیا ہے وہ اس لفظ فطرۃ سے محرف ہو کر بنا ہو جو اس مذکورہ نسخے میں موجود ہے کیوں کہ ان دونوں الفاظ کفر اور فطرۃ کے درمیان واضح قرب ہے۔ کیا یہ تحریف مقصود ہو سکتی ہے کہ ابو طالب کے حکم کو حذف کر دیں اور کہیں: **ووالدا رسول اللہ ماتا علی الفطرۃ و ابو طالب ذالک۔** اگر ایسا ہو تو پھر ہم نہیں جانتے کہ یہ حذف مولف سے ہوا یا ناشر سے؟

اور یہ رسالہ اصلا باطل ہے کیوں کہ جو کچھ اس میں لکھا تھا اس سے رجوع کے بعد مصنف نے شرح شفا میں لکھا ہے۔ پہلا مقام ص ۶۰۱ پر ہے جب کہ دوسرا مقام ص ۶۴۸ پر ہے اور یہ شرح شفا کا نسخہ ۱۳۱۶ھ میں استنبول سے شائع ہوا تھا.........

☆ تدلیس کا لفظ محدثین کی اصطلاح ہے اس کا معنی، حدیث کے کسی عیب کو چھپانا، بتائے گئے ہیں وہ عیب یا تو متن سے یا راویوں یا روایت کے سلسلے یا ماخذ سے یعنی اس شیخ سے متعلق ہوتا ہے جس سے روایت کی گئی ہو۔ تدلیس فی الاسناد کی عام طور پر سات سورتیں بتائی جاتی ہیں جن کی تفصیل کتابوں میں درج ہے۔

شرح شفا میں دوسرے مقام پر یہ جملے ہیں: "جہاں تک اس واقعہ کا تعلق ہے جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ حضور ﷺ نے اپنے والدین کو زندہ کیا تھا، جمہور علماء ثقہ کے نزدیک صحیح یہ ہے کہ یہ واقعہ رونما ہوا ہے جب کہ امام سیوطی نے اپنے تین رسائل میں اس کی تصریح کی ہے۔"

پس خود مولف رسالہ ملا علی قاری نے حق و صواب (سچائی اور بہتری و بھلائی) کی طرف رجوع کر کے اپنے رسالہ کا رد کر دیا۔ یہی شان تھی ہمارے سابقہ اکابر علماء کی کہ وہ جب کبھی کسی غلطی کے مرتکب ہوتے تو حق کی طرف رجوع کرنے کے لئے انتظار نہیں کرتے تھے، اسی طرح جب کبھی ان سے کوئی نافرمانی ہوتی تو فوراً اپنے رب کی طرف رجوع کرتے تھے، جب بھی ان میں کوئی نقص رونما ہوتا تو کمال کی طرف بڑھتے، جب کبھی وہ اپنے مقام سے ذرا نیچے کی طرف گرتے تو فوراً چوٹی اور رفعت (بلندی و اونچائی) کی طرف بڑھنے کی کوشش کرتے۔" (ذخائر محمدیہ ص ۵۴ تا ۶۰ اردو ترجمہ از مفتی محمد خاں قادری، مطبوعہ عالمی دعوت اسلامیہ، غوث اعظم روڈ، لاہور۔ ۱۹۹۶ء)

☆ حاشیہ طحطاوی علی الدر المختار مطبوعہ بیروت کے ص ۸۰ / ۲ اور مرام الکلام فی عقائد الاسلام مصنفہ علامہ عبد العزیز پرہاروی مطبوعہ ملتان میں ہے: "**ثم اعلم انه ینسب الی الامام الاعظم رساله فی الکلام تسمی الفقه الاکبر ولها نسخ مختلفة جدا ووقع فی بعضها ان والدی رسول الله ﷺ ماتا علی الکفر ولاشك ان هذا افتراء علیه فحاشاه ان یتخذه عقیدة۔**" (ص ۶۲) پھر جان لو کہ امام اعظم رحمتہ اللہ علیہ کی طرف علم کلام میں ایک رسالے کی نسبت کی گئی ہے جس کا نام فقہ اکبر ہے، اس کے نسخے مختلف ہیں جن میں سے بعض میں یہ عبارت ہے کہ (والدین کریمین) کی وفات کفر پر ہوئی اور اس میں شک نہیں کہ یہ امام اعظم پر افتراء ہے۔ یقیناً امام اعظم اس سے محفوظ ہیں کہ ان کا یہ عقیدہ ہو۔

"مہر انور" ترجمہ فقہ اکبر، مطبوعہ مجتبائی دہلی ۱۳۰۶ھ میں بھی "مات علی الکفر" کے الفاظ نہیں ہیں۔

فقہ اکبر کے متن میں ابوین کریمین کے بارے میں معترضہ جملے کے علاوہ بھی اور جملے ہیں جنہیں علمائے اسلام نے قبول نہیں کیا چناں چہ استوی علی العرش کے حوالے سے فقہ اکبر کے متن پر علمائے اسلام نے جو کچھ فرمایا ہے وہ یہی ثابت کرتا ہے کہ فقہ اکبر کا متن قطعی و یقینی طور پر مستند و معتبر نہیں ہے علاوہ ازیں "مات علی الایمان" کے الفاظ اسی فقہ اکبر میں رسول کریم ﷺ کے حوالے سے ہیں جو علمائے اسلام میں مباحث کا موضوع بنے ہیں، یوں ہم کہہ سکتے ہیں کہ فقہ اکبر کے بارے میں اتنے اختلاف اور احتمال ہیں جن کے ہوتے ہوئے سیدنا امام اعظم ابو حنیفہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی طرف اس بات کی نسبت کرنا درست نہیں کہ وہ ایمان ابوین کے منکر تھے۔

☆ فقہ اکبر کے بعد اس کی وہ شرح جو امام ملا علی قاری رحمتہ اللہ علیہ نے فرمائی اور ان کا وہ رسالہ جس میں انہوں نے ایمان ابوین کا انکار کرتے ہوئے نامناسب الفاظ میں والدین رسالت مآب کے (معاذاللہ) غیر ناجی ہونے کا بیان کیا ہے، اس کے بارے میں کچھ ذکر قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں، مزید یہ عرض کروں کہ امام ملا علی قاری حنفی ماتریدی قادری محدث ہیں اور ان کی علم حدیث کی خدمات بالخصوص "مرقاۃ شرح مشکوٰۃ" کی سمتوں میں شہرت ہے۔ ان کا ذکر علامہ ابن عابدین یوں کرتے ہیں: "خاتمته القراء والفقهاء و المحدثين و نخبته المحققين والمدققين سيدى ملا على القارى عليه رحمته ربه البارى"۔ (ص ۱۳۰، مجموعہ رسائل ابن عابدین، مطبوعہ استنبول ۱۳۲۵ھ)۔ وہ رسول کریم ﷺ کے حاضر و ناظر اور نوری بشر ہونے کے قائل ہیں۔ اور مسئلہ زیارت قبر رسول (ﷺ) میں علامہ سبکی کے حامی و موید ہیں اور یہاں تک انہوں نے لکھا ہے کہ منکر زیارت کے لئے خطرہ ہے کہ وہ

ضروریات دین کا منکر نہ ہو جائے۔ امام ملا علی قاری نے سیدنا غوث پاک شیخ سید عبد القادر جیلانی رضی اللہ عنہ کے بارے میں ایک مستقل کتاب "نزہتہ الخاطر الفاتر" لکھی ہے، علاوہ ازیں جہاں کہیں بھی مستقل تصانیف میں سیدنا غوث پاک کا ذکر کرتے ہیں، ادب و احترام سے کرتے ہیں، تاہم "لكل جواد كبوة" (ہر مشاق گھوڑا بھی ٹھوکر کھا جاتا ہے)، ملا علی قاری بھی انسان تھے، معصوم عن الخطا نہیں تھے۔ ایمان ابوین کے مسئلے میں ان سے خطا ہوئی، لیکن یہ خطا عنادی نہیں تھی بلکہ اجتہادی خطا تھی، متقدمین کے اقوال دیکھ کر وہ لکھ گئے جو لکھ گئے، مگر بعد ازاں سخت پشیمان ہوئے اور اپنے پہلے موقف سے توبہ کر کے رجوع کیا اور ان کے استاد علامہ ابن حجر نے انہیں فرمایا کہ میں نے خواب میں دیکھا ہے کہ تم چھت سے گرے ہو اور تمہاری ٹانگ ٹوٹ گئی ہے چناں چہ خواب کے مطابق ہی ظاہر میں ہوا (کذافی حواشی نبراس۔ جیسا کہ نبراس کے حاشیہ میں مذکور ہے)۔ الحاصل ملا علی قاری نے اپنی اس شدید غلطی سے توبہ کر لی، جس کا ثبوت شرح شفا کی یہ عبارت ہے: "واما ما ذكروا عن احيائه عليه الصلوة والسلام ابويه فالا صح انه وقع على ما عليه الجمهور الثقات كما قال السيوطى فى رسائله الثلاث المولفات۔" (شرح الشفاء للفاضل علی القاری علیہ رحمتہ الباری، جلد اول ص ۶۴۸۔ مطبوعہ مطبعہ عثمانیہ ۱۳۱۶ھ، استنبول) (اس عبارت کا ترجمہ علامہ علوی مالکی کی کتاب ذخائر محمدیہ کے حوالے میں قارئین ملاحظہ کر چکے ہیں)

☆ امام ملا علی قاری کی دینی خدمات کو ملحوظ رکھتے ہوئے یہ خیال کرنا درست نہیں کہ انہوں نے یہ رسالہ معاذاللہ شان رسالت میں گستاخی یا رسول کریم ﷺ کو (معاذاللہ) اذیت پہنچانے کے لئے لکھا تھا، بلکہ بزعم خویش (اپنے خیال سے) انہوں نے حق کو واضح کیا مگر جب تحقیق کے بعد خود ان پر حق واضح ہو گیا تو انہوں نے اپنے پہلے مسلک و موقف سے رجوع کر لیا، لہٰذا کوئی محقق و ناقد، ان کے اس پہلے قول کو اس مسئلہ میں

سند کے طور پر پیش نہیں کر سکتا۔

☆ امام ملا علی قاری کے بارے میں تفسیر روح المعانی سے علامہ سید محمود آلوسی بغدادی (المتوفی ۱۲۷۰ھ) کے حوالے سے ناقلین جو عبارت نقل کرتے ہیں، شاید اصل کتاب دیکھ کر نقل نہیں کرتے اور اس عبارت سے آیہ قرآنی کے اتنے حصے لا تقربوا الصلوة والا سلوک کرتے نظر آتے ہیں کہ بعد کا حصہ چھوڑ دیتے ہیں، چناں چہ علامہ آلوسی کی مکمل عبارت ملاحظہ ہو: "وتفسير الساجدين بالانبياء رواه جماعة منهم الطبراني، والبزار، وابو نعيم، عن ابن عباس ايضا، الانه رضى الله تعالىٰ عنه فسر التقلب فيهم بالتنقل فى اصلابهم حتى ولدته امه عليه الصلاة والسلام، وجوز على حمل التقلب على التنقل فى الاصلاب ان يراد بالساجدين المومنون، واستدل بالآية على ايمان ابويه ﷺ كما ذهب اليه كثير من اجلة اهل السنة، وانا اخشى الكفر على من يقول فيهما رضى الله تعالىٰ عنهما على رغم انف على القارى و اضرابه بضد ذلك لا انى لا اقول بحجية الآيه على هذا المطلب۔" (روح المعانی فی تفسیر القرآن العظیم والسبع الثانی، ص ۲۰۷/۱۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ۱۴۱۷ھ)

اور الساجدین کی تفسیر انبیائے کرام علیہم السلام سے بھی ایک جماعت نے کی ہے، ان میں طبرانی، بزار اور ابو نعیم ہیں حضرت سیدنا ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے بھی اس آیت (وتقلبك فى الساجدين) کی یہ تفسیر بیان کی ہے کہ تقلب سے مراد تنقل فی الاصلاب ہے یعنی آپ ﷺ کا نور انبیائے کرام علیہم السلام کی پشتوں میں (یکے بعد دیگرے) منتقل ہونا مراد لیا گیا ہے۔ (یعنی آپ ﷺ کے آباواجداد کو سجدہ کرنے والے اہل ایمان کہا گیا ہے) اور اہل سنت جلیل القدر اکابر علمائے کرام کی کثیر تعداد نے اس آیت سے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مومن ہونے پر استدلال کیا

ہے اور مجھے کفر کا ڈر ہے اس پر جو والدین کریمین رضی اللہ عنہما کے بارے میں کفر کی بات کہے، خاک آلود ہو ناک ملا علی قاری کی اور ان کے ہم نوا جو اس پر بضد ہیں، مگر میں نہیں کہتا کہ اس مطلب پر یہ آیت حجت ہے۔

☆ مزید ملاحظہ ہو: "تعلیم الایمان ترجمہ شرح فقہ اکبر" (مطبوعہ نول کشور ۱۹۳۷ء) میں مولانا محمد نجم الغنی رام پوری (م ۱۳۵۱ھ) (☆) ابن مولوی محمد عبد الغنی خاں ابن مولوی محمد عبد الرحمٰن خاں ابن مولانا حاجی محمد سعید محدث شاگرد حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی تفصیل لکھتے ہیں: "ووالدا رسول الله ﷺ ماتا على الكفر۔ اور محمد ﷺ کے ماں باپ حالت کفر پر مرے ہیں۔ (معاذ اللہ)۔ مبحث اسلام آبائے کرام ﷺ معرکۃ الآرا مسئلہ ہے جس کے لئے نہایت تفصیل درکار ہے، یہ وہ مسئلہ ہے کہ جب سخاوی نے اس میں خلاف کیا تو جلال الدین سیوطی نے اس مبحث میں چھ رسالے لکھے، علامہ سیوطی نے "دوران فلکی علی ابن الکرکی" میں سخاوی کے تعقب میں لکھا ہے: والثانى انه تكلم فى حق والدى المصطفى بما لا يحل لمسلم ذكره ولا يسوغ ان يجزم عليه فكره فوجب على ان اقوم عليه بالاذكار وان استعمل فى تنزيه هذا المقام الشريف الاقلام و الافكار فالفت فى ذلك ست مولفات شخة بالفوائد وهى فى الحقيقة ابكار ومن ذا الذى يستطيع على قيامى فى ذالك اويلقى نفسه فى هذه المهالك من انكر ذلك اكاد اقول بكفره و أستغرق العمر فى هجره۔ قدما کے نزدیک ابوین شریفین اور بہت سے آبائے کرام کا ایمان ثابت نہیں کیوں کہ ان کو ظاہر احادیث صحیحہ مشہورہ سے رواج

(☆) "مرآۃ التصانیف" مرتبہ مولانا حافظ محمد عبد الستار قادری چشتی (مطبوعہ مکتبہ قادریہ، جامعہ نظامیہ، اندرون لوہاری دروازہ، لاہور، ۱۴۰۰ھ) میں مولانا حکیم نجم الغنی رام پوری کی ۳۱ (اکتیس) کتابوں کا تذکرہ ہے جن میں بحر الفصاحت، تسہیل اللغات، مذاہب اسلام، میزان الافکار وغیرہ مشہور ہیں۔

شرک وکفر کا ارباب زمانہ جاہلیت میں عموماً یا خصوصاً معلوم ہوا اس لئے انہوں نے ایسا حکم کیا اور اسی پر امام کا یہ قول بھی مبنی ہے مگر علمائے متاخرین اس کے خلاف ہیں وہ اسلام ابوین شریفین بلکہ جملہ آبائے کرام کے قائل ہیں، پس امام کے اس قول پر تعجب نہ کرنا چاہئے کیوں کہ قدما کا یہ مذہب نہ تھا، متاخرین کو حق سبحانہ نے یہ علم مکشوف فرمایا ہے، علاوہ بریں اگر امام کے قول میں ہوتا ماتا کافرین تو گنجائش تعجب کی تھی حالاں کہ ماتا علی الکفر واقع ہوا ہے اور اس میں اور اس میں بڑا فرق ہے۔ ابن حجر اپنے فتاوی میں کہتے ہیں: **و علی التسلیم ان الامام قال ذلك فمعناه انهما ماتا علی زمن الکفر و هذا لا یقتضی اتصافهما به۔** یعنی بر تقدیر اس کے کہ امام نے خود ایسا فرمایا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وفات والدین شریفین کی زمانہ کفر میں قبل اسلام کے واقع ہوئی اور یہ اس بات کو نہیں چاہتا کہ وہ کفر سے متصف تھے بلکہ اگر ماتا کافرین بھی واقع ہوتا تو بھی نص قطعی عدم نجات میں نہ ہوتا، آخر بہت سے محققین متاخرین قائلین نجات یہی فرماتے ہیں کہ: **ماتا کافرین ثم نجاهما الله تعالیٰ عن النار و ذلك لشرف خصوصیة النبی** ﷺ۔ یعنی کفر کی حالت میں مرے تھے پھر اللہ نے بوجہ شرف خصوصیت جناب سرور کائنات کے ان کو عذاب سے نجات دی اور بعض یہ کہتے ہیں: **ان الله تعالی احیاهما و آمنا به کما ورد به الحدیث لینالا فضیلة الصحبة۔** یعنی اللہ نے ان کو زندہ کر کے ایمان نصیب کیا یہاں تک کہ فضیلت صحبت خیر البشر کو پہنچ گئے اور یہ سب بحث بر تقدیر ثبوت اس فقرے کے ہے جیسا کہ بعض نسخہ فقہ اکبر میں واقع ہے اور اسی کو ملا علی قاری نے اختیار کیا ہے، حالاں کہ فقہ اکبر کے بہت سے نسخوں میں یہ فقرہ مندرج نہیں کہ اس سبب سے بعض علمائے کرام اس فقرے کو الحاقی ٹھہراتے ہیں اور نظیر اس کی یہ ہے کہ بعض نسخوں میں بحث استواء میں ایک عبارت پائی جاتی ہے چناں چہ ابن تیمیہ حنبلی حمویہ میں اور حافظ

ذہبی کتاب مسئلہ علو میں اور ابن قیم نونیہ میں استواء کی عبارت فقہ اکبر سے روایت کرتے ہیں اور ان لوگوں نے جس قدر عبارات اس بحث میں فقہ اکبر سے نقل کی ہیں آپس میں مختلف ہیں اور فقہ اکبر کے اکثر اور اشہر نسخوں میں نہیں پائی جاتی ہیں، معلوم ہوتا ہے کہ بعض نسخوں میں استواء کی عبارت بڑھادی ہے جس سے ان اکابر علماء نے نقل کیا ہے مگر نسخہ قدیم و معتمد میں وہ عبارت نہ پائی گئی اوپر اس نسخے سے جو نقلیں ہوئیں وہ بھی زیادتی سے محفوظ رہیں۔ اور یہی ملا علی قاری کے نزدیک بھی معتمد تھا چناں چہ انہوں نے بحث استواء کی عبارت اپنی شرح میں نقل نہیں کی۔ نواب صدیق حسن خاں رسالہ **انتقاد الرجیح فی شرح الاعتقاد الصحیح** میں مسئلہ استوا کی عبارت کی نسبت لکھتے ہیں کہ یہ عبارت جو امام کی طرف منسوب ہے بعض نسخہ فقہ اکبر میں نہیں ہے بعض میں پائی جاتی ہے۔ مولوی صاحب تائید تحقیق میں اپنا خیال یوں ظاہر کرتے ہیں کہ حافظ ابن قیم و مولوی زائر نے اسے امام کی طرف منسوب کیا ہے شاید نسخہ فقہ اکبر سے ایسے شخص نے نکال دیا ہے جس کا یہ عقیدہ نہیں ہے، مولوی وکیل احمد صاحب کہتے ہیں کہ ابن قیم نے اس باب میں اپنے استاد ابن تیمیہ کی پیروی کی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ کسی عرشی نے یہ عبارت بڑھادی ہو پس اسی طرح ممکن ہے کہ کسی ایسے شخص نے جو والدین رسول اللہ ﷺ کے ایمان کے خلاف ہو، نسخہ فقہ اکبر میں یہ عبارت بڑھادی ہو جس سے متاخرین کو اپنے مذہب منصور کے موافق اس بحث کے طے کرنے اور امام کو اس پیچ سے نکالنے کی زحمت اٹھانی پڑی، چناں چہ علامہ طحطاوی نے در مختار کے حاشیے میں لکھا ہے: **وما فی الفقه الاکبر من ان والدیه ﷺ ماتا علی الکفر فمدسوس علی الامام و یدل علیه ان النسخ المعتمدة لیس فیها شئی من ذلك۔** یعنی فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ والدین رسول اللہ ﷺ کفر پر مرے ہیں یہ امام پر افتراء ہے اس پر دلیل یہ ہے کہ یہ عبارت ایسے نسخوں میں نہیں

ہے جن پر اعتماد ہے۔ اس فقرے کو متاخرین نے یہاں تک بڑا جانا ہے کہ امام کی طرف اس کے منسوب کرنے کے بھی روادار نہیں اور ابن حجر مکی نے یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جس نسخے میں یہ عبارت ہے وہ امام کا نہیں بلکہ وہ نسخہ محمد بن یوسف بخاری کا ہے اور طحطاوی، ابوین شریفین کے کفر پر مرنے کے قول میں بے ادبی خیال کرتے ہیں اور کئی دلائل سے انہوں نے ایمان والدین شریفین کو ثابت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ یہ ضرور ہے کہ یہ اعتقاد رکھنا چاہئے کہ ابوین شریفین کفر سے محفوظ تھے اور یہ تمام باتیں خلاف قدمائے حنفیہ وغیرہ کے ہیں، علامہ سید عبد الرسول برزنجی شافعی ثم المدنی نے بھی متاخرین کے طور پر مسئلہ اسلام ابوین شریفین میں دفع ایراد قول فقہ اکبر کے واسطے چند تاویلات رسالہ سدا دالدین وسدادالدین فی اثبات النجات والد رجات للوالدین میں پیش کی ہیں، ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ علامہ ابن حجر نے اپنی کتاب میں کہا ہے کہ امام ابو حنیفہ سے جو یہ بات نقل کی جاتی ہے کہ انہوں نے فقہ اکبر میں یوں کہا ہے کہ والدین سرور عالم ﷺ کفر پر مرے ہیں، یہ مردود ہے اس لئے کہ جو نسخے فقہ اکبر کے ایسے ہیں جن پر اعتماد ہے ان میں یہ نہیں ہے اور جس نسخے میں یہ لکھا ہے وہ ابو حنیفہ محمد بن یوسف بخاری کی تصنیف ہے، امام ابو حنیفہ نعمان بن ثابت کی تصنیف نہیں، انتہی۔ اور علامہ آفندی شہیر بہ داغستانی رسالہ اثبات النجات والایمان لوالدی سید الاکوان میں فقہ اکبر کی عبارت ووالدا رسول اللہ الخ لکھ کر تحریر فرماتے ہیں کہ اس کتاب کی نسبت امام اعظم کی طرف ثابت نہیں ہے چناں چہ بعض علماء نے لکھا ہے کہ امام صاحب کے زمانے میں تصانیف کا رواج نہ تھا، ایک بات یہ بھی ہے کہ رسالہ فقہ اکبر میں صرف ایسے مسائل اعتقادیہ لکھے گئے ہیں کہ جو اہم مہمات سے خیال کئے جاتے ہیں اور یہ مسئلہ اس قسم کا نہیں ہے جس پر اعتقاد واجب سمجھا جائے انتہی۔ مگر ان علماء کی اس تاویل سے جو علامہ ابن حجر کے قول سے

جنھوں نے اثبات ایمان ابوین شریفین میں بڑی کوشش کی ہے ان کو اشتباہ ہوا اقوال اکابر شرح مشہورین سابقین کے کذب وبطلان کا یقین کیوں کر آسکتا ہے؟ صاف بات یہ ہے کہ یہ عقیدہ (نظریہ) قدما کا تھا جس کو امام نے بیان فرمایا جو مسئلہ مختار محققین لاحقین کے خلاف ہے یا یہ فقرہ الحاقی ہے۔ متاخرین کہتے ہیں کہ جب کہ اللہ تعالیٰ نے ابو طالب پر محض اس وجہ سے تخفیف عذاب کی کہ وہ کفار کی سختی کے مقابلے میں آں حضرت کی حمایت کرتے رہتے تھے چناں چہ بخاری ومسلم نے ابن عباس سے روایت کی ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: **اهون اهل النار عذابا ابو طالب و هو متنعل بنعلين يغلى منهما دماغه۔** یعنی دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکے عذاب والا ابو طالب ہے کہ وہ دو پاپوشیں پہنے ہے جس سے اس کا دماغ جوش مارتا ہے، تو آں حضرت کے والدین اس سے زیادہ رعایت اور اکرام الٰہی کے مستحق تھے، ابو طالب کے ساتھ جو کچھ رعایت کی گئی محض آں حضرت کے طفیل سے کی گئی تو ان کے والدین کے حق میں اس سے بڑھ کر فضل الٰہی ہونا چاہئے، بمقابلہ چچا کے والدین کے حق میں اکرام الٰہی حضرت کی زیادہ خوش نودی کا موجب ہے، طبائع اس پر مجبول ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی کے اہل قرابت قریبہ کو ناگفتنی بات کہے تو ضرور اس کا اثر دل پر پڑتا ہے اور طبیعت پر ناگوار گزرتا ہے، حضرت رسالت پناہ ﷺ ایسے امور سے سخت متاذی ہوتے تھے اور اپنی ناخوشی ظاہر فرماتے تھے، محبّ الدین احمد طبری ذخائر العقبیٰ میں ابو ہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ سبیعہ بنت ابو لہب نے حضرت رسالت میں یوں شکایت پیش کی کہ یا رسول اللہ (ﷺ) لوگ مجھ کو حمالۃ الحطب کی بیٹی کہتے ہیں اور اس کلمے سے عار دلاتے ہیں، سرور عالم ﷺ اسے سن کر نہایت غصے ہو کے اٹھے اور فرمایا کہ میری قوم کو کیا ہوا ہے کہ میرے اہل قرابت کو عار دلانے اور تشنیع کرنے سے مجھ کو اذیت دیتے ہیں، میری اذیت اللہ تعالیٰ کی اذیت ہے۔ غور کرنے کا مقام ہے کہ بنص قرآن سبیعہ

کی ماں حمالۃ الحطب تھی اور ان کے والدین یقیناً جہنمی تھے ایسے شخص کی نسبت اس عار دلانے سے جو مستلزم تحقیر ہے، آپ کو ایذا پہنچی پھر آپ کے والدین کی تکفیر (عار دلانے کے لئے) کیوں کر باعث اذیت نہ ہوگی؟ تکفیر سے بڑھ کر بھی کوئی بات ایسی ہے جس سے اذیت پہنچے؟ حق تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے: ان الذین یوذون اللہ و رسول لعنھم اللہ فی الدنیا والآخرۃ و اعدلھم عذابا مھینا۔ یعنی جو لوگ اللہ و رسول کو اذیت دیتے ہیں ایسے لوگوں پر خدا کی لعنت ہے دنیا اور آخرت میں اور اللہ تعالیٰ نے ان کے لئے ایسا عذاب مہیا کیا ہے جو خوار کرنے والا ہے۔ علامہ سیوطی درج منیفہ فی الاباء الشریفہ میں کہتے ہیں کہ شیخ کمال الدین شمنی جو ہمارے شیخ تقی الدین کے والد ہیں، لکھتے ہیں کہ ابو بکر بن عربی سے جو مالک کے بڑے اصحاب سے تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ ایسے شخص کی شان میں کیا فرماتے ہیں جو آبائے (والدین) رسول اللہ ﷺ کی نسبت کہتا ہے کہ وہ جہنم میں ہیں؟ ابن عربی نے جواب دیا کہ ایسا شخص ملعون ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یوذون الآیہ اور اس سے بڑھ کر کون سی اذیت ہے کہ کہا جائے کہ آپ کے آبا جہنم میں ہیں اور ابن کرکی نے جب سیوطی پر اعتراض کیا تو انہوں نے رسالہ طراز العمامہ فی الغرق بین العمامہ و القمامہ میں ابن الکرکی کا سخت تعقب کیا اور یہ فرمایا کہ میں نے وہ بات کہی جو مجھ سے پہلے کے علما کہہ گئے ہیں کہ یہ کہنا منہی عنہ (ممنوع) ہے، اس سے رسول اللہ (ﷺ) کو ایذا پہنچتی ہے جو شرعاً منہی عنہ ہے اور اس میں ابن عربی کے قول کو نقل کر کے کہا ہے کہ جو شخص ائمہ کے کلام کو دیکھے گا اس کو معلوم ہو جائے گا کہ ائمہ نے اس کو منع فرمایا ہے، جس شخص میں علم کی بو باس ہو وہ ہرگز ایسے قول کا انکار نہیں کر سکتا، یہ عجیب بات ہے کہ اپنے آباء کی تعظیم کی جائے اور آبائے کرام حضرت رسالت پناہی کی اہانت۔ سہیلی نے روض الانف میں لکھا ہے: ولیس لنا ان نقول نحن ھذا فی

ابویہ ﷺ لقولہ ﷺ لاتو ذوالاحیاء بسبب الاموات واللہ عزوجل یقول ان الذین یوذون اللہ و رسولہ الآیہ۔ یعنی ہم کو نہ چاہئے کہ ہم آبائے رسول اللہ ﷺ کے باب میں اس قسم کی باتیں کہیں، آپ نے فرمایا کہ زندہ لوگوں کو مردوں کی برائی سے اذیت نہ پہنچاؤ اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے ان الذین یوذون الآیہ۔ غرض یہ ہے کہ ایسے مسئلہ کے ثبوت کے کیوں پیچھے پڑے جس سے جناب سرور عالم ﷺ کی روح پر فتوح کو اذیت پہنچے، ایسے امور سے نفس کو روکنا بہتر ہے، چوں کہ ایمان والدین رسول اللہ ﷺ قدما کے نزدیک ثابت نہ تھا کیوں کہ احادیث مشہورہ سے ان کو زمانہ جاہلیت میں کفر و شرک کا رواج معلوم ہوا تھا اس لئے کہ وہ ان کے ایمان پر مرنے کے قائل نہ تھے، معاذ اللہ وہ کچھ تشنیع کی راہ سے ایسا نہیں کرتے تھے تاکہ روح پر فتوح جناب سرور کائنات کی اذیت کا باعث ہو تا علاوہ اس کے امام کے ماتا علی الکفر کہنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ ان کی نجات نہ ہوئی ہو بلکہ اللہ نے ان کو زندہ کر کے ایمان سے بہرہ ور کیا ہے، چناں چہ علامہ طحطاوی نے در مختار کے حاشیے میں کہا ہے: ان اللہ تعالی احیاھما و آمنا بہ کما ورد بہ الحدیث لینا لا فضیلۃ الصحبۃ اور ملا علی قاری نے جو امام کے قول کی شرح میں کہا ہے کہ: ھذا رد علی من قال انھما ماتا علی الایمان و ماتا علی الکفر ثم احیاھما اللہ تعالی فماتا فی مقام الایقان و قد افردت لھذہ المسئلۃ رسالہ مستقلۃ و دفعت ما ذکرہ السیوطی فی رسائلہ الثلثۃ فی تقویۃ ھذہ المقالۃ بادلۃ الجامعۃ المجتمعۃ من الکتاب و السنۃ والقیاس والاجماع الامۃ۔ یعنی امام کا قول رد ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ آں حضرت کے والدین ایمان پر مرے ہیں یا کفر پر مرے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو زندہ کیا پس انہوں نے ایمان لا کر انتقال کیا اور میں نے اس مسئلے میں ایک علیحدہ رسالہ تالیف کیا ہے اور اس میں سیوطی کے تین رسالوں کا جواب دیا ہے جو انہوں نے اس

مبحث میں لکھے ہیں اور کتاب و سنت اور قیاس واجماع سے اس پر دلائل بیان کئے ہیں۔
اور اس سے ملا علی کی شان میں کوئی حرف نہیں آسکتا اس لئے کہ ان کے نزدیک قدما کا
مذہب مرجح ثابت ہوا جو ابوین شریفین کے اسلام کے قائل نہیں البتہ علمائے
متاخرین اس کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک دو باتیں ثابت ہیں یا تو وہ کفر کی حالت میں
مرے تھے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو بوجہ شرف خصوصیت آں حضرت کے اس (کفر)
سے نجات دی یا ایمان پر مرے ہیں کفر و شرک سے محفوظ تھے۔ فقیہی محمد مرعشی ملا علی
قاری کے قول سے بے حد ناراض ہوئے، چناں چہ ان کے حق میں کہتے ہیں: **العجب
من علی القاری انه صنع فی هذ الباب رسالة و تکلف فیها و اتی باسجاع
مملة فلعل البرودة اثرت فی راسه فاختل عقله۔** یعنی تعجب ہے کہ انہوں (ملا
علی قاری) نے اس باب میں ایک رسالہ لکھا ہے جس میں تکلف کیا ہے اور عبارت میں
قافیے جو دل پر ناگوار گزریں، درج کئے ہیں، ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ملا علی کے سر میں
سردی اثر کر گئی تھی جس سے ان کی عقل میں خلل واقع ہو گیا تھا۔ مگر میرے نزدیک
ملا علی قاری کے ایسا کرنے سے ان کی نیت پر حملہ نہیں ہو سکتا، اس لئے کہ ان کے
نزدیک جو مذہب حق ثابت ہوا، اس کی تائید کی، اب اگر یہ بھی ثابت ہو جائے کہ
والدین ﷺ کی تکفیر کا فقرہ الحاقی ہے بلکہ یہاں تک بھی ثابت ہو جائے کہ جس فقہ
اکبر کی انہوں نے شرح کی اس کا انتساب امام کی طرف کذب وافتراء ہے اور فقہ اکبر امام
کی اس کے ماسوا ہے جس سے ملا علی قاری ناواقف رہے، تو اس تقدیر پر بھی ملا علی
قاری تکفیر ابوین شریفین کے پیچ سے نہیں نکل سکتے کیوں کہ یہ ان کا مسلم مذہب ہے
جس میں شبہ اور دوسرے کی تاویل کو گنجائش نہیں۔" (ص۴۵۷ تا ۴۶۴)

☆ یہ مفصل تحریر اس لئے میں نے نقل کی کہ اس میں متعدد اقوال یک جا ہیں،
حالاں کہ نجم الغنی صاحب کے آخری جملے تحقیق کے خلاف ہیں کیوں کہ شرح شفا میں

ملا علی قاری جو لکھ چکے ہیں وہ قارئین نے ملاحظہ فرمایا ہے۔ نجم الغنی صاحب نے ملا علی
قاری کا امام کے قول کے بارے میں جو اقتباس نقل کیا ہے جس میں کتاب و سنت اور
اجماع و قیاس سے جامع دلائل کا ذکر ہے، اس بارے میں سوال یہ ہے کہ کون سی آیت
ہے جس سے ملا علی قاری نے استدلال کر کے امام اعظم کے قول کو ثابت کیا ہے؟ ملا
علی قاری نے اپنے دعوے پر اجماع امت کا ذکر بھی کیا ہے، یہ سراسر باطل ہے، اس
لئے کہ کسی مستند کتاب میں ابوین شریفین کے کفر پر اجماع امت کا ذکر نہیں، یہ دعوی
بلاشبہ بہت سنگین زیادتی ہے۔ اجماع امت سے کیا مراد ہے؟ اصحاب نبوی کا؟ تابعین
کا؟ تبع تابعین کا یا معاصرین علماء کا؟ کس کا اجماع مراد ہے؟ اور اس کا کیا ثبوت ہے؟
جب کہ ان (ملا علی قاری) کے استاد علامہ ابن حجر کا فرمان قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں
کہ وہ فقہ اکبر کے بارے میں کیا فرماتے ہیں! اور ملا علی قاری کی ٹانگ ٹوٹنے کا ذکر بھی
انہوں نے فرمایا، اس کے بعد کوئی محقق یہ کیسے کہے گا کہ ملا علی قاری کا یہ دعوی درست
ہے یا ان کا موقف درست ہے؟ قدما (پہلوں) نے ایمان ابوین کا انکار کیا تو انہوں نے
بھی کوئی صریح و صحیح قطعی دلیل پیش نہیں کی اور متاخرین نے متعدد دلائل پیش
کر کے بھی یہی کہا کہ وہ اس مسئلے پر کوئی دعوی نہیں کرتے لیکن ادب و احتیاط اور
قرابت و نسبت رسول کریم ﷺ کے مطابق یہی کہتے ہیں کہ یہی موقف اس مسئلے میں
بہتر ہے کہ والدین کریمین کو ناجی و جنتی مانا جائے ورنہ سکوت اختیار کیا جائے، چناں چہ
نجم الغنی صاحب بھی یہ مسئلہ سترہ صفحات میں لکھ کر آخر میں یہی لکھتے ہیں: "ردالمحتار
میں ہے کہ مختصر یہ ہے کہ جیسا کہ بعض محققین نے کہا ہے کہ ایسے مسئلے کا ذکر کرنا نہ
چاہئے مگر مزید ادب کے ساتھ، یہ مسئلہ اس قسم کے مسائل سے نہیں ہے جس کے نہ
جاننے سے کسی قسم کا ضرر مترتب ہو یا قبر میں یا موقف میں اس سے سوال کیا جائے گا،
تو یہی چاہئے کہ اس میں گفتگو نہ کی جائے اور ایسی بات کہی جائے جو اولی و اسلم ہو،

انتھی۔(ص ۴۷۳، ۴۷۴، تعلیم الایمان شرح فقہ اکبر)

☆ قارئین کرام! اس مسئلے میں فترت اور اہل فترت کا ذکر بھی آیا ہے، اس بارے میں بھی کچھ وضاحت ضروری سمجھتا ہوں، چناں چہ پہلے جناب مولوی نجم الغنی رام پوری ہی سے ملاحظہ ہو، وہ لکھتے ہیں۔ "اشاعرہ کا یہ مذہب ہے کہ حسن و قبح، اشیاء کا شرعی ہے اس طرح کہ شرع نے جس کو حسن کہا وہ حسن اور جس کو قبیح کہا وہ قبیح ہوا، اگر عکس کرتی تو عکس ہوتا، افعال کی ذات کو حسن و قبح واجب نہیں ورنہ شرع میں نسخ جائز نہ ہوتا، اس لئے کہ جو چیز بالذات یا ذاتی ہوتی ہے اس میں اختلاف اور تخلف پیدا نہیں ہوتا، حنفیہ اور معتزلہ کے نزدیک عقلی ہے یعنی ہر چیز میں حسن و قبح، عقل کی طرف سے ہے حکم شرع کو اس میں دخل نہیں، صوفیہ بھی اس میں موافق ان کے ہیں، یہی وجہ ہے کہ امام اعظم نے فرمایا ہے: **لا عذر لا حد فی الجھل بخالقه۔** دوسرا قول ہے **ولم یبعث اللہ رسولا لوجب علی الخق معرفته۔** اشاعرہ و حنفیہ کے مسلک کا فرق تو ظاہر ہے، اس مسلک میں حنفیہ و معتزلہ میں بھی بڑا فرق ہے گو بظاہر دونوں فریق کہتے ہیں کہ عقلی ہے مگر متاخرین حنفیہ کہتے ہیں کہ جو حسن و قبح عقلی ہے وہ اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس میں حکم الٰہی بھی بندے کے لئے صادر ہوں ہاں وہ لائق و مستحق اس بات کے ہوتا ہے کہ اس میں حکم الٰہی نازل ہو کیوں کہ اللہ تعالیٰ حکیم مطلق ہے، ترجیح بلا مرجح نہیں فرماتا اور اچھی چیز کو برا اور بری کو اچھی نہیں قرار دیتا بلکہ جو واقعی اچھی ہوتی ہے اسی کی نسبت حکم دیتا ہے اور جو بری ہوتی ہے اس سے منع فرماتا ہے، بس نفس فعل میں ایک چیز ہوتی ہے کہ وہ وجوب کو چاہتی ہے جیسے نماز، کہ اس میں معبود کی مناجات ہے جس نے اس کو واجب کیا ہے، اور فعل ہی میں ایک ایسی چیز ہوتی ہے جو اس فعل کی حرمت کا تقاضا کرتی ہے جیسے زنا کہ اس کی وجہ سے انساب میں خلط واقع ہوتا ہے اور یہ زنا کی حرمت کو چاہتا ہے، پس شارع حکیم ہے، جو

چیز حرمت کو چاہتی تھی، اس فعل کو اس نے حرام کیا اور جو قابل وجوب تھی اسے واجب کیا، سو اصل حاکم اور واجب کرنے والا، اللہ ہے اور شرع کھولنے والی ہے، پس جب تک اللہ تعالیٰ رسولوں کو بھیج کر اور اپنا کلام نازل کر کے حکم نہ دے، تب تک کوئی حکم حسن و قبح کا اور امر و نہی نہ ہوگا، پس زمانہ فترت کے لوگ ترک احکام الٰہی کی سزا میں معذب نہ ہوں گے اور اسی وجہ سے ان علماء نے تعلق تکلیف میں دعوت کا پہنچنا شرط کیا ہے، یعنی آدمی تعمیل احکام کے ساتھ مکلّف بعد پہنچنے دعوت کے ہوگا، پس کافر کو جب تک دعوت نہ پہنچے اس وقت تک وہ نہ ایمان کے ساتھ مکلّف ہے اور نہ بسبب کفر کے آخرت میں مواخذہ دار ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ امام کے دوسرے قول میں وجوب سے وجوب عرفی مراد ہے، اگر بالفرض اللہ تعالیٰ پیغمبر کو مبعوث نہ فرماتا جب بھی خلق کو سزاوار تھا کہ اپنے عقول سے اللہ تعالیٰ کو پہچانیں۔ اور مشائخ بخارا کہتے ہیں کہ امام کا پہلا قول **مابعد البعثت** پر محمول ہے، یعنی رسول کے آنے کے بعد کوئی شخص خالق سے جاہل رہنے میں معذور نہیں۔ معتزلہ اور امامیہ اور کرامیہ اور براہمہ اس رائے کے خلاف ہیں، ان کے نزدیک حسن و قبح ہی اللہ تعالیٰ کی طرف سے حکم کا موجب ہے، اگر بالفرض شرع نہ ہوتی اور نہ رسول مبعوث ہوتے اور اللہ تعالیٰ افعال ایجاد کرتا، تب بھی یہ احکام اسی طرح واجب ہوتے جس طرح شرع نے اب ان کو بیان کیا ہے۔ اور جنہوں نے یہ لکھا ہے کہ معتزلہ کے نزدیک حاکم عقل ہے نہ خدائے تعالیٰ، یہ قول ان کا صحت کے خلاف ہے، معتزلہ مسلمان تھے اور کوئی مسلمان ایسی بات کہنے کی جرات نہیں کر سکتا بلکہ معتزلہ تو یہ کہتے ہیں کہ عقل بعض احکام الٰہی کی معرف ہے، برابر ہے کہ ان کی نسبت شرع وارد ہو نہ یا ہو، اور یہی اکابر حنفیہ سے بھی منقول ہے، (دیکھو شرح مسلم الثبوت مولفہ بحر العلوم)۔ اور بعض نے متاخرین حنفیہ اور معتزلہ کے مذاہب کے فرق کو اس عبارت میں بیان کیا ہے کہ اول الذکر کے نزدیک

عقل ایک آلہ ہے جس کو اللہ تعالیٰ نے بذریعہ شرع، کے کہ وہ کھولنے والی ہے، فعل
کے حسن وقبح پر اطلاع دیتا ہے۔ ایجاب عقل کا کام نہیں بلکہ یہ کام اللہ کا ہے، اور معتزلہ
کے نزدیک عقل واجب کرنے والی ہے، پس جب عقل نے حسن وقبح کو دریافت کر لیا
تو مقتضائے حسن وقبح اللہ تعالیٰ اور بندوں پر واجب ہو گیا اور جو چیز عقل میں نہیں آ
سکتی، وہ واجب نہیں، اسی وجہ سے معتزلہ عقائد کے متعلق ہر اس بات کو نہیں مانتے جو
عقل سے مدرک نہ ہو سکے، مثلاً رویت الٰہی اور عذاب قبر اور میزان اور صراط وغیرہ
کے منکر ہیں، غرض کہ تمام اشاعرہ اور متاخرین محققین حنفیہ جیسے طحاوی وکرخی وفقیہ
ابو اللیث وابن ہمام ومشائخ بخارا کے نزدیک ترک اسلام واختیار کفر سے اہل فترت
قابل مواخذہ نہ ہوں گے۔ اور والدین رسول اللہ ﷺ اہل فترت سے ہیں تو وہ بھی
عذاب نار سے ناجی ہیں گو زمانہ کفر میں مرے ہیں اور اس تقدیر پر امام کے قول کے بھی
یہی معنی ہوتے ہیں۔ اس جگہ یہ شبہ ہوتا ہے کہ عرب کے حق میں تو فترت کا تحقق
نہیں ہوتا، اس لئے کہ ابراہیم اور اسماعیل علیہما السلام کی شریعت قائم تھی۔ جواب: یہ
غلط ہے اس لئے کہ حضرت نوح تک شریعت حضرت آدم علیہ السلام تھی، حضرت
ابراہیم تک شریعت نوح کی، زمانہ بعثت سرور عالم تک شریعت ابراہیم کی، پھر فترت کا
کوئی زمانہ نہ رہا۔ فترت ایسے زمانے کو کہتے ہیں جو دو انبیاء کی درمیان میں ہو اور آثار و
احکام شریعت نبی سابق کے مضمحل ہو گئے ہوں، جب بعثت نبوی تک حضرت ابراہیم و
اسمٰعیل کی شریعت بدستور قائم رہی تو یہ زمانہ فترت کا نہ رہا۔ ابن حجر مکی لکھتے ہیں: ھذا
بعید جدا للاتفاق علی ان ابراھیم ومن بعدہ لم یرسلوا للعرب و رسالۃ
اسماعیل علیہ السلام انتھت بموتہ اذلم یعلم بغیر نبینا ﷺ عموم بعثتہ
بعد الموت۔ یعنی یہ اعتراض عقل سے بہت بعید ہے اس لئے کہ اس امر میں اتفاق
ہے کہ ابراہیم اور ان کے بعد انبیاء عرب کے رسول نہ تھے اور رسالت اسماعیل ان کے

انتقال پر تمام ہو گئی، اس لئے کہ سوائے رسول اللہ ﷺ کے ان کی عموم بعثت بعد
موت کے متحقق نہ ہوئی۔ بہر صورت آں حضرت ﷺ کے والدین کی نجات بوجہ
اہل فترت ہونے کے اشاعرہ کے اصول پر مبنی ہے جس کے ساتھ متاخرین حنفیہ نے
بھی اتفاق کیا ہے۔ اور متقدمین کا یہ مذہب ہے کہ اگر کسی کو دعوت نہ پہنچے اور نہ اس کو
اتنی مہلت ملے کہ خالق عالم کے اثبات کے لئے تامل کر سکے اور بغیر اعتقاد ایمان وکفر
کے مر جائے تو اس کو عذاب نہ ہوگا بخلاف اس شخص کے کہ جو باوجود دعوت نہ پہنچنے
کے کفر کا معتقد ہو کر مرا، یا اتنی مہلت پا کر جس میں وہ غور وفکر کر سکتا تھا، بغیر اعتقاد کفر
وایمان کے مر گیا تو اس کو عذاب ہوگا، مگر شامی یہ کہتے ہیں کہ اشاعرہ ومتاخرین حنفیہ
کے مذہب کے مطابق وہی شخص عذاب نار سے ناجی ہے جو دعوت پہنچنے سے قبل بغیر
اعتقاد کفر کے مرا ہے کیوں کہ اس پر کفر کا حکم نہیں اور جو بعثت سے قبل کفر وشرک کا
معتقد ہو کر مرا ہے اس کی دوزخ سے نجات نہیں، جیسا کہ نووی اور فخر الدین رازی
نے تصریح کی ہے اور اسی پر بعض مالکیہ نے ان احادیث کو عمل کیا ہے جن میں اہل
فترت کے معذب ہونے کا ذکر ہے، البتہ ان اہل فترت کی نجات اور عدم نجات میں
خلاف ہے جنھوں نے نہ شرک کیا اور نہ توحید حاصل کی بلکہ ساری عمر غفلت میں
گزاری، پس اشاعرہ ومتاخرین حنفیہ کے نزدیک ایسے شخص کو عذاب نار سے نجات ہے
کیوں کہ اس کو دعوت رسول نہیں پہنچی اور امام ابو حنیفہ ومتقدمین حنفیہ کے نزدیک
نجات نہیں اس لئے کہ اس کو اتنی مہلت مل گئی کہ صانع عالم کے وجود کے ثبوت کی
نشانیوں پر غور وتامل کر سکے اور پھر بھی وہ اللہ پر ایمان نہ لایا کیوں کہ عقل کے ساتھ
اس قدر تجربہ اور مہلت ہونا اس کے حق میں دعوت رسول کے برابر ہے، مگر مشہور یہ
ہے کہ اشاعرہ ومتاخرین حنفیہ کے نزدیک وہ شخص بھی معذور ہے جس کو دعوت نہ
پہنچی ہو اور اس وجہ سے شرک کا معتقد رہا ہو اور ان اصحاب زمانہ جاہلیت کی نجات میں

شبہ نہیں جنھوں نے اپنی عقل سے ہدایت حاصل کی جیسے قیس بن ساعدہ اور زید بن عمرو بن نفیل۔ اور جب ہم عام دلائل و قرائن پر نظر کرتے ہیں تو اللہ کی مہربانی سے امید کرتے ہیں کہ اس نے جناب سرور کائنات کے والدین کو گروہ موحد ہی میں رکھا ہو گا کیوں کہ آں حضرت نے صاف فرمادیا ہے کہ میں ایسے فرقوں میں منتقل ہو تا رہا ہوں جو دوسروں سے بہتر تھا۔ اور بعض محققین یہ کہتے ہیں آں حضرت کے ایسے اقوال میں کہ میں بنی آدم کے بہترین طبقوں میں قرن در قرن منتقل ہو تا آیا ہوں، یہ مراد ہے کہ جو طبقہ خصائل حمیدہ اور فضائل شریفہ رکھتا تھا، جن سے عقلا کے عرف میں اہل کرم کی مدح کی جاتی ہے، اس میں حضرت کا نور منتقل ہو تا رہا، خیریت سے مراد دین وایمان کی خیریت نہیں ہے اور اس تقدیر پر اللہ سے یہ امید رکھتے ہیں کہ اس نے والدین رسول اللہ ﷺ کو ایام جاہلیت کے ان لوگوں میں سے کیا ہو گا جنھوں نے نہ شرک کیا نہ موحد بنے مگر متاخرین اسی کو ترجیح دیتے ہیں کہ والدین رسول اللہ ﷺ ملت ابراہیمی پر تھے اور توحید کرتے تھے۔" (ص ۴۶۷ تا ۴۷۱، تعلیم الایمان شرح فقہ اکبر مطبوعہ نول کشور)

☆ سراج الہند حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ سے ابوین شریفین کے ایمان کے بارے میں سوال کرتے ہوئے سائل نے، فترت اور اہل فترت کی جو تفصیل لکھی ہے، محققین اور اہل علم کے لئے وہ بھی نقل کرتا ہوں، سائل لکھتے ہیں۔

"سوال: اللہ تعالیٰ کا کلام پاک ہے: **لتنذر قوماما اتھم من نذیر من قبلك۔** یعنی اللہ تعالیٰ فرماتا ہے رسول اللہ ﷺ کو کہ ہم نے بھیجا آپ کو تاڈراویں آپ اس قوم کو کہ اس کے پاس کوئی ڈرانے والا آپ کے قبل نہ آیا، تو اس آیت سے صراحۃ معلوم ہو تا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی قوم زمانہ فترۃ میں تکلیفات شرعیہ سے ناواقف تھی اور یہ آیت سورۂ قصص میں واقع ہے اور یہ امر اس آیت کے سیاق سے بھی صراحۃ

معلوم ہو تا ہے، اس واسطے کہ اس آیت کے بعد اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے: **ولولا ان تصیبھم مصیبة بما قدمت ایدیھم فیقولوا ربنا لولا ارسلت الینا رسولا فنتبع آیتك ونکون من المومنین۔** (قصص) یعنی اور اگر یہ نہ ہو تا کہ پہنچتی ان لوگوں پر مصیبت بسبب اس کے کہ آگے بھیجا ان لوگوں کے ہاتھوں نے پس کہتے وہ لوگ کہ اے پروردگار ہمارے کیوں نہیں بھیجا تو نے ہمارے پاس رسول کہ تابع داری کرتے ہم تیری آیتوں کی اور ہوتے ہم مومنین سے یعنی آپ کو اس واسطے بھیجا تاکہ یہ لوگ یہ عذر نہ کریں لیکن یہ جو آیت ہے: **لتنذر قوما ما انذر آباؤھم فھم غافلون۔** (یس) یعنی آپ اس واسطے مبعوث ہوئے تا آپ ڈراویں اس قوم کو کہ نہ ڈرائے گئے آبا ان کے پس وہ لوگ غافل تھے۔ تو اس آیت سے صراحۃ وہ مضمون ثابت نہیں ہو تا جو اوپر مذکور ہوا، اس واسطے کہ اس آیت میں جو لفظ ما کا ہے اس میں تین احتمال ہیں۔ اول یہ کہ ما نافیہ ہو اور دوسرے یہ کہ ما مصدریہ ہو اور تیسرے یہ کہ ما موصولہ ہے اور صرف اول احتمال کی بنا پر یعنی جب ما نافیہ ہو تو نفی اندار کی ثابت ہوتی ہے، یعنی اس آیت سے ثابت ہو تا ہے کہ قوم آں حضرت ﷺ کی آیا ڈرائی نہ گئی اور وہ احکام شریعہ سے ناواقف تھی، اور باقی دو احتمال کی بنا پر یعنی جب ما مصدریہ ہو یا موصولہ ہو تو نفی انداز کی ثابت نہیں ہوتی اور تفسیر نیشاپوری میں لکھا ہے وہ **قد یقال ان ما نا فیة او موصولة او مصدریة ای ارسلت لتنذر انذار آباء ھم اوما انذر آباء ھم اوما انذرہ آباء ھم فانھم فی غفلة فعلی ھذا کونھم غافلین بسبب باعث علی الانذار و علی الاول عدم الانذار سبب غفلتھم انتھی۔** یعنی اور کبھی کہا جاتا ہے کہ ما نافیہ ہے یا موصولہ یا مصدریہ ہے۔ یعنی آپ بھیجے گئے تاڈراویں قوم کو مانند ڈرائے جانے آبا ان کے کے یا جیسا ڈرایا ان کے آبا کو یا جس چیز سے ڈرایا ان کے آبا کو پس وہ لوگ غفلت میں ہیں، پس اس بنا پر یہ معنی ہوا کہ وہ لوگ غافل تھے اس

سبب سے جو باعث ہے ڈرانے کے لئے اور جب ما نافیہ کہا جاوے تو عدم انذار ان کی غفلت کا سبب ہو گا، یہ مضمون تفسیر نیشاپوری کی عبارت مذکورہ کا ہے۔ حاصل کلام جب یہ آیت **لتنذر قوما ما انذر آبائهم الآیہ** اس آیت مذکورہ کے ساتھ لحاظ کی جاوے جو سورۂ قصص میں ہے یا اس آیت کے ساتھ لحاظ کی جاوے **وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا**. یعنی نہیں ہیں ہم عذاب کرنے والے جب تک رسول نہ بھیجیں، تو اس آیت سے ان لوگوں کی نجات ثابت ہوتی ہے جو زمانہ فترۃ میں تھے۔ اور یہ امر موافق قاعدہ اہل سنت و جماعت کے ثابت ہے، اس واسطے کہ اہل سنت و جماعت اس امر کے قائل ہیں کہ حسن اور قبح امور کا شرعی ہے یعنی صرف شرع سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر کے کرنے کا شرع میں حکم ہے تو وہ امر بہتر ہے اور فلاں امر سے شرع میں منع کیا گیا ہے تو وہ امر قبیح ہے اور اہل سنت و جماعت کو اس امر سے انکار ہے کہ صرف عقل کے ذریعہ سے یہ معلوم ہو جاوے کہ فلاں امر اللہ تعالیٰ کے نزدیک واجب ہے، اب کلام اس میں ہے کہ انذار سوا بعث رسول کے ہے اور زمانہ فترۃ وہ ہے کہ اس میں بعثت رسول کی نہ ہووے اور انذار نہ ہونے سے وہ زمانہ کہ زمانہ فترۃ کا ہے اس کے بارہ میں حکم فترۃ کا نہیں دیا جاتا، تو درمیان حضرت عیسیٰ اور آں حضرت علیہما الصلوٰۃ والسلام کے کہ مدت پانچ سو ساٹھ برس کی ہے، زمانہ فترت کا نہ تھا کہ اس زمانہ کے لوگ اپنے حق میں حکم فترۃ کا قرار دے ویں اور اپنے کو صبیان اور دیوانہ کے مانند کہیں کہ سزاوار عذاب کے نہیں، اس واسطے کہ علم انبیاء سابقین کا خصوصاً علم حضرت موسیٰ و حضرت علیہما السلام کا اس بلاد میں شائع تھا اور اگرچہ کتب الہیہ میں لوگوں نے تحریف کی تھی لیکن توحید اور اثبات نبوت اور معاد کہ اصول ثلثہ دین کا ہے، ان امور میں فی الجملہ وہ لوگ کلام کرتے تھے، چناں چہ تفسیر نیشاپوری میں سورۂ قصص کی آیت کی تفسیر میں لکھا ہے: **من قبل لا مانت حجة الانبياء قائمة عليهم ولكن**

بعث اليهم من تجدد تلك الحجة عليهم فبعث الله تعالىٰ تقرير التسلك التكليفات وازالة لتلك الفترة۔ یعنی پہلے حجت انبیاء کی قائم تھی ان لوگوں پر لیکن نہیں بھیجا گیا تھا ان لوگوں کے پاس ایسا کوئی نبی جو تازہ کرے وہ حجت ان لوگوں پر پس بھیجا اللہ تعالیٰ نے آں حضرت ﷺ کو تا احکام شرعیہ ان لوگوں کی عقل میں ثابت فرمادے وے اور اس فترۃ کو دور فرمادے ویں، یہ ترجمہ نیشاپوری کی مذکورہ عبارت کا ہے۔ پس نفی انذار و بعث رسول دونوں آں حضرت (ﷺ) کی قوم کے بارے میں متحقق ہے اور مراد بعث رسول سے آیہ **وما كنا معذبين حتى نبعث رسولا**۔ (بنی اسرائیل) میں یہ نہیں ہے کہ رسول اسی قوم سے ہووے بلکہ مراد یہ ہے کہ جہان میں کوئی رسول آیا ہو کہ خبر اس رسول کی اور اس کے احکام کی مکلفین کو پہنچی ہو اگرچہ وہ احکام بطور اجمال کے پہنچے ہوں اور مکلفین کو اس وسول کا علم حاصل ہو جاوے کہ ہمارے مذہب کے علاوہ جہاں میں دوسرا مذہب بھی ہے کہ اس کو لوگ حق اور واقعی معلوم کرتے ہیں، اس واسطے کہ اسی قدر بحث و تفتیش و سوال و تحقیق دین تکلیفات شرعیہ کے ثابت ہونے کے لئے کافی ہے، البتہ زمانہ فترۃ کا ہونا درمیان حضرت نوح اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کے بعد گزرنے عاد و ثمود کے مسلم ہے، اگر زمانہ فترۃ کے ثبوت کے لئے صرف یہ کافی ہووے کہ اس زمانہ کی قوم سے کوئی رسول نہ ہوا ہو تو لازم آتا ہے کہ اکثر زمانہ حق میں اکثر لوگوں کے زمانہ فترۃ کا ہو اور جب یہ امر ثابت نہیں تو یہ بھی ضرور نہیں کہ جس زمانہ میں اس زمانہ کے لوگوں کی قوم سے نبی نہ ہوا ہو تو وہ زمانہ، زمانہ فترۃ کا ہو گا اور احادیث صحیحہ میں غور فرمایا جاوے کہ آں حضرت ﷺ نے اپنے زمانہ کے کفار کو کس قدر نکوہش فرمائی، مثلاً: **ان الله نظر الى اهل الارض فمقت عربهم و عجمهم الابقايا من اهل النار**۔ یعنی تحقیق کہ اللہ تعالیٰ نے نظر فرمائی اہل زمین کی طرف پس غضب فرمایا عرب اور عجم پر سوا ان لوگوں کے جو اہل

کتاب سے باقی رہ گئے تھے۔ اور آیات قرآنی میں غور فرمایا جاوے کہ: کنتم علی شفا حفرة من النار فانقذکم منها۔ یعنی تھے تم لوگ کنارہ پر آتش جہنم کے پس ہٹایا تم لوگوں کو وہاں سے۔ اور اس کے مانند اور بھی آیتیں ہیں تو ان آیتوں کا کیا معنی ہوگا؟ پس زمانہ جاہلیت کہ قبل بعثت آں حضرت ﷺ کے تھا، اس کو زمانہ فترۃ باعتبار اصطلاح کے نہیں کہہ سکتے، اگرچہ فترۃ کے معنی لغوی کے اعتبار سے اس کو زمانہ فترۃ کہہ سکتے ہیں، چناں چہ اس معنی لغوی کے اعتبار سے فترۃ کا لفظ اس آیت میں وارد ہے: یا اهل الكتاب قد جاء كم رسولنا يبين لكم على فترة من الرسل ان تقولوا ما جاء نا من بشير ولا نذير۔ (مائدہ) یعنی اے اہل کتاب تحقیق کہ آیا تم لوگوں کے پاس رسول ہمارا بیان کرتا ہے واسطے تم لوگوں کے ایسے زمانہ میں کہ پیمبر نہ تھا تا تم عذر نہ کرو کہ ہمارے پاس کوئی بشارت دینے والا اور ڈرانے والا نہ آیا، یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے، تو اس آیت میں خطاب اہل کتاب کے ساتھ ہوا ہے اور فترۃ اصطلاحی اہل کتاب کے حق میں متصور نہیں ہو سکتی اور اسی وجہ سے حدیث شریف میں جابجا اس وقت مردوں پر عذاب ہونے کا حال وارد ہے، مثلاً ابی و ابوك فی النار یعنی میرے اور تمہارے باپ دونوں دوزخ میں ہے، یہ حدیث جواب میں اس شخص کے وارد ہوئی کہ اس نے پوچھا کہ این ابی یعنی میرا باپ کہاں ہے؟ (☆) اور مثلاً یہ بھی حدیث شریف ہے: لينتهين اقوام عن فخرهم بابائهم الذين هم فحم من فحم النار اوليكونن اهون على الله من الجعل الذى يد هده الخرء بانفه۔ یعنی البتہ باز آویں گے لوگ فخر کرنے سے اپنے آباء پر کہ ان کے وہ آبا کوئلہ ہیں، دوزخ کے کوئلہ سے یا نہیں تو وہ لوگ فخر کرنے والے سبک اور ذلیل ہو جاویں گے اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس جانور سے (اس کو ہندی میں گبرولا کہتے ہیں) جو اپنی ناک سے پلیدی کو

(☆) قارئین اس حدیث کے بارے میں تحقیق ملاحظہ فرما چکے ہیں۔

زمین پر غلطاں کرتا ہوا لے جاتا ہے، یہ حدیث مذکور کا ترجمہ ہے۔ اور اس طرح کی اور بھی حدیثیں ہیں، البتہ آں حضرت ﷺ کی قوم کے پر کوئی نذیر یعنی ڈرانے والا نہ آیا تھا کہ ان لوگوں کو کفر اور معاصی سے ڈراتا اور اگرچہ خاص کر ایسے نذیر کا نہ آنا دفع عذاب کے لئے حجت نہیں، لیکن رحمت الٰہی نے ان لوگوں کا یہ عذر بھی زائل فرمادیا اور ایک عظیم الشان نذیر یعنی آں حضرت ﷺ کو اس جہان میں لوگوں کی ہدایت کے لئے بھیجا۔ اور اگر اس آیت میں غور کیا جاوے: ولولا ان تصيبهم مصيبة بما قدمت ایدیهم۔ (قصص) تو ظاہر ہوتا ہے کہ پہنچنا مصیبت کا ان لوگوں کے اعمال کے عوض میں کنایہ عذاب سے ہے، خواہ عذاب دنیاوی ہو یا اخروی ہو، ان لوگوں کے مقدر میں تھا اور یہ امر ہونے والا تھا لیکن ان لوگوں کی جگہ کہنے کی ہوتی کہ ہمارے پاس کوئی رسول نہ آیا اور کوئی ڈرانے والا نہ آیا تو ہم پر عذاب کیوں ہوتا ہے؟ اس واسطے آپ کو ہم نے بھیجا تا وہ لوگ یہ عذر نہ کر سکیں چناں چہ الینا کی قید سے لولا ارسلت الینا رسولا۔ (قصص) میں ہے یہی مضمون مفہوم ہوتا ہے۔ اور جو دوسری آیت یہ ہے: واقسموا بالله جهد ايمانهم لئن جاء هم نذير ليكونن احدى من احد الامم۔ (فاطر) یعنی اور قسم کھائی ان لوگوں نے اللہ کی قسم مستحکم کہ اگر ہمارے پاس کوئی ڈرانے والا آوے تو ہم لوگ سب امتوں سے زیادہ راہ راست پر ہو جائیں گے، یہ آیت مذکورہ کا ترجمہ ہے۔ تو اس آیت سے بھی صراحۃ معنی مذکور ہی سمجھا جاتا ہے اور اسی قبیل سے یہ آیت بھی ہے کہ: ان تقولوا انما انزل الكتاب على طائفتين من قبلنا وان كنا عن دراستهم لغافلين او تقولوالو انا انزل علينا الكتاب لكنا اهدى منهم الخ (الانعام)۔ یعنی اگر آں حضرت ﷺ کو مبعوث نہ کرتے تو تم کہتے کہ نازل کی گئی کتاب دو جماعت پر ہمارے قبل اور ہم لوگوں کا حال دریافت کرنے سے غافل تھے یا تم کہتے کہ اگر ہم پر کتاب نازل ہوئی ہوتی تو ہم لوگ ان لوگوں سے راہ

راست پر زیادہ ہوتے (الخ یعنی آیت کے آخر تک)۔ تو ان آیات سے ظاہر ہوتا ہے کہ وہ لوگ معتقد تھے کہ ہمارے قبل دو جماعت پر کتاب نازل ہوئی تھی اور جانتے تھے کہ ان دونوں جماعتوں کا حاصل کیا ہے اور دربارۂ توحید اور نبوت اور معاد کے ان لوگوں کا عقیدہ کیا تھا؟ بلکہ ورقہ بن نوفل کے بارہ میں شروع صحیح بخاری میں مذکور ہے: **فیکتب من الانجیل بالعربیة ماشاء ان یکتب**۔ یعنی پس لکھتے تھے ورقہ بن نوفل انجیل سے عربی زبان میں جو چاہتے تھے کہ لکھیں۔ اور اس سے معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں کو بھی دعوت عیسوی پہنچی تھی اور انجیل کا ترجمہ سنتے تھے، تو ایسی صورت میں اس زمانہ کے بارے میں احکام زمانہ فترۃ کا کیوں کر دیا جاسکتا ہے؟ اور اگر قبل زمانہ بعثت آں حضرت ﷺ کے زمانہ فترۃ کا تھا تو ابوین شریفین کے بارے میں علماء کے اختلاف کا سبب کیا ہے؟ کہ فقہ اکبر میں ان کے بارے میں کفر کی تصریح ہے۔ (☆) اور سیوطی اور دیگر علما نے ان کے ایمان کے ثبوت میں رسالہ لکھا ہے۔"

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی جواب تحریر فرماتے ہیں:

"**جواب**: مہربان من! جب معلوم ہوا کہ آں حضرت ﷺ کی بعثت کے قبل زمانہ فترۃ کا نہ تھا بلکہ زمانہ جاہلیت کا تھا تو اشکال اور شبہ جو سوال میں ہے، زائل ہو گیا اور اگر فرض کیا جاوے کہ وہ زمانہ، زمانہ فترۃ کا تھا تب بھی اس اختلاف کی گنجائش ہے اس واسطے کہ ایمان اور کفر دوسری چیز ہے اور عذاب اور نجات دوسری چیز ہے، تو کافران زمانہ فترہ کے حق میں نہایت امر یہی ہے کہ کاش اگر ثابت ہو جاوے تو صرف ان کی نجات ثابت ہوگی لیکن ان لوگوں کا ایمان ہرگز ثابت نہیں ہوتا اور اس مسئلہ میں بحث یہ ہے کہ زمانہ فترۃ میں آبا آں حضرت ﷺ مشرک اور کافر تھے اور بسبب غفلت فترۃ

(☆) فقہ اکبر کے بارے میں تحقیق، قارئین ملاحظہ فرما چکے ہیں اور یہ بھی وہ ملاحظہ کر چکے ہیں کہ ابوین شریفین کے بارے میں کفر کی ہرگز ہرگز کوئی تصریح نہیں ہے۔

کے سزاوار عذاب کے نہ ہوئے، یا موحد تھے اور اس انتظار میں تھے کہ جب نبوت آں حضرت کی دنیا میں ظاہر ہو جاوے اور آں حضرت ﷺ دعوی نبوت کا کریں تو ہم لوگ آں حضرت ﷺ پر اپنا ایمان ظاہر کریں اور آں حضرت ﷺ کی تابع داری کریں، تو فقہ اکبر میں ابوین آں حضرت ﷺ کی شان میں جو لکھا ہے **ماتا علی الکفر** تو اگر یہ قول ثابت بھی ہو جاوے تو اس قول میں اور ابوین شریفین کی نجات ثابت ہونے میں کچھ تناقض نہیں، البتہ یہ جو قول ہے کہ ابوین شریفین موحد تھے اور شرک سے بے زار اور متنفر تھے تو اس قول میں اور فقہ اکبر میں تناقض کا گمان ہو سکتا ہے، خلاصہ یہ ہے کہ علماء ابوین شریفین کی نجات ثابت کرتے ہیں اور تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ آں حضرت ﷺ کے ابوین شریفین کی نجات ثابت کرنے میں علماء کا تین مسلک ہے۔....." (اس سے آگے کی تحریر اسی مقدمہ میں پہلے درج کی جاچکی ہے)۔ (سرور عزیزی المعروف فتاوی عزیزی، مطبوعہ مجیدی کان پور، جلد اول، ص۲۸۹ تا۲۹۵)

☆ حضرت امام قسطلانی اپنی کتاب "مواہب لدنیہ" میں فرماتے ہیں: "اور جو شخص رسول اللہ ﷺ کے والدین کی نجات کا قائل ہے اس نے اس طور پر بھی تمسک کیا ہے کہ آپ کے والدین ماجدین نے بعثت سے پہلے فترت کے زمانہ میں وفات پائی ہے (یہ وہ زمانہ ہے جس میں نزول وحی اور احکام موقوف تھے) بعثت سے پہلے جو کوئی مر جائے تو اس کے لئے تعذیب نہیں ہے، اللہ تعالیٰ جل شانہ نے فرمایا ہے: **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**۔ اہل کلام اور اصول سے اشاعرہ نے اور شافعیہ سے فقہاء نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ جو شخص ایسے حال میں مر گیا کہ دعوت نبوت اس کو نہیں پہنچی تو وہ ناجی مرا۔" (ص ۹۲)...... مزید فرماتے ہیں: "اور بھی مسلم میں ہے کہ ایک مرد نے پوچھا، یارسول اللہ (ﷺ) میرا باپ کہاں ہے؟ آپ نے فرمایا، دوزخ میں ہے جب کہ اس نے پیٹھ پھیری آپ نے اس کو بلایا اور یہ فرمایا کہ میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں

ہے۔امام نووی نے کہا ہے کہ اس حدیث میں یہ ہے کہ جو شخص کفر پر مرا ہے وہ دوزخ میں ہے اور اس کو مقربین بارگاہ الٰہی کی قرابت نفع نہیں دیتی ہے۔اور اس حدیث میں یہ فائدہ ہے کہ جو شخص زمانہ فترت میں مرا اور جس طریق پر عرب لوگ بتوں کی عبادت کرتے تھے وہ شخص اس طریق پر تھا، وہ دوزخ میں ہے اور اس میں قبل پہنچنے دعوت نبوت کے مواخذہ نہیں ہے، اس لئے کہ فترت کے زمانہ میں جو لوگ مر گئے ہیں ان کو حضرت ابراہیم وغیرہ انبیاء علیہم السلام کی دعوت پہنچ چکی ہے۔اور امام فخر الدین رازی نے کہا ہے کہ جو شخص شرک کی حالت میں مر گیا ہے وہ دوزخ میں ہے اگرچہ نبی ﷺ کی بعثت سے پہلے مر گیا ہو، اس لئے کہ مشرکین نے دین ابراہیم علیہ السلام کی حنیفیت کو متغیر کر دیا تھا اور حنیفیت کے ساتھ شرک کو بدل دیا تھا اور شرک کا ارتکاب کیا تھا، مشرکین کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی جانب سے کوئی حجت نہیں ہے جو انہوں نے شرک اختیار کیا تھا، اول سے آخر تک جو رسول تھے ان کل کے دین سے، ان لوگوں کو ہمیشہ علم رہا ہے کہ شرک قبیح ہے اور شرک پر وعید ہے کہ اہل شرک دوزخ میں جائیں گے، یہ خبریں کہ اللہ تعالیٰ شرک پر مشرکین کو عقوبتیں کرے گا، ایک قرن سے دوسرے قرن کے بعد امتوں کے درمیان چلی آتی تھیں۔ پس اللہ تعالیٰ کے واسطے ہر وقت اور ہر حین میں مشرکین پر حجت تامہ ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کے اخبار اور حجتیں مشرکین کی عقوبتوں کے لئے نہ ہوتیں اور صرف توحید ربوبیت کی وہ فطرت ہوتی جس فطرت پر اللہ تعالیٰ نے بندوں کو پیدا کیا ہے اور یہ ہوتا کہ ہر ایک فطرت اور ہر ایک عقل میں محال ہوتا کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کوئی معبود ہو اور اللہ تعالیٰ نے اپنے بندوں کو ان امور کا قائل کیا ہوتا تو یہ امور حجت میں کافی ہوتے اور اگرچہ اللہ تعالیٰ تنہا اس فطرت کے مقتضا کے سبب عذاب نہ دیتا (اس لئے کہ صحیح یہ امر ہے کہ ایمان واجب نہیں ہوتا مگر شرع کے ساتھ، نہ عقل کے ساتھ، آدمیوں نے اگرچہ اپنے

عقول سے ادراک کیا لیکن جس شے کا انہوں نے ادراک کیا اس کے مقتضی پر عدم جاری ہونے پر اللہ تعالیٰ ان کو عذاب نہ دیتا) اہل زمین کو ہمیشہ یہ معلوم ہوتا رہا ہے، رسولوں نے روئے زمین پر مخلوق کو توحید کی طرف بلایا ہے، پس مشرک بتوں کی عبادت کرنے والا دوزخ میں عذاب کا مستحق ہوگا اس لئے کہ مشرک نے رسولوں کی دعوت کی مخالفت کی ہے اور وہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والا ہے جیسے کہ اہل جنت ہمیشہ جنت میں رہنے والے ہیں، امام فخر الدین رازی کا قول ختم ہو گیا۔اور علامہ عبداللہ الابی جو مالکیہ سے ہیں انہوں نے صحیح مسلم کی شرح اکمال الاکمال میں امام نووی کے اس قول کا تعقب کیا ہے جو آگے گزر چکا ہے، نووی کے قول میں یہ ہے کہ جس حالت پر عرب لوگ تھے کہ بتوں کی عبادت کیا کرتے تھے، جو شخص اس فترت پر مرے گا وہ دوزخ میں داخل ہوگا۔ نووی کے آخر قول تک کا کیا معنی ہے؟ تم نووی کے کلام میں تامل اور غور کرو کہ کتنی منافات ہے، نووی نے تصریح کی ہے کہ وہ لوگ اہل فترت ہیں، اہل فترت وہ لوگ نہیں ہیں جن کو رسالت یا نبوت کی دعوت پہنچ چکی ہے، اس لئے کہ اہل فترت وہ امتیں تھیں جو رسولوں کے زمانہ میں پیدا ہونے والی تھیں وہ وہ لوگ تھے جن کی طرف اول رسول نہیں بھیجا گیا اور نہ ان لوگوں نے دوسرے رسول کو پایا، جیسے اعراب ہیں یعنی بادیہ کے بسنے والے کہ یہ وہ لوگ ہیں جن کی طرف نہ عیسیٰ علیہ السلام بھیجے گئے اور نہ وہ لوگ نبی ﷺ سے لاحق ہوئے، فترت اس تفسیر سے اس زمانہ کو شامل ہے جو دو رسولوں کے درمیان ہے جیسے نوح اور ہود علیہ السلام کے درمیان فترت ہے، لیکن فقیہ لوگ جس وقت فترت کے باب میں کلام کرتے ہیں۔ تو وہ اس فترت سے مراد لیتے ہیں جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام اور ہمارے نبی ﷺ کے درمیان ہے۔ اور بخاری نے سلمان سے موقوف طور پر روایت کی ہے کہ فترت کی مدت چھ سو برس تھی، جب کہ دلائل قاطعہ قرآنی نے اس امر پر دلالت کی ہے کہ

مشرکین پر تعذیب نہیں ہے یہاں تک کہ رسول کے بھیجنے سے ان پر حجت قائم ہو، جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے: **وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا**۔ ہم نے اس سے یہ جانا ہے کہ ایسے مشرکین کو عذاب نہ دیا جائے گا جن پر کوئی حجت قائم نہیں ہوئی ہے (کہ رسول کی دعوت ان کو نہیں پہنچی ہے)۔ اگر تم یہ اعتراض کرو گے کہ بعض اہل فترت کی تعذیب میں احادیث صحیح وارد ہوئے ہیں جیسے یہ حدیث ہے، آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ میں نے عمرو بن لحی کو دیکھا کہ وہ اپنی آنتیں دوزخ میں کھینچ رہا تھا اور میں نے صاحب محجن کو دیکھا کہ وہ دوزخ میں تھا (صاحب محجن ایک مرد تھا کہ اپنے ساتھ ایک آنکڑا رکھتا تھا اور حاجیوں کا سامان چراتا تھا، جس وقت اس کے سرقہ کا علم ہو جاتا تو وہ سامان کے مالک سے کہہ دیتا کہ یہ شے خود میرے آنکڑے سے لٹک گئی تھی)۔ اس اعتراض کا جواب بہت سے جوابوں سے دیا گیا ہے، ان جوابوں میں کا ایک جواب یہ ہے کہ یہ حدیثیں اخبار احاد ہیں (کہ ظن کا فائدہ دیتی ہیں) پس یہ حدیثیں قطعی حکم کا کہ وہ قرآن مجید ہے، اس طور سے معارضہ نہیں کر سکتی ہیں کہ ان لوگوں کو عذاب نہ دیا جائے گا (پس ان حدیثوں پر قرآن مجید کی تقدیم واجب ہے اگرچہ حدیثیں صحیح ہوں)۔ دوسرا جواب یہ ہے کہ ان لوگوں پر تعذیب متصور کی گئی ہے (یہ حدیثوں کے وارد ہونے کی وجہ سے ہے جو لوگ ان کے سوا ہیں ان پر ہم ان کا قیاس نہ کریں گے، پس یہ حدیثیں حکم قاطع کے منافی نہیں ہیں) اور عذاب کے سبب کا علم اللہ تعالیٰ کو زیادہ ہے۔ تیسرا جواب یہ ہے کہ تعذیب جو ان احادیث میں وارد ہے انہیں لوگوں پر متصور ہے جنھوں نے توحید کو شرک سے بدل دیا اور تغیر دے دیا ہے اور وہ اہل فترت سے تھے (جیسے عمرو بن لحی ہے) کہ اس نے ضلالت اختیار کی اور بتوں کی عبادت کی ایسے لوگوں کا عذر مسموع نہ ہوگا انہوں نے شرائع کو متغیر کر دیا۔

اہل فترت تین قسم ہیں: اول قسم اہل فترت وہ لوگ ہیں جنھوں نے اپنی

بصیرت سے توحید کو پایا تھا (کہ اس بصیرت نے ان کو اللہ تعالیٰ کے غیر کی عبادت سے منع کیا تھا) پھر ان لوگوں میں سے وہ لوگ ہیں جو کسی شریعت میں داخل نہیں ہوئے (انہوں نے اللہ تعالیٰ کی توحید اور عبادت کی طلب کی اور نبی ﷺ کے خروج کا انتظار کیا) جیسے قس بن ساعدۃ الایادی تھے اور زید بن عمرو بن نفیل تھے اور ان میں سے وہ لوگ ہیں کہ شریعت حق میں جس کے آثار قائم تھے، داخل ہوئے ہیں جیسے تبع اور اس کی قوم حمیر سے تھی اور اہل بحران اور ورقہ بن نوفل ہیں اور ورقہ کا نام عثمان بن الحویرث ہے (کہ ان لوگوں نے قبل نسخ دین نصرانیت کے عہد جاہلیت میں نصرانیت اختیار کر لی تھی)۔

دوسری قسم اہل فترت کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے توحید کی تبدیل اور تغیر کر دی اور شرک اختیار کیا اور توحید اختیار نہیں کی اور اپنے نفس کے لئے ایک شرع ٹھیرا کے احکام مشروع کئے تھے کہ خود حلال قرار دیا اور خود حرام ٹھیرایا تھا، یہ لوگ اکثر اہل عرب سے ہیں جیسے عمرو بن لحی (بن قمعہ بن الیاس بن مضر ہے) یہ اول وہ شخص ہے جس نے عرب کے واسطے بتوں کی عبادت کا طریقہ ڈالا ہے اور احکام مشروع کئے ہیں، بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ اور حام (یہ چار قسموں کے اونٹ بتوں کے لئے نذر کئے تھے) اور اس کا اتباع کل عرب نے کیا تھا اور ان کے سوا اور بہت سے امور ہیں جن کو عمرو بن لحی نے اختیار کیا تھا جن کا بیان طول کلام ہے (ملک شام سے عمالیق کے پاس سے ہبل بت کو لایا تھا اور کعبہ کے پاس نصب کیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ عمرو بن لحی کا جن شامہ نامی تھا اس نے اسے کہا کہ جدہ کو جا، وہاں پر معبود ہیں لے کر آ، نوح علیہ السلام کے زمانہ کے بت لے کر آیا اور لوگوں کو بت پرستی سکھائی اور دین ابراہیم کو میٹ دیا۔

تیسری قسم اہل فترت کے وہ لوگ ہیں جنھوں نے نہ شرک کیا اور نہ توحید کی اور نہ کسی نبی کی شریعت میں داخل ہوئے اور نہ اپنے نفس کے واسطے کوئی شریعت اختراع کی اور

نہ کوئی دین اختراع کیا بلکہ وہ لوگ ان کل امور سے اپنی تمام عمر غفلت پر باقی رہے، جاہلیت کے جو لوگ ان طریقوں پر تھے وہ بھی اسی تیسری قسم میں داخل ہیں، پس جس وقت اہل فترت تین قسموں پر منقسم ہوئے جن لوگوں کی تعذیب صحیح ہوگی تو اہل قسم ثانی پر ان کا حمل کیا جائے گا۔ اس وجہ سے کہ انہوں نے کفر اختیار کیا تھا اور اعمال خبیثہ کے سبب انہوں نے حق سے تجاوز کیا تھا، اللہ تعالیٰ سبحانہ نے اس قسم کے لوگوں کا نام کافر اور مشرک فرمایا ہے، اس لئے کہ ہم قرآن شریف کو ایسا پاتے ہیں کہ جس وقت اللہ تعالیٰ نے کسی کا احوال حکایت کیا ہے تو اس پر کفر اور شرک کا اطلاق کیا ہے، جیسے اللہ تعالیٰ کا قول: ما جعل الله من بحيرة ولا سائبه ہے، پھر اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ولكن الذين كفروا آخر آیت تک (پس اللہ تعالیٰ کے فرمانے سے یہ لوگ کافر کہے جائیں گے کہ انہوں نے کذب کا افترا اللہ تعالیٰ پر کیا ہے اور وہ یہ نہیں جانتے ہیں کہ ہم اللہ تعالیٰ پر افترا کرتے ہیں، یہ امور انہوں نے اپنے باپ دادا کی تقلید سے اختیار کئے ہیں) اور تیسری قسم حقیقۃ وہی اہل فترت ہیں جو وہ غیر معذب ہیں، اس پر کل علماء کا اتفاق ہے، اسی قسم سے نبی ﷺ کے والدین ہیں کہ ان کو زمانہ کے تاخر کی وجہ سے دعوت نہیں پہنچی اور ان کے درمیان اور انبیائے سابقین کے درمیان دوری رہی ہے اور یہ دونوں اس جاہلیت کے زمانہ میں تھے کہ شرق اور غرب میں جہل عام ہو گیا تھا اور جو لوگ شریعت کو پہچانتے تھے وہ مفقود ہو گئے تھے اور دعوت کی وجہ پر تبلیغ دعوت کرنے والے نہیں رہے تھے مگر تھوڑے، چند لوگ علمائے اہل کتاب سے اقطار زمین میں، جیسے شام وغیرہ ملک ہیں ان میں پراگندہ تھے۔ اور ان لوگوں کو سواد مدینہ کے کہیں سفر کا موقع نہیں ملا اور نہ ان کو لمبی دراز عمر دی گئی کہ مطلوب کی جستجو کی ان کو قدرت ہوتی۔ اور آپ کی والدہ ماجدہ پردہ نشین تھیں، مردوں کے ساتھ جمع نہیں ہو سکتی تھیں کہ شرائع کا احوال معلوم کر سکتیں۔" (ص ۹۹ تا ۱۰۳، ج ا، سیرت محمدیہ ترجمہ

مواہب لدنیہ، مترجم عبد الجبار خاں آصفی، مصدق علمائے دیوبند، مطبوعہ تاج پریس حیدر آباد دکن ۱۳۴۲ھ)

احیائے والدین اور ان کے ایمان کا تذکرہ کرنے کے بعد امام قسطلانی مزید فرماتے ہیں: "بعض علماء نے آپ (ﷺ) کے والدین ماجدین کے ایمان کے استدلال میں کلام کو طول دیا ہے، اللہ تعالیٰ اس عالم کو اس کے قصد جمیل پر ثواب عطا فرمائے۔ حافظ ابن حجر نے اپنی بعض کتابوں میں کہا ہے کہ آں حضرت ﷺ کی اس آل کے ساتھ یہ ظن ہے جو آپ کے مبعوث ہونے سے پہلے مر گئی ہے کہ قیامت کے دن امتحان کے وقت وہ مطیع ہوگی اور آپ (ﷺ) کے اکرام کی وجہ سے جنت میں داخل ہوگی تاکہ جنت میں ان کو دیکھ کر آپ ﷺ کی آنکھیں ٹھنڈی ہوں۔ اور کتاب الاحکام میں کہا ہے (اور ایسا ہی اصابہ میں ہے) کہ ہم امید کرتے ہیں کہ عبد المطلب اور آپ کے جملہ اہل بیت، ان لوگوں میں جو جنت میں داخل ہوں گے، ایسے حال میں جنت میں داخل ہوں گے جو مطیع ہوں گے، پس وہ نجات پائیں گے (اس لئے کہ وہ شے وارد ہوئی ہے جو اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ عبد المطلب حنیفیت اور توحید پر قائم تھے، عبد المطلب نے صلیب اور صلیب کی عبادت کرنے والوں پر تبرا کیا تھا) مگر ابو طالب کو نجات نہ ہوگی کہ انہوں نے زمانہ بعثت کو پایا تھا اور وہ آپ پر ایمان نہیں لائے تھے (جیسے صحیح حدیث میں ہے کہ اہل نار میں ابو طالب پر عذاب اھون ہے۔ امام سیوطی نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس قسم سے ہے کہ اس امر پر دلالت کرتی ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین دوزخ میں نہیں ہیں، اس لئے کہ اگر وہ دوزخ میں ہوتے تو ابو طالب سے ان پر عذاب نہایت درجہ خفیف (کم، ہلکا) ہوتا کہ آپ کے والدین مرتبہ میں ابو طالب سے آپ (ﷺ) کے ساتھ زیادہ قریب ہیں اور ان کا عذر بڑا ہے کہ انہوں نے آپ کی بعثت کا زمانہ نہیں پایا اور نہ اسلام ان پر ظاہر کیا گیا، پس آپ (ﷺ) کے والدین کے

حق میں دوزخ ممتنع ہے بخلاف ابو طالب کے کہ صادق مصدوق (نبی ﷺ) نے خبر دی ہے **انه اهون اهل النار عذابا**۔ پس آپ (ﷺ) کے والدین اہل نار سے نہیں ہیں، اہل اصول کے نزدیک اس کا نام دلالۃ الاشارہ ہے۔" (ص ۱۰۴۔ ۱۰۵، مواہب لدنیہ، ج۱)

قارئین کرام! علماء اسلام نے کتاب و سنت کی روشنی میں جو تفصیل بیان کی اس کا خلاصہ آپ کے سامنے ہے، اگر تمام کتابوں سے مکمل تفصیل نقل کروں تو تکرار سے طوالت اور کتاب کی ضخامت بہت بڑھے گی۔ اس فقیر نے اس نازک ترین مسئلے کو مجموعی طور پر کسی قدر نقل کر دیا ہے۔ اس مسئلے کے بعد عقیدت کے قلم سے ان ائمہ کے اقوال میں سے انہی کے نتائج کے ساتھ کچھ مزید پیش کرتا ہوں جو رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان و نجات کے قائل ہیں۔ قارئین اور اہل علم غور سے اس کا بھی مطالعہ فرمائیں اور دیکھیں کہ قول حق اور راجح کون سا ہے؟ **والحق احق ان يتبع ، والله الهادى الى صراط المستقيم بحرمة النبى الكريم، صلى الله عليه وسلم وعلى آله واصحابه و بارك وسلم اجمعين**۔

فقیر! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

باسمہ وبحمدہ تعالیٰ

پیش گفتار

اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے: **ومن يعظم شعائر الله فانها من تقوى القلوب**۔ (سورہ الحج آیت نمبر ۳۲) جو اللہ تعالیٰ کی نشانیوں کی تعظیم کرے تو وہ دلوں کی پرہیزگاری سے ہے۔ قرآن کریم ہی میں بیان ہوا: **ان الصفا والمروة من شعائر الله**۔ (سورۂ بقرہ آیت نمبر ۱۵۸) بے شک صفا و مروہ (پہاڑیاں) اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ سبھی اہل ایمان بخوبی جانتے ہیں کہ مکہ مکرمہ میں کعبۃ اللہ کے پڑوس میں دو پہاڑیوں (صفا و مروہ) پر اللہ تعالیٰ جل شانہ کی مقبول بندی حضرت ہاجرہ علیہا السلام کے قدم آئے۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جہاں اللہ تعالیٰ کی مقبول بندی کے قدم آ جائیں وہ جگہ شعائر اللہ میں سے ہو جاتی ہے اور اس کی تعظیم واجب ہو جاتی ہے تو جہاں اللہ کے مقبول بندے کا تمام وجود ہو، اس جگہ کی برکت و عظمت کا کیوں کر انکار ہو سکتا ہے؟ بیان القرآن میں جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ مسجد اقصیٰ کے ارد گرد برکتوں سے مراد انبیاء کرام علیہم السلام کی قبریں اور ان کے مزارات ہیں۔ کنز العمال ص ۳۹۲/۳ (مطبوعہ حیدر آباد دکن ۱۹۵۰ء) میں روایت موجود ہے کہ حضرت یوسف علیہ السلام کی قبر مبارک پانی میں آ گئی تو حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ تعالیٰ نے خصوصی حکم فرمایا کہ حضرت یوسف علیہ السلام کا جسد مبارک وہاں سے نکال کر بیت المقدس میں لے جائیں۔ اگر بزرگوں کی قبروں کا محفوظ رکھنا ضروری نہیں تو قبروں کی بابت جس قدر احکام ہیں وہ سب فضول قرار پائیں گے۔ احادیث شریفہ میں واضح بیان ہے کہ جس چیز سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مردے کو بھی اذیت ہوتی ہے۔ قبر پر پاؤں رکھنے اور روندنے کی سخت ممانعت بیان ہوئی ہے اور قبروں کی زیارت کا نبی کریم

ﷺ نے حکم دیا ہے، چناں چہ حدیث شریف ہے: کنت نہیتکم عن زیارۃ القبور فزوروھا (بخاری شریف) رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں میں تمہیں منع کرتا تھا قبروں کی زیارت سے پس (اب حکم دیتا ہوں کہ) ان کی زیارت کیا کرو۔ اس حدیث شریف میں مرد و عورت دونوں کو حکم دیا گیا ہے لیکن حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا (م ۵۷ھ) فرماتی ہیں کہ جس طرح نبی پاک ﷺ نے عورتوں کو نماز کے لئے مسجد میں آنے کا فرمایا تھا مگر اب (ان کے پردہ فرمانے کے بعد) جو باتیں عورتوں نے پیدا کی ہیں انہیں دیکھ کر نبی پاک ﷺ عورتوں کو مسجدوں میں آنے سے ضرور منع فرما دیتے جیسے بنی اسرائیل کی عورتیں منع کر دی گئیں۔ (بخاری شریف ۱۰۴۷/۲۔ مسلم شریف ص ۱۸۳) اس بنیاد پر فقہاء نے فرمایا کہ بہتر یہی ہے کہ عورتیں قبروں کی زیارت کو نہ جائیں، اگر جائیں تو بے پردہ اور بغیر محرم کے نہ جائیں اور زیارت قبر کے وقت خود پر قابو رکھیں، اپنی آواز تک بلند نہ کریں اور کسی طرح بے پردہ نہ ہوں، کیوں کہ ادب اور حیا اسی طرح بعد وفات بھی باقی ہے، چناں چہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا رسول کریم ﷺ کی قبر شریف کی زیارت کرتیں تو پردہ نہ کرتیں کہ وہ ان کے شوہر کا روضہ مبارک تھا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ (م ۱۳ھ) وہاں مدفون ہوئے تو وہ پردہ نہ کرتیں کہ وہ ان کے باپ تھے۔ جب حضرت عمر رضی اللہ عنہ (م ۲۳ھ) وہاں دفن ہوئے تو وہ پورے سراپا کو چھپا کر زیارت فرماتیں اور حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے حیا کرتیں۔ (مشکوٰۃ ص ۱۵۴۔ الکشف ص ۲۶۳)

امام شافعی رضی اللہ عنہ (المتوفی ۲۰۴ھ) کا بیان ہے کہ وہ امام اعظم رضی اللہ عنہ (المتوفی ۱۵۰ھ) کے مزار شریف کی زیارت کو جایا کرتے تو امام اعظم رضی اللہ عنہ کے مذہب کے مطابق کرتے اور فرماتے کہ مجھے حیا ہوتی ہے کہ میں امام اعظم کے سامنے ان کے خلاف کروں۔ (المیزان الکبری، مطبوعہ مصر ص ۶۱/۱۔ منسک متوسط مع ارشاد

الساری، مطبوعہ بیروت ص ۳۴۲)

رسول کریم ﷺ خود زیارت قبور کے لئے تشریف لے جاتے، جنۃ البقیع میں اور شہدائے احد کی زیارت کے لئے جانے کی روایات موجود ہیں اور اپنی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت کے لئے گئے، سفر معراج میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی قبر سے گزر کا ذکر احادیث میں ہے، شب برأت میں قبرستان جانے کا خصوصی ذکر ہے۔

بڑے بڑے اماموں اور فقہاء نے زیارت قبور اور آداب قبور کے بارے میں اپنی تحریریں یادگار بنائیں جو آج اہل ایمان کے لئے سرمایہ ہیں۔ برصغیر میں اہل سنت و جماعت کے مقتدر پیشوا اور مجدد دین و ملت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ) کے فتاویٰ رضویہ اور متعدد رسالوں سے یہ تمام سرمایہ فتاویٰ رضویہ (جدید) کی جلد نہم میں یک جا کر دیا گیا ہے جو اہل علم اور اہل ذوق کے لئے گراں قدر تحفہ ہے۔

اس فقیر خادم اہل سنت (کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ) نے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین سلام اللہ علیہا و رضی اللہ عنہما کے ایمان اور ان کی عظمت و شان کے بیان کے بعد قبر کے احکام و آداب وغیرہ کے حوالے سے آیات و احادیث اور ائمہ و علماء اسلام کے اقوال بھی بلا تبصرہ و وضاحت کسی قدر تحریر کئے ہیں اور کوشش کی ہے کہ اس مختصر تحریر میں ضروری باتیں شامل ہو جائیں۔ اس تحریر میں جن احکام و مسائل کا بیان ہے ان کا خلاصہ یہ ہے:

☆ مسلمان زندہ ہو یا مردہ، وہ قابل تعظیم و تکریم ہے۔

☆ انسان کی ابتدا مٹی سے ہوئی اور اسے مٹی ہی میں بالآخر پوشیدہ ہونا ہے یعنی وفات کے بعد مسلمان کے جسم کو زمین میں دفن کرنا چاہئے۔

☆ دفن کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم کیا گیا۔

☆ مردے کو جلانا نہیں چاہئے۔

☆ موت کے بعد کی دنیا کا نام برزخ ہے جس کے معنی پردے کے ہیں۔

☆ اگر کسی جسم کو موت کے بعد جلادیا گیا یا پانی میں بہادیا گیا یا وہ جانوروں کی غذا ہو گیا تو یوں بھی وہ زمین ہی کا حصہ ہوا۔

☆ قبر کے گڑھے کا نام ہی برزخ نہیں۔

☆ قبر کے معنی دفن کی جگہ کے ہیں۔

☆ مردہ جسم کو قبر میں دفن کرنا اس کی عزت و تکریم اور اس کے لئے نعمت ہے۔

☆ مسلمان کی قبر برے ہمسایہ میں نہیں ہونی چاہئے۔

☆ قبر کو گندگی سے بچانا چاہئے۔

☆ قبر کے سرہانے پہچان اور نشانی کے لئے پتھر وغیرہ لگایا جاسکتا ہے۔

☆ بزرگوں کی قبر کے اطراف زائرین کی سہولت کے لئے عمارت بنائی جاسکتی ہے۔

☆ اولیاء، علماء اور سادات کی قبروں پر گنبد بنائے جاسکتے ہیں۔

☆ کسی کی غصب کی ہوئی زمین میں تدفین نہیں ہونی چاہئے۔

☆ اگر کوئی زمین کا مالک ہے تو اس کی رضا و اجازت کے بغیر وہاں تدفین نہیں ہو سکتی اگر ہو جائے تو مالک صرف اپنی زمین میں بنی ہوئی بے اجازت اس قبر کو وہاں سے ہٹا سکتا ہے اگر وہ نہ ہٹائے تو اس کے لئے ثواب ہے۔

☆ قبر میں دفن کر دینے کے بعد قبر کھ : جائز نہیں۔

☆ قبر کی مٹی بکھر جائے یا قبر کھل جائے تو اسے مٹی دے کر بند کرنا چاہئے۔

☆ دفن شدہ جسم (نعش) کو قبر سے نکالنا جائز نہیں۔
کسی اور جگہ دوبارہ دفنانے کے لئے بھی نعش نکالنا یا قبر کھودنا جائز اور درست نہیں یعنی امانت کے طور پر دفن کرنا شرعاً غلط ہے۔

☆ جس بات یا کام سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے اس سے مردے کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔

☆ مردوں کو اذیت پہنچانا جائز نہیں کم بختی و خرابی کا موجب ہے۔

☆ قبر پر پاؤں رکھنا، چلنا یا پشت لگا کر بیٹھنا جائز نہیں۔

☆ قبر والے سنتے ہیں، پہچانتے ہیں، سلام کا جواب دیتے ہیں۔

☆ قبرستان میں نیا راستہ چلنے کے لئے نکالا جائے تو اس پر چلنا حرام ہے اس وجہ سے کہ اس راستے کے نیچے قبریں ہوتی ہیں۔

☆ قبروں کو برابر کر کے ان کے اوپر رہائش رکھنا سخت برا ہے۔

☆ قبروں والوں کو اپنے عزیزوں اور جاننے والوں کے آنے سے انس ہوتا ہے۔

☆ قبروں کو محض مٹی کا تودہ سمجھنا غلط ہے۔

☆ زیارت قبور کے لئے سفر منع نہیں بلکہ بغیر سفر کے زیارت نہیں ہوتی۔ حدیث لاتشد الرحال الخ کو سفر زیارت سے کوئی علاقہ نہیں۔

☆ زیارت قبور کا حکم ہے، زیارت کرنی چاہئے۔

☆ عورتوں کو ان کی غلط باتوں اور عادتوں کی وجہ سے زیارت قبور سے منع کیا گیا ہے اگر وہ صبر اور حیا کی پابندی کریں تو زیارت کر سکتی ہیں۔

☆ بزرگوں کی قبروں سے برکت پانے کا عقیدہ غلط نہیں۔

☆ اللہ والوں کی قبر کو چھونا یا چومنا جائز اور سعادت ہے۔

☆ قبروں پر آگ نہیں جلانی چاہئے یعنی اگر بتی یا چراغ وغیرہ۔ اگر زائرین اور خوش بو کے لئے اگر بتی جلائی جائے تو اسے قبر کے اطراف خالی جگہ سلگایا جائے۔

☆ قبروں پر درختوں کی ترشاخیں یا تازہ پھول ڈالنا مفید اور باعث رحمت ہے۔

☆ زیارت قبور کا طریقہ یہ ہے کہ جا کر پہلے سلام کیا جائے اور قرآن کریم سے کچھ سورتیں تلاوت کر کے ایصال ثواب کیا جائے۔

☆ قبر کے سامنے نماز پڑھنا درست نہیں کوئی دیوار یا پردہ درمیان میں حائل ہو تو جائز ہے۔

☆ قبر والے کا ادب اور اس سے حیا موت کے بعد بھی باقی ہے۔

☆ موت بالکل ختم ہو جانے کا نام نہیں بلکہ دنیا سے عالم برزخ انتقال کا نام ہے۔

☆ قبروں میں بہت سے جسم محفوظ رہتے ہیں یعنی خاص لوگوں کے جسم مٹی میں گلتے سڑتے اور ختم نہیں ہوتے۔

☆ اولیاء و صلحاء کی قبور سے نفع اور فائدہ لینا جاری ہے اور بعد وفات بھی اولیاء مدد کرتے ہیں۔

قارئین کرام! فتاویٰ رضویہ (جدید) کی جلد نہم سے جو عبارات میں نے نقل کی ہیں ان عبارات پر فتاویٰ رضویہ جدید میں درج اصل کتابوں کے حوالے درج کئے ہیں۔ علاوہ ازیں میں نے کوشش کی ہے کہ ہر عبارت کے ساتھ کتاب کا نام اور صفحہ نمبر وغیرہ بھی درج کروں تاکہ اہل تحقیق اصل کتاب میں عبارت دیکھنا چاہیں تو انہیں آسانی ہو۔ غیر مقلدین اور وہابی علمائے دیوبند کی عبارات بھی تائید میں پیش کی ہیں۔ یہ فقیر اس موضوع پر کچھ برس پہلے ”مزارات و تبرکات اور ان کے فیوضات“ کے نام سے ایک کتاب ہدیہ قارئین کر چکا ہے، میرے والد گرامی علیہ الرحمہ کے رسائل درس توحید، راہ حق اور ثواب العبادات بھی اس حوالے سے نہایت عمدہ اور اہم ہیں۔ قارئین سے گزارش ہے کہ مجھ سے کوئی حوالہ نقل کرنے میں سہو ہو گیا ہو یا کوئی اور غلطی املا و عبارت میں ہوئی ہو تو ضرور آگاہ فرمائیں میں ان کا شکر گزار ہوں گا۔

فقیر! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

کراچی

ماہ محرم ۱۴۲۰ھ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

انسان کی ابتدا مٹی سے ہوئی ہے اور دنیوی زندگی کی مدت پوری ہونے کے بعد اسے مٹی ہی میں پوشیدہ کیا جاتا ہے۔ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ جل شانہ کا ارشاد ہے: **منها خلقنكم وفيها نعيدكم ومنها نخرجكم تارة اخرى** (طٰہٰ ۵۵) ہم نے زمین ہی سے تمہیں بنایا اور اسی (زمین) میں تمہیں پھر لے جائیں گے اور (قیامت کے دن) اسی زمین سے تمہیں دوبارہ نکالیں گے۔

تفسیر نور العرفان میں حضرت مولانا مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی بدایونی (م فرماتے ہیں: ”معلوم ہوا کہ بعد موت سب زمین میں ہی جائیں گے یا براہ راست اس میں دفن ہوں گے یا اس طرح کہ جل جاویں یا انہیں شیر وغیرہ کھائے پھر ان کے اجزاء اصلیہ زمین میں رہیں لہٰذا آیت پر کوئی اعتراض نہیں بلکہ جو سمندر میں ڈوب جائیں اور انہیں مچھلیاں کھالیں وہ بھی زمین میں ہی گئے کیوں کہ سمندر کا پانی بھی زمین پر ہے۔“
(ص ۵۰۲، مطبوعہ پیر بھائی کمپنی، لاہور)

جناب اشرفعلی تھانوی (م ۱۳۶۲ھ) لکھتے ہیں: ”ہم نے تم کو اسی زمین سے ابتدا میں پیدا کیا، چناں چہ آدم علیہ السلام مٹی سے بنائے گئے سو ان کے واسطے سے سب کا مادۂ بعید خاک ہوئی اور اسی میں ہم تم کو بعد موت لے جاویں گے، چناں چہ کوئی مردہ کسی حالت میں ہو لیکن آخر کو گو مدتوں بعد سہی مگر مٹی میں ضرور ملے گا اور قیامت کے روز پھر دوبارہ اسی سے ہم تم کو نکال لیں گے جیسا پہلی بار اسے پیدا کر چکے ہیں۔“
(ص ۶۲۲، تفسیر بیان القرآن، مطبوعہ تاج کمپنی لاہور و کراچی)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری فرماتے ہیں: ”حضرت آدم علیہ السلام جو ابو البشر ہیں جب ان کو مٹی سے پیدا کیا گیا تو گویا ہر انسان کا اصل مٹی ہوا اس کی وجہ یہ ہے کہ نطفہ غذا سے تیار ہوتا ہے اور غذائیں زمین سے اگتی ہیں گویا ہر شخص اپنی اصل و نطفہ

کے لحاظ سے مٹی سے پیدا کیا گیا ہے پھر مرنے کے بعد قبر میں دفن ہوتا ہے اور قیامت کے روز اسی سے نکالا جائے گا۔" (ص ۱۱۶، تفسیر ضیاء القرآن، جلد سوم، مطبوعہ لاہور)

غیر مقلد وہابی عالم جناب ثناء اللہ امرت سری فرماتے ہیں: "سنو! یہ تو کچھ مشکل ہی نہیں اسی میں سے ہم نے تم کو یعنی تمہارے باپ آدم کو پیدا کیا ہے اور اسی میں ہم تم کو بعد موت لوٹا دیتے ہیں اور اسی زمین ہی سے تم کو ایک دفعہ پھر یعنی قیامت کے روز زندہ کر کے نکالیں گے۔" (ص ۳۷۶، تفسیر ثنائی مطبوعہ ثنائی اکادمی، لاہور)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی (م ۱۲۱۶ھ) فرماتے ہیں: "یعنی تمہارے باپ آدم کو اور تمہارے جسمانی مادہ کو ہم نے زمین کی مٹی سے بنایا۔ نطفہ غذا سے پیدا ہوتا ہے پس ہر آدمی کے مادۂ تخلیق کی پیدائش زمین سے ہی ہوتی ہے۔ بغوی نے عطاء خراسانی کا قول نقل کیا ہے کہ جس جگہ آدمی دفن ہونے والا ہوتا ہے اسی جگہ کی مٹی فرشتہ لے کر نطفہ پر چھڑکتا ہے پھر اس نطفہ اور مٹی سے آدمی کا جسم بنتا ہے۔ عطاء کے قول کی دلیل وہ حدیث ہے جو حضرت عبداللہ بن مسعود سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو بچہ پیدا ہوتا ہے اس کی ناف میں وہ مٹی ضرور ہوتی ہے جس سے اس کی پیدائش ہوتی ہے پھر جب وہ اپنی بدترین عمر (بڑھاپے) کو پہنچ جاتا ہے تو جس مٹی سے اس کی تخلیق ہوتی ہے اسی کی جانب لوٹا دیا جاتا ہے اور اسی میں دفن کیا جاتا ہے۔"
(تفسیر مظہری، جلد ہفتم ص ۳۹۲، اردو ترجمہ، مطبوعہ ایچ ایم سعید کمپنی کراچی)

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی (م ۱۱۳۷ھ) تفسیر روح البیان میں فرماتے ہیں:
تاویلات نجمیہ میں ہے کہ اس سے وہ مٹی مراد ہے جو عزرائیل علیہ السلام نے بامر الٰہی آدم علیہ السلام کے لئے جملہ روئے زمین سے اٹھائی تھی...... تمہیں تمہارے باپ آدم علیہ السلام کی وساطت سے پیدا فرمایا آدم و حوا علیہما السلام کے سوا باقی جملہ آدم زادے نطفے سے پیدا ہوئے اور تمہیں موت کے بعد اسی زمین میں دفن کرائیں گے جہاں

سے تمہارا خمیر لیا گیا ہے...... اور قیامت میں تمہارے اجزاء کو جمع اور اجساد کو برابر اور روح کو حساب اور جزا و سزا کے لئے لوٹائیں گے اور دوسری بار نکالنا یوں ہوگا کہ جیسے وہ زمین میں پڑے ہیں انہیں وہاں سے باہر کیا جائے گا اس میں کسی قسم کی تجدید نہ ہوگی۔"
(ص ۳۰۹، فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان، مطبوعہ مکتبہ اویسیہ بہاول پور)

☆ قرآن کریم سے ایک اور ارشاد ربانی ملاحظہ فرمائیں، اللہ کریم فرماتا ہے: **فبعث الله غرابا يبحث فى الارض ليريه كيف يوارى سوء ة اخيه قال يويلتى اعجزت ان اكون مثل هذا الغراب فاوارى سوء ة اخى فاصبح من الندمين۔** (المائدہ ۳۱) تو اللہ نے ایک کوا بھیجا زمین کرید تا کہ اسے دکھائے کیوں کر اپنے بھائی کی لاش چھپائے۔ بولا، ہائے خرابی میں اس کوے جیسا بھی نہ ہو سکا کہ میں اپنے بھائی کی لاش چھپاتا تو پچھتاتا رہ گیا۔

حضرت مفتی احمد یار خاں صاحب نعیمی اس آیت کے تحت فرماتے ہیں: "قابیل کے سامنے دو کوے آپس میں لڑے، ان میں سے ایک نے دوسرے کو مار ڈالا پھر زندہ کوے نے اپنی چونچ اور پنجوں سے زمین کریدی، غار کر کے مرے ہوئے کوے کو اس میں رکھا اور مٹی اوپر سے ڈال دی۔" (ص ۱۷۸، تفسیر نور العرفان)

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: "اب جب (قابیل) قتل سے فارغ ہوا تو اب حیران ہے کہ لاش کو کیا کروں جس سے یہ راز پوشیدہ رہے جب کچھ سمجھ میں نہ آیا تو پھر آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوا وہاں بھیجا کہ وہ چونچ اور پنجوں سے زمین کو کھودتا تھا اور کھود کر ایک دوسرے کوے کو کہ وہ مرا ہوا تھا اس گڑھے میں دھکیل کر اس پر مٹی ڈالتا تھا تا کہ وہ کوا اس قابیل کو تعلیم کر دے کہ اپنے بھائی ہابیل کی لاش کو کس طریقہ سے چھپاوے۔ (ص ۲۳۲، تفسیر بیان القرآن)

جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: "چوں کہ اس سے پہلے کوئی انسان مرا نہ تھا اس

لئے قتل کے بعد اس (قابیل) کی سمجھ میں نہ آیا کہ (ہابیل کی) لاش کو کیا کرے آخر ایک کوے کو دیکھا کہ زمین کرید رہا ہے یا دوسرے مردہ کوے کو مٹی ہٹا کر زمین میں چھپا رہا ہے۔ اسے دیکھ کر عقل آئی کہ میں بھی اپنے بھائی کی لاش کو دفن کروں۔" (ص ۱۴۵، تفسیر عثمانی، مطبوعہ مدینہ پریس بجنور، یوپی انڈیا ۱۳۵۵ھ)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری فرماتے ہیں: "سوأۃ، شرم گاہ، چھپانے کی چیز یعنی لاش۔ کہتے ہیں کہ ہابیل پہلا شخص ہے جس نے موت کا جام پیا۔ اس لئے قابیل حیران ہو گیا کہ میں اب اس کی لاش کو کدھر کروں آخر اللہ تعالیٰ نے ایک کوے کے ذریعے اس کو دفن کرنے کا طریقہ سکھایا۔" (تفسیر ضیاء القرآن، ص ۱۹۸، ج ۱، مطبوعہ لاہور)

جناب ثناء اللہ امرت سری فرماتے ہیں: "(قابیل) ایسا مبہوت اور مخبوط الحواس ہوا کہ اسے کچھ سوجھتا نہ تھا کہ اس مردے کی لاش سے کیا کرے پھر خدا نے ایک کوا جس کے منہ میں ایک مرا ہوا کوا تھا بھیج دیا وہ زمین کو کریدنے لگا تا کہ اسے بھائی کی لاش کا چھپانا سکھا دے، بارے اسے بھی سمجھ آ گئی۔" (ص ۱۳۳ تفسیر ثنائی)

علامہ قاضی ثناء اللہ پانی پتی فرماتے ہیں: اس جگہ اراءت کا معنی ہے بتا دینا تعلیم دینا۔ دکھانا مراد نہیں ہے کیوں کہ دیکھنے میں کوے کا دفن کرنا آیا تھا، ہابیل کی لاش کو دفن کرنا اور چھپانا تو نہیں دکھایا گیا۔ سوءۃ سے مراد ہے مردہ لاش۔ مردہ لاش کو دیکھنا برا معلوم ہوتا ہے (سوءۃ کا لغوی ترجمہ برائی ہے) بعض کے نزدیک جسم کا قابل ستر حصہ مراد ہے جس کی بے پردگی جائز نہیں۔ کوے کو دفن کرنے کی تدبیر بتائی اور براہ راست قابیل کو نہیں بتائی بلکہ کوے کو رہنما بنایا۔" (ص ۴۴۴، ج ۳، تفسیر مظہری)

حضرت علامہ اسماعیل حقی فرماتے ہیں: "مروی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو قتل کیا تو اسے چٹیل میدان پر چھوڑ دیا اب اسے یہ معلوم نہیں تھا کہ اس کے ساتھ کیا کرے اس لئے کہ دنیا میں بنی آدم میں یہی (ہابیل) سب سے پہلا مردہ تھا...... اللہ تعالیٰ

نے دو کوے بھیجے اور اس (قابیل) کے سامنے آ کر لڑنے لگے ایک نے دوسرے پر حملہ کر کے اسے مار ڈالا پھر گڑھا کھود کر زمین میں دبا دیا، قابیل یہ سارا ماجرا دیکھتا رہا۔" (ص ۲۰۹، ۲۱۵۔ فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان)

☆ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے: **ثم اماته فاقبره**۔ (عبس ۲۱) پھر اسے (انسان کو) موت دی پھر قبر میں رکھوایا۔

حضرت مفتی احمد یار خاں نعیمی فرماتے ہیں: خیال رہے کہ سب سے پہلے ہابیل کی موت قابیل کے ہاتھوں واقع ہوئی۔ رب نے ایک کوے کے ذریعے اسے دفن کرنا بتایا پھر حضرت آدم علیہ السلام کی وفات پر فرشتے اولاد آدم کے پاس آئے اور جنتی کافور ہم راہ لائے اور ان کے سامنے آپ کا غسل وکفن ودفن کیا تا کہ یہ (اولاد آدم) اسے سیکھ لیں، خیال رہے کہ قبر میں دفن بھی مردہ کی عزت افزائی ہے چوں کہ انسانی ابتداء خاک ہے تو چاہئے کہ اس کی انتہا بھی خاک پر ہو، نیز بری چیزوں کو جلایا جاتا ہے قبر سے میت کی یادگار باقی رہتی ہے۔ اچھی چیز کو امانت کر کے زمین میں دفن کیا جاتا ہے لوگ اس سے فیض حاصل کرتے ہیں۔ درخت کی جڑ زمین میں، شاخیں زمین پر ہوتی ہیں۔ مکان کی بنیاد زمین میں عمارت اوپر ہوتی ہے ایسے ہی مسلمان مردے کو دفن کرنا نعمتوں میں شمار فرمایا۔" (تفسیر نور العرفان ص ۹۳۵)

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں: "پھر بعد عمر ختم ہونے کے اس کو موت دی پھر اس کو قبر میں لے گیا **کقوله تعالى فيها نعيدكم** خواہ اول ہی سے خاک میں رکھ دیا جاوے یا بعد چندے خاک میں مل جاوے۔" (ص ۱۱۲۵۔ تفسیر بیان القرآن)

جناب ثناء اللہ امرت سری فرماتے ہیں: "پھر وہ (انسان) دنیا میں زندہ رہتا ہے جب تک اس کی زندگی مقدر ہوتی ہے پھر جب ختم ہوتی ہے تو اس کو مار کر قبر میں داخل کر دیتا ہے یا جہاں کوئی مرتا ہے وہاں اس کو نظروں سے گم کر دیا جاتا ہے چاہے

جل کر راکھ کی صورت میں ہو جائے، دریا میں مچھلیوں کی غذا کی شکل میں غرض ہر طرح پروجود سے فنا کی طرف چلا جاتا ہے۔" (ص ۷۰۷، تفسیر ثنائی)

جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں: "یعنی مرنے کے بعد اس (انسان) کی لاش کو قبر میں رکھنے کی ہدایت کر دی تاکہ زندوں کے سامنے یونہی بے حرمت نہ ہو۔"

(ص ۷۶۲، تفسیر عثمانی)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری فرماتے ہیں: "جب تک اس (انسان) کی موت کا مقررہ وقت نہیں آتا ہزاروں خطرات میں بھی سلامت رہتا ہے۔ بارش کی طرح برستے ہوئے بم بھی اس کا بال بیکا نہیں کر سکتے، دشمن کی کوئی سازش اس کو گزند نہیں پہنچا سکتی اور جب صدر دفتر سے اس کی موت کا پروانہ جاری ہوتا ہے تو پھر ہزاروں محافظوں کے جھرمٹ میں سے بھی موت کا ہاتھ اسے اچک لیتا ہے۔ پھر نہ کہیں یہ بھاگ سکتا ہے۔ نہ چھپ سکتا ہے نہ خود بچ سکتا ہے اور نہ اسے کوئی بچا سکتا ہے اور پھر جہاں اس کے خالق کی مرضی ہوتی ہے وہاں اسے دفن کر دیا جاتا ہے۔ زمین کا شکم، پرندوں اور درندوں کے معدے اور قعر دریا اس کا مدفن بن سکتے ہیں۔"

(ص ۴۹۵، تفسیر ضیاء القرآن جلد پنجم)

حضرت علامہ اسمٰعیل حقی فرماتے ہیں: (پھر اسے موت دی) اس کی روح قبض کی اس کے اجل مقدر مسمی کے وقت (پھر اسے قبر میں مدفون کرایا) قبر میں مدفون ہوتا کہ پوشیدہ ہو، اس کی تعظیم و تکریم کے لئے...... ف: کشف الاسرار میں ہے کہ اسے درندوں کے لئے ایسے آوارہ نہیں پھینکا جاتا،...... یہ قبر میں دفنانا مسلمانوں کا اکرام ہے۔" (ص ۱۱۳، تفسیر فیوض الرحمٰن اردو ترجمہ روح البیان)

حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی (م ۱۲۳۹ھ) فرماتے ہیں: "اور بعد موت کے حکم گور کرنے کا جو فرمایا یہ بھی ایک بڑی نعمت ہے کہ آدمی کو ساتھ اس کے معزز و

مکرم کیا ہے...... پس گویا اشارہ فرماتے ہیں کہ مجموع امانت اور اقبار کا نعمتوں میں داخل ہے۔ نہ فرد فرد، اور یہاں پر جاننا چاہئے کہ گڑوانے کو اقبار کہتے ہیں اور گاڑنے کو قبر...... اور اللہ تعالیٰ کے حکم کرنے کی صورت مردوں کو گڑوانے کے واسطے اول بار اس طور سے واقع ہوئی ہے کہ جب قابیل نے ہابیل کو مار ڈالا اور آدمی کا مرنا دنیا میں پہلی بار وہی ہوا تھا تو قابیل کو کچھ معلوم نہ تھا کہ اس مردے کو کیا کرے تو لاچار اس کی لاش کو ایک چادر میں باندھ کر اپنے ساتھ لئے پھرتا تھا آخر کو جب اس کی لاش کے لئے پھرنے سے تھک گیا تو ایک جنگل میں غم گین ہو کر بیٹھ گیا کہ ناگاہ دو کوے آموجود ہوئے اور آپس میں لڑنے لگے یہاں تک کہ ایک کوے نے دوسرے کوے کو مار ڈالا پھر اپنے پنجوں اور چونچ سے ریت کو ادھر ادھر ہٹا کر اس مرے کوے کی لاش کو اس گڑھے میں ڈال دیا پھر وہ ریت اس پر ڈال کر خوب ایک تودہ بنا دیا۔ قابیل نے معلوم کیا کہ مردے کو اسی طور سے دفن کرنا چاہئے پس اپنے بھائی کی لاش کو بھی اسی طور سے دفن کر دیا اور قبر بنا دی پھر حضرت آدم علیہ السلام نے وفات پائی تو فرشتے آسمان سے نازل ہوئے اور ان کی اولاد کے سامنے ان کی تجہیز و تکفین کر کے قبر میں دفن کیا اس روز سے یہی طریقہ معمول ہو گیا اور یہی تعلیم الٰہی پہلی بار قابیل کی اولاد کو اس کی استعداد کے قصور کے سبب سے کوے کے واسطے سے واقع ہوئی اور حضرت آدم علیہ السلام کی اولاد کو فرشتوں کے واسطے سے تعلیم فرمائی بس یہ ایک نہایت بڑی نعمت ہے کہ اپنے بندوں پر مرحمت کی ہے۔ والا مردے کی لاش کو دوسرے جانوروں کی طرح سے گھسٹوا کے پھکوایا کرتے اور وہ لاش ادھر ادھر ماری ماری پھرتی اور جب سڑتی گلتی تو لوگ اس کی بدبو سے بھی تنگ آتے اور بدگوئیاں کرتے پھر درندے اس کے اعضا اور بند بند کو گلی کوچے میں لئے پھرتے اور ناپاک جانوروں اور مردار خور کی خوراک ہو جاتے اور ہر خاص و عام کے سامنے اس کے عیب ظاہر ہوتے اور عزت اور

تو قیر اس کی لوگوں کی نظروں میں کم ہو جاتی بس اس کی عزت اور تکریم کے واسطے یہ
بات غیب سے تعلیم فرمائی۔ اب آئے ہم اس بات پر کہ ہندو مردے جلاتے ہیں
گاڑتے نہیں اور کہتے ہیں کہ آگ ہر ناپاک کو پاک کرنے والی اور ہر بدبو کو مٹانے والی
ہے سو جن لوگوں کو سڑانا بدبو کرانا منظور ہے وے دفن کرتے ہیں اور آگ میں جلادینا
بہتر ہے۔ جواب اس کا یہ ہے کہ آگ خائن ہے جو چیز اس کو سونپو وہ کھا جاتی ہے اور
زمین امانت دار ہے جو چیز اس میں دفن کرو وہ باقی رہتی ہے بس مردے کو زمین میں
رکھنا بہتر ہے اس بات سے کہ خائن کو سونپیں، اس واسطے آدمی کی بلکہ دوسرے
جانوروں کی یہی عادت ہے کہ جس چیز کو چاہتے ہیں کہ محفوظ رکھیں جیسے مال خزانے تو
زمین میں دفن کرتے ہیں اور جب چاہتے ہیں کہ اس کو نیست و نابود کر ڈالیں تو آگ
میں جھوک دیتے ہیں اور آدمی کو اٹھنے کا انتظار اور ارواحوں کے داخل ہونے کا اپنے
چھوڑے ہوئے جسموں میں درپیش ہے بس مردے کو آگ میں جلادینا اس کے خلاف
ہے اور دوسرے یہ کہ مردے کے کمال بے قدری ہے کہ اس کو اپنے ہاتھوں سے آگ
میں جلادیں اور اس کی خاک ہوا میں اڑادیں کیوں کہ ایسا معاملہ ناکاری ناپاک چیزوں
سے کرتے ہیں اور جب کسی عمدہ پاکیزہ چیزوں کا باقی رکھنا منظور ہوتا ہے تو زمین میں
دفن کرنے کے سوا معمول نہیں اور جو کہتے ہیں کہ آگ بدبو کو دفع کرتی ہے اور زمین
اس کے برخلاف سڑاتی ہے اور بدبو کرتی ہے پس یہ بات اس وقت ہو کہ اس چیز کا پھر
نکالنا منظور ہو اور جب اس کو زمین ہی میں چھوڑنا مقصود ہے تو پھر سڑنے گلنے سے کیا
علاقہ کیوں کہ اس کا کچھ اثر زمین کے لوگوں میں ظاہر نہیں ہوتا اور باوجود اس بات کے
بھی کتنی رطوبتیں بدن کی گل سڑ کر خشک ہو جاتی ہیں اور ہاتھ پیر جوڑ بند سب اپنی شکل
وصورت پر رہتے ہیں بس ایسا ہوتا ہے جیسے آدمی اپنی زندگانی میں سوتا تھا ویسا ہی اب
بھی سوتا ہے برخلاف جلانے کے کہ آگ اس کے اندام اور شکل وصورت اور ہیئت

مجموعی کا کچھ اثر باقی نہیں رکھتی اور یہ بھی ہے کہ خلقت آدمی کی خاک سے ہے تو
موافق **کل شئی یرجع الی اصلہ** کے اس کو اپنی اصل کی طرف پہنچا دینا چاہئے
برخلاف آگ کے کہ جن و شیطان کی خلقت کا مادہ ہے پھر جب آدمی کے بدن کو موت
کے بعد اس میں جلاتے ہیں تو روح لطیف آگ کے دھویں سے مل کر شیاطین اور
جنات کے ساتھ کمال مشابہت پیدا کرتی ہے اور اسی سبب سے اکثر روحیں ان لوگوں
کی کہ جلائی جاتی ہیں بعد موت کے شیاطین کا حکم پیدا کرتی ہیں اور آدمیوں سے چمٹتی
ہیں اور ایذا دیتی ہیں پس دفن کر دینے میں اس شے کا رجوع کر دینا ہے اس کی اپنی
حقیقت کی طرف اور جلانے میں اس کے برخلاف ہے...... اور یہ بھی ہے کہ آگ سے
جلانا میت کے بدن کو پراگندہ کر دیتا ہے کہ اس کے سبب سے روح کا علاقہ بدن سے
بالکل چھوٹ جاتا ہے اور آثار اس عالم کے اس ارواح کو کم پہنچتے ہیں اور کیفیتیں اس
روح کی بھی اس عالم میں بہت کم سرایت کرتی ہیں اور جو دفن کرنے میں اجزا بدن کے
اس اپنے مقام پر سب کے سب اپنے حال پر برقرار ہو جاتے ہیں تو روح کا علاقہ بدن
سے از راہ لطف و عنایت کے بحال رہتا ہے اور زیارت کرنے والوں اور دوستوں اور
فائدہ لینے والوں کی طرف توجہ روح کی آسانی سے ہوتی ہے کہ بدن کے مکان سے
معین ہونے سے گویا روح کا مکان بھی معین ہے اور آثار اس عالم کے جیسے صدقہ اور
فاتحہ اور تلاوت قرآن مجید کی جو اس مقام پر کہ اس کے بدن کا مدفن ہے واقع ہوتی ہے
تو آسانی سے فائدہ بخشتی ہے پس جلادینا گویا روح کو بے مکان کر دینا ہے اور دفن کرنا
گویا روح کا ٹھکانہ بنا دینا ہے اور اسی واسطے ان اولیاء اللہ اور صلحاء مومنین سے کہ دفن
کئے گئے ہیں نفع اور فائدہ لینا جاری ہے اور مدد اور فائدہ بھی ان سے متصور ہے برخلاف
جلائے ہوئے مردوں کے کہ یہ چیزیں ان کے مذہب والوں کے نزدیک بھی اصلا ان
سے وقوع میں نہیں آتی ہیں حاصل کلام کا یہ ہے کہ دفن کرنے کا طریقہ آدمی کے حق

میں ایک بڑی نعمت ہے۔"

(تفسیر فتح العزیز، ص۷۶، ۷۷، مطبوعہ کتب خانہ رحیمیہ دیوبند، یوپی)

قارئین! اس تفصیل سے آپ نے جان لیا کہ انسان کو اللہ تعالیٰ نے مٹی سے بنایا اور اسی میں اسے لوٹایا جاتا ہے اور قیامت کے دن مٹی ہی سے اسے نکالا جائے گا۔ یہ بھی قرآن کریم سے معلوم ہوا کہ انسان کو موت کے بعد دفن کرنے کا طریقہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے تعلیم فرمایا گیا اور قرآن ہی سے معلوم ہوا کہ یہ انسان کی عزت ہے کہ اس کے جسم کو مرنے کے بعد زمین میں پوشیدہ کیا جاتا ہے۔

☆ مفردات میں امام راغب اصفہانی (م ۵۰۲ھ) فرماتے ہیں:

ق۔ب۔ر: (قبر) کے معنی میت کو دفن کرنے کی جگہ کے ہیں۔

علامہ ابن منظور (م ۷۱۱ھ) "لسان العرب" میں فرماتے ہیں: انسان کے مدفن کو قبر کہتے ہیں جس کی جمع قبور ہے۔ وہ فرماتے ہیں حدیث شریف میں قبرستان میں نماز پڑھنے سے منع فرمایا گیا ہے کیوں کہ اس کی وجہ ہے اور حدیث شریف میں یہ بھی فرمایا گیا ہے اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ یعنی قبرستان میں (بغیر کسی دیوار یا پردے کے) قبریں کے سامنے ہوتی ہوں تو نماز پڑھنا منع ہے، جس گھر میں نماز نہ پڑھی جائے وہ ایسا ہے جیسا قبرستان۔ وہ فرماتے ہیں قبر مسلمان کی عزت کے لئے ہے یعنی انسان کو دفن کیا جانا اولاد آدم کی تکریم ہے۔ (جلد ۱۱، ص۹، مطبوعہ بیروت ۱۴۰۸ھ)

قرآن کریم میں: ولقد کرمنا بنی آدم کے الفاظ موجود ہیں اور ہم نے اولاد آدم کو عزت دی، تو یہ عزت اس کی وفات کے بعد بھی ہے کہ اس کے مردہ جسم کی بھی بے حرمتی نہ ہو۔

جدید محققین کے تیار کردہ فرہنگ اردو دائرہ معارف اسلامیہ مطبوعہ لاہور (۱۹۷۸) کی جلد ۱۶/۱ کے ص ۲۴۲ میں ہے: "قبر (ع) جمع قبور، میت کو چھپانے کی

جگہ، مردہ انسان کا مدفن، جہاں میت کو دبا کر نگاہوں سے اوجھل کر دیا جائے۔ بقول راغب اصفہانی، مردے کا ٹھکانا اور قرار گاہ۔ امام راغب کی تعبیر سے قبر کے مفہوم میں وسعت پیدا ہو جاتی ہے اور وہ زیر زمین سے آگے بڑھ کر ہر اس مقام کو اپنے احاطے میں لے لیتی ہے جہاں مردے کو ٹھیرنے کی جگہ مل سکے خواہ وہ زیر زمین ہو یا زیر آب یا فضا میں اس کے ذرات کی تحلیل ہو، الغرض جہاں بھی مردے کا جسم یا اس کے اجزا پہنچ جائیں وہی اس کی قبر ہو جاتی ہے...... میت کو بے حرمتی سے بچانے اور اس میں رونما ہونے والا تغیرات کو نگاہوں سے اوجھل رکھنے کے لئے قبر کھودی جاتی ہے...... (کسی کی) قبر کو اس وقت تک نہیں کھودنا چاہئے جب تک مردے کی ہڈیاں باقی رہیں، البتہ کسی تحقیق کی غرض سے یا کسی چیز کے رہ جانے پر قبر کو کھودا جا سکتا ہے...... قبروں کو گندگی اور کوڑے کچرے سے صاف رکھنا چاہئے...... آخرت اور موت کی یاد تازہ کرنے نیز عبرت و نصیحت حاصل کرنے کے لئے زیارت قبور مندوب ہے۔"

جناب اشرفعلی تھانوی فرماتے ہیں:

"سوال: قبر کے معنی کیا ہیں، مردہ انسان کو کہیں غار میں ڈال دینا اسی کو قبر کہتے ہیں، اگر قبر کے یہی معنی ہیں تو گوشت خور لوگ مذکورہ بالا بغیر روح کے جسم کو کھانے سے یعنی اس مردہ جانور کے گوشت کو اپنے شکم کے غار میں رکھنے سے ان کا پیٹ بھی مردہ جانوروں کی قبر کیوں نہیں ہو سکتیں؟

الجواب:۔ قبر نام ہے عالم برزخ کا۔" (امداد الفتاوی معروف بہ فتاوی اشرفیہ، ۱۳۴۶ھ مطبوعہ مطبع مجتبائی دہلی، ص۱۶۸، جلد ۴)

کتاب "عالم برزخ" (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور کے ص ۵ پر جناب قاری محمد طیب فرماتے ہیں: "انسان دو چیزوں سے مرکب ہے، جسم اور روح، اس کا مجموعہ ہی نفس انسانی کہلاتا ہے۔ اس نفس انسانی کو طبعاً تین جہانوں سے گزرنا ہے۔ ایک دنیا جو

دارالعمل ہے، ایک آخرت جو دار القرار ہے اور ایک برزخ جو دارالانتظار ہے۔ ان تینوں جہانوں کے احکام اور ان کی نوعیت الگ الگ ہے۔

دنیا میں جسم اور جسمانی زندگی اصل ہے، روح اس کے تابع ہو کر اس کے اثرات قبول کرتی ہے۔ برزخ میں روح اور روحانی زندگی اصل ہے، جسم اس کے تابع ہو کر اس کی نعمت و مصیبت کے اثرات قبول کرتا ہے خواہ وہ اپنی ہیئت پر ہو یا بکھر جائے۔ اور آخرت روح و جسم کا مکمل امتزاج ہے جس میں ہر ایک اپنے اپنے تاثر میں مستقل ہے اور ہر ایک کا اپنا اپنا ادراک اور اپنا اپنا انتفاع ہے۔ برزخ چوں کہ دنیا اور آخرت کے بیچ میں ہے اس لئے اس کا ان دونوں جہانوں سے تعلق ہے۔ آدمی جیسے برزخ میں رہتے ہوئے آخرت کی نعیم و جحیم کا مشاہدہ کرتا ہے، روحانی طور پر ان سے متلذذ یا متألم ہوتا ہے اور مدبرات آخرت کی زیارت سے بھی مشرف ہوتا ہے، ایسے ہی برزخ میں رہتے ہوئے دنیا کی معلومات سے بھی حسب حیثیت و مرتبہ مستفید ہوتا ہے، دنیا والوں کے اعمال خیر یعنی دعا و ایصال ثواب، افاضہ باطنی اس تک پہنچتے ہیں حتی کہ وہ اہل دنیا کی زیارت سے بھی منتفع ہوتا ہے، پھر خود بھی اپنے اس قسم کے تصرفات، دعا اور ہمت باطن سے افاضہ انوار و کیفیات حتی کہ اپنی ملاقات و زیارت کا بھی انہیں موقع دیتا ہے جس کے لئے نصوص شرعیہ موجود ہیں۔"

(اس موضوع پر مزید تفصیل امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" کی جلد چہارم میں دیکھی جاسکتی ہے۔)

☆ فتاویٰ دارالعلوم دیوبند (مدلل و مکمل) مطبوعہ دارالاشاعت، اردو بازار، کراچی، مئی ۱۹۸۶ء جلد پنجم میں ہے کہ: "بلا ضرورت نعش کو قبر سے نکالنا بھی ممنوع ہے اور نماز دوبارہ پڑھنا بالکل غیر مشروع ہے، ہرگز درست نہیں اور یہ (نعش کو قبر سے نکالنے کا) فعل بہت برا ہے۔" (ص ۴۱۳)

"دفن کرنے کے بعد شرعاً نکالنا میت کا قبر سے اور دوسری جگہ دفن کرنا درست نہیں ہے۔" (ص ۴۰۳)

اسی فتاویٰ میں سوال نمبر ۳۰۴۵ کا عنوان ہے "مٹی ہوئی قبر کو تازہ کرنا کیسا ہے؟" اس کے تحت سوال ہے: "مولانا عبدالرحمٰن صاحب نے عارضہ طاعون میں رحلت کی، ۲۲ صفر ۱۳۳۶ھ میں۔ اب مولوی صاحب کے والد نے قبر کھدوائی اور کہا کہ نہ کفن ہے نہ ہڈی ہے از سر نو خالی قبر بنا کر تیار کر دی، آیا خالی قبر پر فاتحہ پڑھنا درست ہے یا نہیں؟ ڈیڑھ سال میں مردہ کی کیا حالت ہو جاتی ہے؟ ایسا کرنے میں کچھ گناہ تو نہیں ہے؟

الجواب:۔ یہ ظاہر ہے کہ اس قدر عرصہ تک مردہ کی ہڈی او جسم اور کفن کہاں رہ سکتا ہے، سب خاک ہو جاتا ہے اور چوں کہ قبر مولوی صاحب کی وہی تھی جس میں وہ دفن ہوئے تھے اگرچہ وہ خاک ہو گئے تو اس کی نشانی کی تجدید بغرض علامت اور سلام و فاتحہ خوانی کے درست ہے۔"

اس فتاویٰ کے مرتب حاشیہ میں لکھتے ہیں۔ "و فی شرح المنیة عن منیة المفتی المختار انه لایکره التطیین (ردالمحتار باب صلاۃ الجنائز ص ۸۳۹) قوله وبزیارة القبور ای لاباس بها بل یندب۔ ص ۸۴۳/۱ (محمد ظفر الدین)"۔ (ص ۳۹۶)

ص ۳۸۸ پر ہے: "سوال (۳۰۲۶) اگر بوجہ عذر کے مردہ کو تابوت میں رکھ کر گھر میں دفن کرے اور بعد میں زائل ہونے عذر کے اس تابوت کو نکال کر دوسری جگہ دفن کرنا جائز ہے یا نہیں؟

الجواب: دفن کے بعد میت کو یا اس کے تابوت کو قبر سے نکالنا درست نہیں ہے ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا لحق ادمی کان تکون الارض مغصوبة او

اخذت بشفعة۔"

"اخراج المیت عن القبر بعد الدفن درست نہیں۔" (ص ۳۸۷)

ص ۳۷۴ میں عنوان ہے: "دفن کے بعد مردہ نہیں نکالا جاسکتا۔"

"سوال (۲۹۹۶): قبر سے مردہ کسی صورت میں نکالا جاسکتا ہے یا نہیں؟ اگر نکالا جائے تو وہ کیا مجبوری ہوگی؟"

الجواب: در مختار میں ہے ولا یخرج منه بعد اهالة التراب الا الحق ادمی کان تکون الارض مغصوبة او اخذت بشفعة ویخیر المالك بین اخراجه و مساواته بالارض کما جاز زرعه والبناء علیه اذا بلی وصار توابا۔ (الدر المختار علی ہامش رد المحتار باب صلاۃ الجنائز ص ۸۴۰/۱) اس کا حاصل یہ ہے کہ میت کو قبر سے بعد مٹی ڈالنے کے نہ نکالا جاوے مگر حقوق عباد کی وجہ سے مثلاً زمین مغصوبہ اور غیر کی زمین میں بدون مالک کی اجازت کے دفن کر دیا جاوے الخ سو مالک کو اختیار ہے کہ میت کو نکلوادے یا زمین کو برابر کر دے اور نشان قبر کا نہ کرنے دے الخ پس یہی جواب ہے سوال مذکور کا۔"

"سوال: (۳۰۱۵) جو قبر بیٹھ جائے یا گر جائے اس کو پوری قبر از سر نو تیار کراتے ہیں، یہ شرعاً جائز ہے یا ناجائز؟

الجواب: اس میں کچھ حرج نہیں۔ (ص ۳۸۴)

"دیدہ و دانستہ پرانی قبر کو بحالت موجودگی میت کے بدون کے کھودنا جائز نہیں۔" (ص ۳۸۵)

☆ "سوال (۳۰۲۹): قبر کو پختہ بنانے اور ان پر قبہ وغیرہ بنانا احادیث سے ثابت ہے یا نہیں اور ایک بالشت کے برابر اگر بطور آثار بنادی جائے تو اس میں کچھ حرج تو نہیں؟ حضور ﷺ کا روضہ مبارک کب سے بنایا گیا ہے اور بنے ہوئے کو گرانا کیسا ہے؟

الجواب:۔ قبر کو پختہ بنانے اور اس پر کچھ بنانے کی ممانعت حدیث شریف میں آئی ہے حدیث کے الفاظ یہ ہیں: **نهی رسول الله ﷺ عن تجصیص القبور و ان یکتب علیها و ان یبنی علیها۔** (رواہ مسلم) اور شامی میں نقل کیا ہے **وقیل لا یکره البناء اذا کان المیت من المشائخ والعلماء والسادات۔**" (اور کہا گیا کہ ہرگز ناپسندیدہ نہیں جب کہ میت مشائخ وعلماء اور سادات کی ہو۔ یعنی ان کی قبروں پر گنبد یا عمارت بنانا مکروہ نہیں)۔

"قبور کے انہدام کا حکم فقہاء رحمہم اللہ نے کہیں نہیں کیا اور بعض آثار سے ثبوت قبہ کا معلوم ہوتا ہے چناں چہ منقول ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علی نبینا وعلیہ السلام کی قبر پر پہنچے اور وہاں دو رکعت نفل پڑھی اور انہدام قبہ کا حکم نہیں فرمایا لہٰذا یہ فعل انہدام قبات کا جس نے کیا اچھا نہ کیا اور قبر پر کوئی علامت رکھنا خود آں حضرت ﷺ کے فعل سے ثابت ہے **کما ورد فی الصحاح (اخرجه ابوداؤد باسناد جید ان رسول الله ﷺ حمل حجرا فوضعه عند راس عثمان بن مظعون وقال اتعلم به قبر اخی وادفن الیه من مات من اهلی۔** (جیسا کہ صحیح احادیث میں آیا ہے ابوداؤد نے اچھی اور مضبوط اسناد کے ساتھ بیان کیا کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون (م ۲ھ) کی قبر کے سرہانے پتھر لگایا اور فرمایا اس سے ہمارے بھائی کی قبر کی شناخت ہوگی اور یہاں اپنے گھر والوں میں سے وفات پانے والے کو دفن کریں گے) اور اثر حضرت عمر سے معلوم ہوا کہ ان کے زمانہ میں بھی وجود قبہ کا تھا۔ والتفصیل فی کتب السیر"۔ (ص ۳۸۹۔ مراۃ الجنان الیافعی، ص ۱۰/۱)

جناب اشرفعلی تھانوی نے "التکشف" کے ص ۲۳۸ پر اس حدیث کو نقل کیا اور لکھا کہ زیارت وفاتحہ خوانی اور پہچان کے لئے قبر پر علامت لگانے میں کچھ حرج نہیں۔

غیر مقلدوں کے جناب ثناء اللہ امرت سری کے فتاویٰ ثنائیہ ج ۲ کے ص ۳۰ پر ہے: "سوال: قبر پر میت کا نام اور وفات تاریخ سنگ مرمر کے پتھر پر کندہ کروا کر قبر پر بطور یادداشت کے گاڑنا از روئے قرآن وحدیث جائز ہے یا نہیں؟

جواب:۔ آں حضرت ﷺ نے ایک پتھر ایک صحابی کی قبر پر رکھ کر فرمایا تھا اس لئے رکھتا ہوں یہ قبر پہچان لیا کروں۔ پتھر پر نام میت لکھوا کر سرہانے کی طرف کھڑا کر دیا جائے تو میرے خیال میں منع نہیں۔ مدینہ شریف کے قبرستان میں آج تک بھی امام مالک رحمتہ اللہ علیہ کی قبر پر اسی طرح کا ایک پتھر یا لکڑی کی تختی کھڑی ہے۔
(۱۳ مئی ۳۰)"

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ کی مشہور کتاب "احیاء علوم الدین" کا اردو ترجمہ جناب محمد احسن نانوتوی نے "مذاق العارفین" کے نام سے کیا۔ جو مطبع نول کشور لکھنؤ سے طبع ہوا، اس کی جلد چہارم میں ص ۶۲۸ پر یہ عنوان ہے: "تیسرا بیان چند نوشتوں کے بیان میں جو قبروں پر لکھے ملے۔" دار الفکر، بیروت سے طبع شدہ عربی کتاب، احیاء علوم الدین جلد چہارم کے ص ۵۱۹ پر یہ عنوان یوں ہے: "ابیات وجدت مکتوبة علی القبور۔"

مزید ملاحظہ فرمائیں: مجمع بحار الانوار جلد سوم میں ہے: سلف نے اہل فضل، اولیاء اور علماء کی قبروں پر عمارت بنانا، مباح (جائز) قرار دیا ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کریں اور اس میں آرام پائیں۔ (مطبوعہ لکھنؤ ص ۱۴۰/۳)

علامہ طاہر فتنی (م ۹۸۶ھ) فرماتے ہیں: "وقد اباح السلف ان یبنی علی قبر المشائخ والعلماء المشاهیر لیزورهم الناس ویستریحو بالجلوس فیه۔ سلف نے مشہور علماو مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانے کی اجازت دی ہے تاکہ لوگ ان کی زیارت کو آئیں اور اس (عمارت) میں بیٹھ کر آرام پائیں۔" (مطبوعہ نول کشور،

لکھنؤ، ص ۱۸۷/۲)

ملا علی قاری (م ۱۰۱۴ھ) نے بھی اسی طرح ذکر فرمایا اور کتاب، "مطالب المومنین" میں ہے کہ سلف نے مشہور علماء و مشائخ کی قبروں پر عمارت بنانا مباح رکھا ہے تاکہ لوگ زیارت کریں اور اس میں بیٹھ کر آرام لیں لیکن اگر زینت کے لئے عمارت بنائیں تو حرام ہے۔ مدینہ منورہ میں صحابہ کرام کی قبروں پر اگلے زمانے میں قبے (گنبد) تعمیر کئے گئے ہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت جائز قرار دینے سے ہی یہ ہوا۔

حضرت شیخ محقق شاہ عبد الحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۰۵۲ھ) نے مدارج النبوۃ میں مطالب المومنین سے نقل کیا ہے کہ سلف نے مشہور مشائخ و علماء کی قبروں پر قبے تعمیر کرنا جائز و مباح رکھا ہے تاکہ زائرین کو آرام ملے اور اس کے سائے میں بیٹھ سکیں۔ اسی طرح مفاتیح شرح مصابیح میں بھی ہے اور مشاہیر فقہا میں سے اسمٰعیل زاہدی نے بھی اسے جائز قرار دیا۔

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی اپنی کتاب "جاء الحق" مطبوعہ گجرات کے ص ۲۹۲ پر فرماتے ہیں: "منتقی شرح موطا امام مالک (م ۱۷۹ھ) میں ابو عبد سلیمان علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: وضربه عمر علی قبر زینب بنت جحش و ضربته عائشه علی قبر اخیها عبد الرحمن وضربه محمد ابن الحنفیة علی قبر ابن عباس وانما کرهه لمن ضربه علی وجه المسعة والمباهة۔ حضرت عمر نے (ام المومنین) زینب بنت جحش (م ۲۰ھ) کی قبر پر قبہ (گنبد) بنایا اور حضرت عائشہ صدیقہ نے اپنے بھائی عبد الرحمٰن (م ۵۳ھ) کی قبر پر قبہ بنایا اور محمد بن حنفیہ (م ۸۱ھ) (ابن حضرت علی) نے ابن عباس کی قبر پر قبہ بنایا (رضی اللہ عنہم) اور جس نے قبہ بنانا مکروہ کہا ہے تو اس کے لئے کہا ہے جو فخر و ریا (دکھاوے) کے لئے بنائے۔ بدائع الصنائع جلد اول اور عینی شرح بخاری میں بھی ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی قبر پر قبہ بنانے کا تذکرہ ہے۔

واضح رہے کہ یہ گنبد اس لئے نہیں بنائے جاتے کہ قبر پر سایہ ہو بلکہ وہاں آنے والے زائرین کی سہولت و آرام کے لئے بنائے جاتے ہیں۔

تفسیر روح البیان میں **انما یعمی مسجد الله** کے تحت ہے: **فبنات قبات علی قبور العلماء والاولیاء والصلحاء امر جائز اذا کان القصد بذلك التعظیم فی اعین العامة حتی لایحتقر صاحب هذا القبر۔** علماء واولیاء وصلحاء کی قبروں پر گنبد وغیرہ بنانا، جائز کام ہے جب کہ اس کا مقصد لوگوں کی نگاہوں میں عظمت پیدا کرنا ہو تا کہ لوگ اس قبر والے کو حقیر (کم تر) نہ جانیں۔"

جناب اشرفعلی تھانوی کی کتاب بوادر النوادر کے ص ۳۵۰ (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور ۱۹۸۵ء) اور کمالات اشرفیہ ص ۳۸۸ (مطبوعہ مکتبہ تھانوی)، کراچی میں ہے:

"سوال: آج اخبار الجمعیۃ میں ایک مضمون سید سلیمان ندوی صاحب کا میری نظر سے گزرا جس میں سید صاحب موصوف نے تحریر فرمایا ہے کہ نجدیوں کے دست تظلم سے بعض مزارات و موالد کی تخریب جو بعض اخباروں میں شائع کی گئی ہے اول تو وہ پایہ ثبوت کو نہیں پہونچی، دوسرے مزارات و موالد مذکور اصلی نہیں بلکہ خلفاء بنی امیہ و عباسیہ کے تعمیر کردہ ہیں اور ان کے منہدم کرنے میں کوئی مضائقہ نہیں تیسرے ان مقامات پر بدعاتی رسوم جاری ہیں جن کا انسداد ضروری ہے، چوتھے ان قبور میں مساجد کے ساتھ مماثلت پائی جاتی ہے اگر یہ توضیح درست ہے تو کیا سرور کائنا ت ﷺ کا قبہ شریف اس حد میں نہیں آتا اور اگر آتا ہے تو کیا اس کے ساتھ بھی ایسا سلوک جائز ہے؟ جواب باصواب سے مطلع فرمایا جائے۔

الجواب: **سید القبور یعنی قبر سید اهل القبور ﷺ مااختلف القبول والدبور** کا قیاس دوسری قبور پر **قیاس مع الفارق** ہے۔ حدیثوں میں منصوص ہے کہ

آپ کا دفن کرنا موضع وفات ہی میں مامور بہ ہے اور موضع وفات ایک بیت تھا جو جدران و سقف پر مشتمل تھا اس سے معلوم ہوا کہ آپ کی قبر شریف پر جدران و سقف کے مبنی ہونے کی اجازت ہے اور **بناء علی القبر** سے جو نہی آئی ہے وہ وہ ہے جہاں **بناء للقبر** ہو اور یہاں ایسا نہیں۔ اب رہا اس کا بقاء یا ابقاء سوچوں کہ بعد دفن کے خلفاء راشدین میں سے کسی نے اس بناء کے بقاء پر نکیر نہیں فرمایا بلکہ ایک موقع پر استسقاء کی ضرورت شدیدہ سے صرف سقف میں ایک روشن دان کھولا گیا تھا جس سے اس بناء کا مشروع ہونا بھی معلوم ہو گیا اور ظاہر ہے کہ بقاء ایسی اشیاء کا بدون اہتمام ابقاء کے عادۃ ممکن نہیں اس لئے اہتمام ابقاء کی مطلوبیت بھی ثابت ہو گئی اور چوں کہ عمارت کا استحکام **ادخل فی الابقاء** ہے اس لئے اس کی مقصودیت بھی ثابت ہو گئی خصوص جب اس میں اور مصالح شرعیہ بھی ہوں مثلاً حضور اقدس ﷺ کے جسد مطہر کو اعداء دین سے محفوظ رکھنا کہ ان کا تسلط (**نعوذ بالله منه**) یقیناً مفوت احترام ہے اور جسد مبارک کے احترام کا مقصود ہونا اصلی بدیہیات سے ہے اور اسی حکمت پر علماء اسرار نے آپ کی سہادت جلیہ کے انتفاء کو مبنی فرمایا ہے اور مثلاً آپ کی قبر معطر کو عشاق کی نظر سے مستور رکھنا کہ اس کا نظر آنا غلبہ عشق میں محتمل تھا **افضاء الی التجاوز عن الحدود الشرعیه** کو جیسا مرض وفات میں کئی وقت کے بعد حضور ﷺ کا چہرۂ انور دیکھ کر قریب تھا کہ نماز کا اہتمام ہی درہم برہم ہو جائے جس کا فوٹو حضرت شیخ سعدی رحمتہ اللہ علیہ نے اس شعر میں کھینچا ہے ؎

در نمازم خم ابروئے تو چوں یاد آمد
حالتے رفت کہ محراب بہ فریاد آمد

اور یہ دونوں امر (جو کہ **حافظ للمصالح الشرعیه** ہونے کے سبب مقصود ہیں (بدون بقاء بناء کے خاص اہتمام و استحکام کے محفوظ نہیں رہ سکتے اس لئے مقدمہ

مقصود ہونے کے سبب یہ اہتمام بھی مقصود ہو گیا۔ نیز قبر منور ایسے موقع پر ہے کہ اس کے پیچھے مسجد کا حصہ ہے بدون حائل کے قبر کی طرف سجدہ واقع ہوتا ہے تو اس بناء میں حیلولۃ کی بھی مصلحت ہے پس ثابت ہو گیا کہ **ایکم مثلی** کی طرح **قبر ایکم مثل قبری** کا بھی حکم کیا جاوے گا۔ ۲۰ صفر ۱۳۴۴ھ"

افاضات یومیہ، حصہ ہفتم، (مطبوعہ اشرف المطابع تھانہ بھون ۱۹۴۱ء) کے ص ۱۹۰ میں ہے، جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

"ہمارے معزز دوست نواب جمشید علی خان نے بھی یہ سوال لکھ کر بھیجا کہ حدیث میں قبر پر عمارت بنانے کی ممانعت تو معلوم ہے تو کیا اس حدیث کی رو سے حضور کے گنبد شریف کا شہید کر دینا بھی واجب ہے؟ چوں کہ **بناء علی القبر** کی حدیث میں ممانعت ہے اس لئے اول تو میں متحیر ہوا کہ یا اللہ کیا جواب دوں کیوں کہ اس کے تو سوچنے سے بھی ذہن اباء کرتا تھا کہ **نعوذ باللہ** حضور کے گنبد شریف کو شہید کر دینے کے متعلق فتویٰ دیا جائے یہ تو کسی صورت میں ذوقاً گوارا ہی نہیں تھا لیکن اس حدیث کے ہوتے ہوئے تحیر ضرور تھا کہ اس کی کیا توجیہ ہو سکتی ہے۔ اسی پریشانی میں تھا کہ اللہ تعالیٰ نے دستگیری فرمائی۔ فوراً سمجھ میں آیا کہ اس حدیث میں صرف **بناء علی القبر** کی ممانعت ہے **قبر فی البناء** کی تو ممانعت نہیں اور حضور کی قبر شریف ابتداء ہی سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حجرے کے اندر ہے جو قبر شریف سے پہلے ہی کا بنا ہوا ہے قبر کے بعد تو اس پر کوئی عمارت نہیں بنائی گئی لہٰذا اس حدیث کا حضور کے گنبد شریف سے کوئی تعلق نہیں، نہ وہ اس ممانعت میں داخل ہے۔"

☆ قارئین نے اس تفصیل سے کئی مسائل جان لئے اور یہ بھی جان لیا کہ موت دراصل جسم سے روح کی مفارقت کے لحاتی مرحلے کا نام ہے اور موت کے بعد کی دنیا "برزخ" کہلاتی ہے اور برزخ کے معنی پردے کے ہیں یعنی جسم بصورت میت نظر

بھی آتا ہو مگر مردہ برزخ کے حال میں ہے، عام لوگوں کی نگاہوں سے اس کا حال پوشیدہ ہے۔ موت کے یہ معنی نہیں کہ انسان محض نیست و نابود ہو جاتا ہے، علامہ مناوی (م ۱۰۳۱ھ) کی التیسیر شرح جامع صغیر مطبوعہ الریاض ص ۳۰۳/۱ میں ہے:

الموت لیس بعدم محض والشعور باق حتی بعد الدفن حتی انه یعرف زائره۔ موت بالکل عدم نہیں اور شعور باقی ہے یہاں تک کہ بعد دفن بھی یہاں تک کہ اپنے زائر (زیارت کرنے والے) کو پہچانتا ہے۔ فتاویٰ عزیزی جلد دوم ص ۲۶۲ میں ہے: "اور اموات کے پاس جو شخص جاتا ہے اور دعا کرتا ہے اور کلام کرتا ہے تو ان اموات کو یہ سب معلوم ہوتا ہے اس واسطے کہ ان کے حواس باقی رہتے ہیں۔"

امام ابن ماجہ (م ۲۷۳ھ) کے استاد امام ابو بکر عبد اللہ بن محمد بن عبید ابن ابی الدنیا (م ۲۸۱ھ) روایت کرتے ہیں امام اجل بکر بن عبد اللہ مزنی (م ۱۰۸ھ) سے کہ انہوں نے فرمایا: مجھے حدیث پہنچی کہ جو شخص مرتا ہے اس کی روح ملک الموت کے ہاتھ میں ہوتی ہے لوگ اسے غسل و کفن دیتے ہیں اور وہ دیکھتا ہے کہ اس کے گھر والے کیا کرتے ہیں وہ ان سے بول نہیں سکتا کہ انہیں شور و فریاد سے منع کرے (شرح الصدور ص ۳۹) یعنی مردے جواب تو دیتے ہیں خواہ اسے زندہ نہ سن پائیں۔ چناں چہ صحیح بخاری و صحیح مسلم میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ (م ۷۴ھ) سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: جب جنازہ رکھا جاتا ہے اور مرد اسے اپنی گردنوں پر اٹھاتے ہیں، تو اگر (وفات شدہ) نیک ہوتا ہے کہتا ہے مجھے آگے بڑھاؤ (یعنی جلد لے چلو) اور اگر بد ہوتا ہے (تو) کہتا ہے ہائے خرابی اس کی کہاں لئے جاتے ہو۔ ہر شے اس کی آواز سنتی ہے سوائے انسان کے اور اگر انسان سنے تو بے ہوش ہو جائے۔ (بخاری ص ۱۷۶/۱)

صحیح مسلم شریف ص ۷۶/۱ میں ہے حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ (م ۴۳ھ) نے اپنے فرزند حضرت عبد اللہ (م ۶۵ھ) سے حالت نزع میں فرمایا جب مجھے

دفن کر چکو تو مجھ پر تھم تھم کر آہستہ آہستہ مٹی ڈالنا پھر میری قبر کے گرد اتنی دیر ٹھیرے رہنا کہ (جتنی دیر میں) ایک اونٹ ذبح کیا جائے اور اس کا گوشت تقسیم ہو یہاں تک کہ میں تم سے انس حاصل کروں اور جان لوں کہ اپنے رب کے بھیجے ہوئے (فرشتوں) کو کیا جواب دیتا ہوں۔ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی شرح مشکوٰۃ میں اس حدیث کو بیان کر کے لکھتے ہیں "جب مجھے دفن کرنا تو مجھ پر نرمی و سہولت سے یعنی ذرا ذرا (تھوڑی تھوڑی) کر کے مٹی ڈالنا، یہ اشارہ ہے اس بات کا کہ مردے کو احساس ہوتا ہے کہ اور جس چیز سے زندہ کو درد و تکلیف ہوتی ہے اس سے میت کو بھی ہوتی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ص ۲۹۷/۱)۔ المصنف امام عبدالرزاق (م ۲۱۱ھ)، مطبوعہ بیروت ص ۴۳۷/۳ میں ہے کہ ام المومنین سید عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا نے دیکھا کہ ایک (مردہ) عورت کے سر میں کنگھی کی جارہی ہے تو فرمایا کیوں اپنے مردے کی پیشانی کے بال کھینچتے ہو یعنی اسے کیوں تکلیف دیتے ہو؟

اس تفصیل میں قبر بنانے اور دفن کے بعد میت کی قبر کو اکھاڑنے کی ممانعت بھی قارئین نے ملاحظہ فرمائی اور قبر پر عمارت بنانے کے حوالے سے بھی علمائے دیوبند کے فتویٰ میں ملاحظہ فرمایا کہ علامہ شامی نے سادات اور علماء و مشائخ کے مقابر پر قبہ (گنبد) وغیرہ بنانے کو مکروہ (ناپسندیدہ) نہیں فرمایا اور رسول کریم ﷺ کے مبارک گنبد شریف کے بارے جناب اشرفعلی تھانوی کے دو فتوے بھی ملاحظہ فرمائے۔ قبر اور اس سے متعلقہ مسائل و احکام کے بارے میں تمام مکاتب فکر کے علماء سے تمام تفصیل نقل کی جائے تو پوری الگ ضخیم کتاب ہو جائے، تاہم چند ضروری باتیں مختصراً پیش کر رہا ہوں، قارئین ملاحظہ فرمائیں:

☆ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ اس حوالے سے اپنی کتاب "اہلاک الوہابیین علی توہین قبور المسلمین ۱۳۲۲ھ" اور

اپنے فتاویٰ رضویہ میں جو کچھ تحریر فرماتے ہیں اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں علمائے کرام کا اتفاق ہے کہ مسلمان کی عزت مردہ و زندہ برابر ہے۔ محقق علی الاطلاق رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ (م۸۵۱ھ) فتح القدیر میں فرماتے ہیں: **الاتفاق علی ان حرمة المسلم میتا کحرمة حیا۔** اس بات پر اتفاق ہے کہ مردہ مسلمان کی عزت و حرمت زندہ مسلمان کی طرح ہے۔ (ص ۱۰۲/۲)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **کسر عظم المیت واذاہ ککسرہ حیا۔** مردے کی ہڈی کو توڑنا اور اسے ایذا پہنچانا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی ہڈی توڑنا۔ اسے امام احمد اور ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بسند حسن ام المومنین حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے روایت کیا۔ یہ حدیث مسند الفردوس میں ان لفظوں سے ہے، رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں: **المیت یؤذیه فی قبرہ ما یؤذیه فی بیته۔** مردے کو قبر میں بھی اس بات سے ایذا ہوتی ہے جس سے گھر میں اسے اذیت ہوتی ہے۔ (ص۱۹۹/۱۔ الدرۃ الفاخرہ فی کشف علوم الآخرۃ، امام غزالی، ص ۱۱۲)

فتاویٰ ثنائیہ ج ۲، ص ۴۹ میں بھی ہے کہ مسلم مردہ کی ہڈی کا احترام لازم ہے اور یہی حدیث بیان کی گئی ہے۔

علامہ مناوی، فیض القدیر شرح الجامع الصغیر، مطبوعہ بیروت ص ۵۵۱/۴ میں فرماتے ہیں **افاد ان حرمة المومن بعد موته باقیة۔** اس حدیث شریف سے معلوم ہوا کہ مسلمان کی عزت و حرمت بعد موت کے بھی ویسے ہی باقی ہے۔

سیدنا عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۳۲ھ) فرماتے ہیں: **اذی المومن فی موته کاذاہ فی حیاته۔** مسلمان مردہ کو ایذا دینا ایسا ہے جیسے زندہ کو، اسے ابوبکر بن ابی شیبہ نے روایت کیا، ردالمحتار اور دیگر معتمد کتب میں ہے، علماء فرماتے ہیں: **المیت یتاذی بما یتاذی به الحی۔** جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے

مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں۔ (ردالمحتار مطبوعہ مصر ص ۱/۲۲۹)

علامہ ابو عمر یوسف بن عبداللہ بن محمد ابن عبدالبر (م ۴۶۳ھ) سے حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی علیہ الرحمہ نقل فرماتے ہیں: یہاں سے فائدہ حاصل ہونے والی بات یہ ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو درد والم پہنچتا ہے ان سب سے مردہ کو بھی الم پہنچتا ہے اور یہ لازم ہے کہ جن چیزوں سے زندہ کو لذت حاصل ہو ان تمام چیزوں سے میت کو بھی لذت حاصل ہوتی ہے۔ (اشعۃ اللمعات، ص ۱/۲۹۶)

فتاویٰ نذیریہ ج ۱ کے ص ۶۵۲ میں غیر مقلدوں کے "شیخ الکل فی الکل" بھی فرماتے ہیں: "جن چیزوں سے زندہ کو تکلیف ہوتی ہے مردے کو بھی تکلیف ہوتی ہے۔" ص ۶۵۱ پر فرماتے ہیں: "رسول ﷺ نے فرمایا میت کی ہڈی توڑنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ آدمی کی ہڈی توڑنا، یعنی ان دونوں کا گناہ برابر ہے۔ طیبی نے کہا میت کی توہین کرنا ایسا ہی ہے جیسے زندہ کی توہین کرنا۔ ابن مالک نے کہا میت بھی اسی طرح دکھ محسوس کرتی ہے جیسے زندہ۔ عبداللہ بن مسعود نے کہا میت بھی تکلیف محسوس کرتی ہے اور جیسے زندہ آدمی لذت محسوس کرتا ہے میت بھی کرتی ہے۔"

☆ ہمارے علماء نے یہاں تک تصریح فرمائی کہ قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں آدمیوں کو چلنا حرام ہے۔ (ردالمحتار مطبوعہ مصر، ص ۱/۲۲۹) اور فرماتے ہیں کہ مقبرے کی گھاس کاٹنا مکروہ (ناپسندیدہ) ہے کیوں کہ جب تک وہ تروتازہ رہتی ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کرتی ہے اس سے اموات کا دل بہلتا ہے اور ان پر رحمت الٰہی کا نزول ہوتا ہے۔ ہاں خشک (سوکھی) گھاس کاٹنا جائز ہے مگر وہاں سے تراش کردہ گھاس جانوروں کے پاس لے جائیں، جانوروں کو قبرستان میں گھاس چرنے کے لئے چھوڑنا منع ہے۔
(فتاویٰ ہندیہ، مطبوعہ پشاور، ص ۲/۶۷۱)

ابوداؤد (م ۲۷۵ھ)، نسائی (م ۳۰۳ھ) اور طحاوی وغیرہ ہم نے بشیر بن

خصاصیہ سے روایت کی اور لفظ امام حنفی کے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک شخص کو قبروں کے درمیان جوتیاں پہن کر چلتے ہوئے دیکھا تو فرمایا، کم بختی تیری، اے جوتیوں والے، اپنی جوتیاں اتار دے۔ (شرح معانی الآثار، مطبوعہ کراچی ص ۱/۳۴۲۔ فتاویٰ نذیریہ میں بھی یہ روایت درج ہے)

نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: لان یجلس احدکم علی جمرة فتحرق ثیابه حتی تخلص الی جلده خیرله م ان یجلس علی قبر۔ (سنن ابی داوٗد، ص ۲/۱۰۴) بے شک آدمی کو آگ کی چنگاری پر بیٹھا رہنا یہاں تک کہ وہ اس کے کپڑے جلا کر جلد (کھال) تک توڑ جائے اس کے لئے بہتر ہے اس سے کہ قبر پر بیٹھے۔ اسے مسلم اور ابوداؤد اور نسائی اور ابن ماجہ نے حضرت سیدنا ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت کیا۔

طحاوی نے معانی الآثار میں اور طبرانی نے معجم کبیر میں بسند حسن اور حاکم اور ابن مندہ نے عمارۃ بن حزم سے روایت کی کہ: قال رانی رسول الله ﷺ جالسا علی قبر فقال یا صاحب القبر انزل من علی القبر لا توذی صاحب القبر ولا یوذیك ولفظ امام الحنفی فلا یوذیك۔ مجھے رسول اللہ ﷺ نے ایک قبر پر بیٹھے دیکھا تو فرمایا، اے قبر پر بیٹھنے والے قبر سے اتر آ، نہ تو قبر والے کو ایذا و تکلیف دے اور نہ وہ تجھے ایذا دے اور امام حنفی کے لفظ یہ ہیں فلا یوذیك پس وہ تجھے تکلیف نہ دے۔

امام احمد رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے اپنی مسند میں یوں روایت کیا، عمرو بن حزم (م ۵۳ھ) کو نبی پاک ﷺ نے ایک قبر سے تکیہ لگائے دیکھا تو فرمایا لا تؤذوا صاحب القبر۔ صاحب قبر کو ایذا نہ دے۔ (مشکوٰۃ، مطبع دہلی ص ۱/۱۴۹)

شیخ محقق حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ شرح مشکوٰۃ میں فرماتے ہیں: شاید مراد یہ ہے کہ اس (قبر والے) کی روح ناراض ہوتی ہے اپنی قبر پر تکیہ

لگانے کی وجہ سے توہین محسوس کرتی ہے۔ (اشعۃ اللمعات ص ۶۹۹، ج ۱)

امام علامہ محدث عارف باللہ حکیم الامۃ سیدی محمد بن علی ترمذی رحمتہ اللہ علیہ (م ۲۵۵ھ) نے اس توجیہ پر جزم (اس وجہ اور دلیل کو پختہ) فرمایا۔ تصریح (صاف طور پر واضح) فرماتے ہیں کہ ارواح کو ان کی بے حرمتی اور تنقیصِ شان معلوم ہو جاتی ہے، اس لئے ایذا پاتی ہیں۔

علامہ سیدی عبدالغنی نابلسی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۱۴۳ھ) نے حدیقہ ندیہ (مطبوعہ فیصل آباد، ص ۵۰۵ / ۲) میں نوادر الاصول سے نقل کرتے ہوئے فرمایا، اس کے معنی یہ ہیں کہ ارواح اپنی ذلت واہانت جان لیتی ہیں، پس انہیں اس سے اذیت ہوتی ہے۔

ابن ماجہ (مطبوعہ کراچی ص ۱۱۳) میں ہے، عقبہ بن عامر (م ۵۸ھ) روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں: **لان امشی علی جمرۃ اوسیف او اخصف نعلی برجلی احب الی من ان امشی علی قبر**۔ البتہ چنگاری یا تلوار پر چلنا یا اپنے پاؤں سے اپنی جوتی گانٹھنا مجھے اس سے زیادہ پسند ہے کہ میں کسی قبر پر چلوں۔

الترغیب والترہیب (مطبوعہ مصر ص ۳۷۲ / ۲) میں ہے، حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۳۲ھ) فرماتے ہیں: **لان اطاء علی جمرۃ احب الی من ان اطاء علی قبر مسلم**، (رواہ الطبرانی فی الکبیر باسناد حسن قالہ امام عبدالعظیم) بے شک مجھے آگ پر پاؤں رکھنا زیادہ پیارا ہے مسلمان کی قبر پر پاؤں رکھنے سے، اسے طبرانی (م ۳۶۰ھ) نے معجم کبیر میں اسناد حسن سے روایت کیا جیسا کہ امام عبدالعظیم (م ۶۵۶ھ) نے کہا ہے۔ کسی صحابی نے حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے قبر پر پاؤں رکھنے کا مسئلہ پوچھا تو انہوں نے فرمایا: **کما اکرہ اذی المومن فی حیاتہ فانی اکرہ اذاہ بعد موتہ**، میں جس طرح مسلمان کی ایذا اس کی زندگی میں مکروہ (ناپسندیدہ) رکھتا ہوں یونہی اس کی موت کے بعد اس کی ایذا ناپسند کرتا ہوں۔

ان احادیث کے مطابق علمائے اسلام نے قبر پر چلنے، بیٹھنے اور پاؤں رکھنے سے سخت منع فرمایا ہے۔ علماء نے واضح فرمایا ہے کہ قبرستان میں میت کے لئے قبر کھودنے یا میت کو دفن کرنے کے لئے جانا ہو اور قبروں کے درمیان خالی راستہ نہ ہو تو ایسی مجبوری میں نہایت احتیاط سے چلتے ہوئے کسی قبر پر پاؤں آجائے تو ضرورۃ ایسا کرنا، جائز ہوگا لیکن ایسی اہم ضرورت کے بغیر جائز نہیں ہوگا اور قبروں کو روندنا یا قبروں پر بیٹھنا سخت ناپسندیدہ ہے اور ایسا کرنے والا گناہ گار ہوگا۔ طریقہ محمدیہ مطبوعہ دہلی ص ۲۵۵ / ۲ میں ہے: **من افات الرجل المشی علی المقابر**۔ پاؤں کی آفتوں میں سے قبروں کا روندنا ہے۔

شرح الصدور میں ہے امام محدث حافظ الحدیث ابوبکر بن ابی الدنیا، حضرت ابوقلابہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م ۱۰۴ھ) سے راوی کہ میں ملک شام سے بصرہ کو آتا تھا، پھر ایک قبر پر سر رکھ کر سو رہا، جب جاگا تو ناگاہ سنا کہ قبر والا مجھ سے شکایت کرتا اور فرماتا ہے کہ تو نے رات بھر مجھے ایذا پہنچائی۔ اسی کتاب میں ہے کہ امام حافظ ابن مندہ، قاسم بن مخیمرہ (م ۱۱۱ھ) سے راوی کہ کسی شخص نے ایک قبر پر پاؤں رکھا، قبر سے آواز آئی: **الیك عنی ولا تؤذونی**، اپنی طرف ہٹ یعنی مجھ سے الگ ہو جا اور مجھے ایذا نہ دے۔ (احیاء علوم الدین ص ۵۲۳ / ۴ میں امام غزالی اور کتاب الروح ص ۸ میں ابن قیم نے بھی ان روایات کو نقل کیا ہے)۔ اور مراقی الفلاح مطبوعہ کراچی ۳۴۲ میں ہے: مردوں کو جوتیوں کی پچپل (چلنے میں جوتوں سے جو آواز آتی ہے اس) سے تکلیف ہوتی ہے۔

فتاویٰ عزیزی ج ۲ کے صفحہ ۲۴۸ میں ہے: "صحیح احادیث میں وارد ہے کہ آں حضرت ﷺ نے فرمایا: **ادفنوا موتا کم وسط قوم صالحین فان المیت یتاذی من جار السوء کما یتاذی الحی**۔ یعنی دفن کروا اپنی اموات کو نیک لوگوں کے درمیان میں اس واسطے کے میت کو اذیت ہوتی ہے برے ہمسایہ سے جس طرح زندہ کو

برے ہمسایہ سے اذیت ہوتی ہے۔"

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: بحمد اللہ تعالیٰ حکم مسئلہ آفتاب کی طرح روشن ہوگیا، جب حضور اکرم ﷺ نے قبر پر بیٹھنے اور اس سے تکیہ لگانے اور قبرستان میں جوتا پہن کر چلنے والوں کو منع فرمایا اور علماء نے اس خیال سے کہ قبروں پر پاؤں نہ پڑیں تو قبرستان میں جو نیا راستہ نکالا گیا ہو اس میں چلنے کو بھی حرام بتایا اور حکم دیا کہ قبروں پر پاؤں نہ رکھیں بلکہ قبر کے پاس (قبر کو تکیہ بناکر) نہ سوئیں، زیارت میں بھی آداب ملحوظ رکھیں، قبروں پر (اگنے والی) تازہ گھاس نہ کاٹیں اور سوکھی گھاس کاٹیں تو وہاں سے لے جاکر جانوروں کو ڈالیں، جانوروں کو قبرستان میں گھاس چرنے کے لئے نہ چھوڑیں اور واضح طور پر صاف فرمایا کہ زندہ و مردہ مسلمان کی عزت برابر ہے اور جس بات سے زندوں کو ایذا پہنچتی ہے مردے بھی اس سے تکلیف پاتے ہیں اور مردوں کو تکلیف دینا حرام ہے تو اس سے اندازہ کرلیا جائے کہ قبرستان یا قبروں پر رہنے کا مکان بنا کر اس میں چلنا پھرنا، بیٹھنا لیٹنا، بول و براز (پیشاب و پاخانہ) کرنا اور جماع (ہم بستری) کرنا یا قبروں کو مسمار کر کے ان پر چلنے کا راستہ بنانا اور قبروں کو پاؤں سے روندنا کس قدر سنگین جرم ہوگا اور ایسا کرنے والے پر کتنا عذاب ہوگا؟

☆ فتاویٰ رضویہ میں ہے: "مسئلہ! کیا فرماتے ہیں علمائے دین اس مسئلہ میں کہ قدیم قبر اگر کسی وجہ سے کھل جائے یعنی اس کی مٹی الگ ہو جائے اور مردہ کی ہڈیاں وغیرہ ظاہر ہونے لگیں تو اس صورت میں قبر کو مٹی دینا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس صورت سے دینا چاہئے؟

الجواب: اس صورت میں اسے مٹی دینا فقط جائز ہی نہیں بلکہ واجب ہے کہ ستر مسلم لازم ہے اور اس بارے میں کوئی صورت بیان میں نہ آئی، ستر (چھپانا) لازم ہے اور کشف (کھولنا) ممنوع، اس طرح چھپائیں (میت اور قبر کو) زیادہ نہ کھولنا پڑے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔ **وقد انکشفت قدم لما انهدم جدر الحجرة الشريفة فى زمان الوليد ففزع الناس وظنوا انها قدم النبى ﷺ فما وجدوا احدا يعلم ذلك حتى قال لهم عروه لا والله ماهى قدم النبى ﷺ ما هى الاقدم عمر رضى الله عنه تعالىٰ عنه كما فى صحيح البخارى عن هشام عن ابيه واخرج ابن زباله وغيره ان قال عمر بن عبدالعزيز رضى الله تعالىٰ عنه لمن امره ببناء الحائط ان غط مارأيت ففعله۔** ولید (م۹۶ھ) کے زمانے میں جب روضہ پاک کی دیوار منہدم ہوئی تو ایک قدم کھل گیا جس سے لوگ گھبرا اٹھے، انہیں گمان ہوا کہ نبی کریم ﷺ کا قدم مبارک ہے۔ کسی ایسے آدمی کو تلاش کیا جو اس سے آگاہ ہو (یعنی پہچانتا ہو) یہاں تک کہ حضرت عروہ (م۹۴ھ) نے کہا اللہ کی قسم یہ نبی پاک ﷺ کا قدم مبارک نہیں یہ تو حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ہی قدم ہے، جیسا کہ صحیح بخاری میں ہشام بن عمروہ (م۱۴۶ھ) سے مروی ہے وہ اپنے والد سے راوی ہیں اور ابن زبالہ وغیرہ نے روایت کی ہے کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز رضی اللہ تعالیٰ عنہ (م۱۰۱ھ) نے جس کو (وہ) دیوار تعمیر کرنے کا حکم دیا تھا اس سے فرمایا، جو تم نے دیکھا اسے چھپادو، اس نے ایسا ہی کیا۔ بخاری جلد اول کے حوالے سے یہی واقعہ حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی نے بھی اپنی کتاب جاءالحق کے ص ۲۸۴ پر نقل کیا اور علامہ قرطبی نے التذکرہ مطبوعہ بیروت کے ص ۱۸۰ پر اسے نقل کیا ہے۔

☆ جناب اشرف علی تھانوی کی کتاب شوق وطن ص ۲۹ (مطبوعہ کراچی) میں ہے:

"عن ابن عمر ان النبى ﷺ قال ان المومن اذا مات تجملت المقابر بموته فليس منه بقعة الاوهى تتمنى ان يدفن فيها۔

(رواہ ابن عدی وابن مندہ وابن عساکر)

ترجمہ: ابن عمر سے روایت ہے کہ نبی ﷺ نے فرمایا کہ مومن جب مرجاتا ہے تو تمام

مواقع خیر کے اس کے مرنے پر اپنی آرائش کرتے ہیں سو کوئی حصہ ان میں کا ایسا نہیں ہے جو اس کی تمنا نہ کرتا ہو کہ وہ اس میں مدفون ہو۔" ...... ص ۳۲ پر ہے: "عن ابی سعید الخدری ان رسول الله ﷺ قال اذا دفن العبد المومن قال له القبر مرحبا واهلا اما ان كنت لاحب من يمشى على ظهرى الى فاذا وليتك اليوم وصرت الى سترى صنعى بك فيتسع له مدبصرهه ويفتح له باب الى الجنة قال وقال رسول الله ﷺ القبر روضة من رياض الجنة او حفرة من حفر النار۔ (اخرجه الترمذی) ترجمہ: حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جب بندہ مومن دفن کیا جاتا ہے تو قبر اس سے کہتی ہے بیا بیاو فرود آکہ خانہ خانہ تست، تو ان سب میں میرے نزدیک زیادہ محبوب ہوتا تھا جو میری سطح پر چلتے تھے سو جب آج میں تیری کارپرداز بنائی گئی ہوں اور تو میرے پاس آیا ہے تو میرا معاملہ اپنے ساتھ دیکھے گا پس حد نظر تک وہ اس پر فراخ ہو جاتی ہے اور بہشت کی طرف اس کے لئے دروازہ کھول دیا جاتا ہے اور رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا کہ قبر یا تو جنت کے باغوں میں سے ایک باغ ہے (یعنی صالح کے لئے) یا دوزخ کے خندقوں میں سے ایک خندق ہے (طالح کے لئے)" ...... ص ۳۴ پر ہے: "عن ابی هريره قال قال رسول الله ﷺ والذى نفسى بيده ان الميت اذا وضع فى قبره ان يسمع خفق نعالهم حين يولون عنه فاذا كان مومنا جاء ت الصلوة رأسه والزكوة عن يمينه والصوم عن شماله وفعل الخيرات والمعروف والاحسان الى الناس من قبل رجليه فيوتى من قبل راسه فتقول الصلوة ليس من قبلى مدخل فيوتى من قبل يمينه فتقول الزكوة ليس من قبلى مدخل فيوتى من قبل شماله فيقول الصوم ليس من قبلى مدخل فيوتى من قبل رجليه فيقول فعل الخيرات ومايليها من المعروف والاحسان الى

الناس ليس من قبلنا مدخل و فى آخر الحديث فيعاد الجسد الى اصله من التراب ويجعل روحه فى النسيم الطيب وهو طير اخضر تعلق فى شجر الجنة۔ (اخرجه ابن ابی شیبہ والطبرانی فی الاوسط وابن حبان فی صحیح والحاکم والبیہقی)

ترجمہ:۔ حضرت ابو ہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ قسم اس ذات کی جس کے قبضہ میں میری جان ہے کہ مردہ جب قبر میں رکھا جاتا ہے وہ لوگوں کی واپسی کے وقت ان کی جوتیوں کی آواز سنتا ہے پس اگر وہ مومن ہوا تو نماز اس کے سرہانے آجاتی ہے اور زکوٰۃ اس کے داہنی طرف اور روزہ اس کے بائیں طرف اور خیر اور نیکی اور احسان لوگوں کے ساتھ کیا تھا وہ پیروں کی جانب آجاتا ہے سو اگر سرہانے کی طرف عذاب آتا ہے تو نماز کہتی ہے میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی پھر داہنی طرف سے آتا ہے تو زکوٰۃ کہتی ہے کہ میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی پھر بائیں جانب سے آتا ہے تو روزہ کہتا ہے میری طرف سے جگہ نہیں ملے گی پھر پاؤں کی طرف آتا ہے تو امور خیر اور جو نیکی اور احسان کے کام لوگوں سے کئے تھے وہ کہتے ہیں کہ ہماری طرف سے جگہ نہ ملے گی اور اسی حدیث کے آخر میں ہے کہ پھر جسد تو اپنی اصل یعنی خاک میں مل جاتا ہے (یعنی اکثر ورنہ بعض کے اجساد بحالہ رہتے ہیں)۔ (☆) اور روح اس کی ہوائے لطیف یا ارواح طیبہ میں رہتی ہے اور وہ سبز پرندہ کے قالب میں ہو کر درخت جنت میں جاگزیں ہو جاتی ہے۔"

☆ قبر میں ہر جسم بوسیدہ نہیں ہوتا، اولیاء اللہ، باعمل علماء، شہداء، اللہ کی رضا چاہنے یعنی طالب ثواب والا موذن، باعمل حافظ قرآن، سرحد کا پاس بان، طاعون میں صبر کے ساتھ اور اجر چاہتے ہوئے مرجانے والا، کثرت سے اللہ کا ذکر کرنے والا، یہ وہ لوگ ہیں جن کے بدن بگڑتے نہیں۔ (شرح زرقانی علی الموطا مطبوعہ مصر ص ۸۴ / ۲)۔ امام عبد الرزاق (م ۲۱۱ھ) کی المصنف مطبوعہ بیروت کے ص ۴۸۳ / ۱ میں ہے، حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہ (م ۷۸ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کا ارشاد ہے: جب حافظ قرآن مرتا ہے اللہ تعالیٰ زمین کو حکم فرماتا ہے کہ اس کا گوشت نہ کھانا، زمین عرض کرتی ہے اے رب میں اس کا گوشت کیسے کھاؤں گی جب کہ تیرا کلام اس کے سینے میں ہے۔

علامہ کمال الدین الامیری (م ۸۰۸ھ) کی مشہور عربی کتاب "حیات الحیوان الکبری" کا اردو ترجمہ ادارہ اسلامیات، لاہور نے ۱۴۱۲ھ میں شائع کیا ہے، کتاب پر درج اردو ترجمہ نگاروں کے نام یہ ہیں: محمد عباس فتح پوری، محمد عرفان سردھنوی، نثار احمد گونڈوی، اس کتاب کی جلد دوم کے ص ۹۲ سے سورۃ البروج کی آیات، قتل اصحب الاخدود النار ذات الوقود کے تحت برسوں بعد بھی قبر میں جسم صحیح وسالم رہنے کے حوالے سے یہ واقعہ (جو عربی کتاب مطبوعہ مصر کی جلد اول کے ص ۳۱۸ پر یہ درج ہے) اپنے قارئین کے لئے مکمل نقل کر رہا ہوں ملاحظہ ہو:

"اس آیت کی تفسیر میں مؤلف، رسول اللہ ﷺ کی ایک حدیث جو کہ صحیح مسلم و دیگر کتب حدیث میں منقول ہیں، بیان کرتے ہیں، اس حدیث کو حضرت صہیب رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ایک بادشاہ تھا اور اس کے یہاں ایک کاہن اور بروایت دیگر ساحر تھا، ایک دن اس نے بادشاہ سے کہا کہ چوں کہ میں اب بوڑھا ہو گیا ہوں اور مجھ کو اندیشہ ہے کہ اگر میں مر گیا تو یہ میرا علم تم سے منقطع ہو جائے گا، لہٰذا تم میرے لئے کوئی ذہین اور سریع الفہم لڑکا تلاش کر دو تا کہ اس کو میں اپنا یہ علم سکھا دوں۔ چناں چہ بادشاہ نے اس کی منشاء کے مطابق ایک لڑکا تلاش کرا دیا اور اس کو حکم دیا کہ وہ شاہی ساحر کے پاس تعلیم حاصل کرنے کے لئے آیا کرے۔ چناں چہ وہ لڑکا ساحر کے پاس آتا، اس راستے میں کسی راہب کی ایک خانقاہ بھی تھی۔ (معمر کہتے ہیں کہ میرے گمان میں نصاریٰ اس وقت تک دین حق پر قائم تھے، یعنی یہ راہب اس وقت دین حق پر تھا۔) چناں چہ لڑکا جب ساحر کے پاس آتا جاتا تو راستہ میں اس راہب کے پاس بھی بیٹھ جاتا اور اس سے بات چیت کرتا، چناں چہ اس کو ساحر کے پاس پہنچنے میں کچھ دیر لگ جاتی، اس پر ساحر نے لڑکے کے والدین سے کہلا بھیجا کہ تمہارے لڑکے نے میرے پاس آنا بہت کم کر دیا ہے۔ لڑکے نے ساحر کی اس

شکایت سے راہب کو بھی مطلع کر دیا، چناں چہ راہب نے لڑکے سے کہا کہ جب تجھ کو ساحر سے ڈر لگا کرے تو تم اس سے یہ کہہ دیا کرنا کہ مجھ کو گھر والوں نے روک لیا تھا اور جب گھر والے دیر سے (گھر) پہنچنے پر تجھ سے باز پرس کریں تو کہہ دیا کرنا کہ مجھ کو ساحر نے دیر سے چھوڑا ہے۔

چناں چہ لڑکا کچھ دن ایسا ہی کرتا رہا، ایک دن وہ چلا آرہا تھا کہ ایک دابہ عظیمہ (بڑا جانور) نمودار ہوا اور لوگ اس کے ڈر سے راستہ چلنے سے رک گئے۔ لڑکے نے جب یہ نظارہ دیکھا تو دل میں سوچنے لگا کہ آج ساحر اور راہب کا عقدہ کھل جائے گا۔ کہ آیا ساحر سچا ہے یا راہب؟ چناں چہ اس نے ایک پتھر اٹھایا اور یہ کہہ کر کہ "یا اللہ! اگر تیرے نزدیک راہب کا عمل ساحر کے عمل سے محبوب ہے تو اس دابہ کو ہلاک کر دے۔" (وہ پتھر) اس (جان ور) کے مار دیا۔ خدا کی قدرت کہ پتھر لگتے ہی وہ جان ور ہلاک ہو گیا۔ یہ دیکھ کر لوگ آپس میں کہنے لگے کہ اس لڑکے کو کوئی ایسا علم حاصل ہے جو دوسروں کو (حاصل) نہیں۔ اتفاق سے بادشاہ کا ایک مصاحب نابینا تھا۔ جب اس کو اس واقعہ کا علم ہوا تو وہ لڑکے کے پاس پہنچا اور کہنے لگا کہ اگر تو میری بینائی واپس لا دے تو میں تجھ کو اتنا انعام دوں گا۔ لڑکے نے جواب دیا کہ مجھ کو انعام کی قطعی حاجت نہیں، البتہ میری آپ سے یہ شرط ہے کہ اگر آپ اچھے ہو گئے (یعنی آپ کی بینائی واپس آگئی) تو کیا اس ذات پاک پر جس کے حکم سے آپ اچھے ہوں گے۔ ایمان لے آئیں گے؟ نابینا نے یہ شرط منظور کر لی اور کہا کہ میں ضرور ایسا کروں گا، چناں چہ لڑکے نے اللہ تعالیٰ سے اس کے لئے دعا مانگی، چناں چہ دعا ختم ہوتے ہی نابینا (شخص) بینا ہو گیا اور اس نے دین حق قبول کر لیا۔

اس کے بعد یہ (بینا ہونے والا) شخص حسب معمول بادشاہ کی مجلس میں آکر بیٹھ گیا بادشاہ نے اس کو بینا دیکھ کر پوچھا کہ یہ تیری بینائی کس نے لوٹا دی؟ اس نے جواب دیا کہ میرے رب نے۔ بادشاہ نے حیرت سے پوچھا کہ کیا میرے سوا تیرا اور بھی کوئی

رب ہے؟ اس نے جواب دیا کہ میرا اور تیرا رب، اللہ ہے۔ یہ جواب سن کر بادشاہ نے ایک آرہ منگوایا اور اس (شخص) کے سر پر چلوا کر (اس شخص کے) دو ٹکڑے کرادیئے۔

امام ترمذی کی روایت کے مطابق یہ دابہ (جس کو لڑکے نے پتھر سے ہلاک کیا تھا) شیر تھا اور جب اس لڑکے نے راہب کو شیر کے ساتھ اپنے اس واقعہ کی اطلاع دی تو راہب نے کہا کہ تیری ایک خاص شان ہے اور تو اس کی وجہ سے آزمائش میں مبتلا ہوگا مگر خبردار، میرا کسی سے کچھ تذکرہ نہ کرنا۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ جب بادشاہ کو ان تینوں شخصوں کا حال معلوم ہوا تو اس نے ان (تینوں) کو طلب کر لیا اور راہب و نابینا کو آرہ سے چروا دیا اور لڑکے کے بارے میں یہ حکم دیا کہ اس کو فلاں پہاڑ پر لے جا کر سر کے بل گرادو۔ چناں چہ بادشاہ کے فرستادگان اس (لڑکے) کو پہاڑ پر لے گئے اور جب انہوں نے اس (لڑکے) کو (پہاڑ سے نیچے) گرانے کا قصد کیا تو لڑکے نے یہ دعا مانگی کہ "یا اللہ تو جس طرح چاہے ان کو میری طرف سے بھگت لے۔" چناں چہ یہ کہتے ہی وہ لوگ (جو لڑکے کو گرانے آئے تھے وہ خود) پہاڑ سے لڑھکنے لگے اور صرف لڑکا باقی رہ گیا۔ چناں چہ وہ لڑکا واپس بادشاہ کے پاس پہنچا۔ بادشاہ نے اس سے پوچھا کہ میرے آدمی کہاں گئے؟ لڑکے نے جواب دیا کہ اللہ تعالیٰ نے میری طرف سے ان کا بھگتان کر دیا۔ اس پر بادشاہ نے حکم دیا کہ اس لڑکے کو لے جا کر سمندر میں ڈبو دو۔ چناں چہ اس بادشاہ کے آدمیوں نے اس (بادشاہ) کے حکم کی تعمیل کی اور اس کو لے جا کر سمندر میں دھکا دے دیا، لیکن اللہ تعالیٰ نے لڑکے کے بجائے ان لوگوں کو ہی ڈبو دیا اور وہ لڑکا پانی پر چلتا ہوا صحیح و سالم باہر نکل آیا اور بادشاہ کے پاس آکھڑا ہوا۔ بادشاہ لڑکے کو دیکھ کر بہت متحیر ہوا۔ آخر کار لڑکا خود ہی بادشاہ سے مخاطب ہو کر بولا کہ کیا واقعی آپ کا ارادہ میری جان لینے کا ہے؟ بادشاہ نے اثبات میں جواب دیا۔ اس پر لڑکے نے کہا کہ تم مجھ کو ہرگز نہیں مار سکتے، البتہ اگر مجھ کو

مارنا ہی ہے تو اس کی ترکیب یہ ہے کہ مجھ کو ایک تختہ سے باندھ کر ایک تیر یہ کہہ کر مارو "**بسم اللہ رب ھذا الغلام**" مگر مارنے سے پہلے تمام لوگوں کو ایک میدان میں جمع کر لینا۔ چناں چہ بادشاہ نے سب لوگوں کو جمع کر کے لڑکے کے ترکش سے ایک تیر نکال کر وہی الفاظ کہہ کر تیر اس کے مارا، چناں چہ تیر سیدھا لڑکے کی کن پٹی پر جا لگا اور اس کو ختم کر دیا۔ لڑکے نے اپنا ہاتھ شہید ہوتے وقت اپنی کن پٹی پر رکھ چھوڑا تھا۔ چناں چہ یہ سارا معاملہ دیکھ کر مجمع نے بیک زبان ہو کر کہا کہ ہم اس لڑکے کے رب پر ایمان لائے۔ بادشاہ کے مصاحبین نے بادشاہ سے کہا کہ پہلے تو آپ صرف تین ہی شخصوں کے مسلمان ہونے سے گھبرا رہے تھے مگر اب یہ سارا عالم مسلمان ہو گیا اور آپ کے مخالف بھی ہو گیا، اب آپ کیا کریں گے؟ یہ سن کر بادشاہ نے حکم دیا کہ اخدود (خندقیں) کھودی جائیں اور ان میں آگ اور لکڑیاں بھر دی جائیں، اس کے بعد ان تمام لوگوں کو اس میں ڈال دیا جائے، چناں چہ ایسا ہی کیا گیا اور جو شخص بھی اسلام سے منحرف نہ ہوا، اس کو آگ میں جھونک دیا گیا۔

امام مسلم نے اپنی روایت میں یہ اضافہ بھی کیا ہے کہ جب خندقیں کھود کر اور ان میں آگ جلا کر اہلِ اسلام کو اس میں جھونکا جا رہا تھا تو بادشاہ کے فرستادگان، ایک عورت کو جس کی گود میں ایک شیر خوار بچہ تھا، آگ میں ڈالنے کے لئے لائے، چناں وہ عورت بچہ کی وجہ سے کچھ مضمحل سی ہو گئی، ماں کی یہ حالت دیکھ کر وہ شیر خوار بچہ بول اٹھا اور کہا کہ اماں جان! گھبرائیے نہیں کیوں کہ آپ حق پر ہیں۔ ابن قتیبہ نے کہا ہے کہ اس بچہ کی عمر صرف سات ماہ کی تھی۔

امام ترمذی فرماتے ہیں کہ وہ لڑکا جو شہید کر دیا گیا تھا (جس کو بادشاہ نے ایک تیر کے ذریعہ شہید کیا تھا) حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد خلافت میں قبر سے برآمد ہوا تھا اور اس کا ہاتھ بدستور اس کی کن پٹی پر رکھا ہوا تھا۔

محمد بن اسحاق، صاحب سیرت نے لکھا ہے کہ اس لڑکے کا نام عبداللہ بن التامر تھا حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کے عہد میں نجران کے کسی شخص نے اپنی کسی ضرورت سے ایک ویرانہ کھودا تو وہاں سے (اس شہید) لڑکے کی لاش برآمد ہوئی جو ایک دیوار کے نیچے گڑی ہوئی تھی۔ لڑکے کا ہاتھ تیر لگنے کی وجہ سے کن پٹی پر رکھا ہوا تھا اور اس کی انگلی میں ایک انگوٹھی جس پر "ربی اللہ" لکھا ہوا تھا۔ اس واقعہ کی جب حضرت عمر (رضی اللہ عنہ) کو بذریعہ تحریر اطلاع دی گئی تو آپ نے لکھ کر بھیجا کہ لاش کو اس کے حال پر چھوڑ دو، چناں چہ لوگوں نے ایسا ہی کیا۔

سہیلی فرماتے ہیں کہ لاش کے اپنی اصلی حالت میں قائم رہنے کی تصدیق اس آیت کریمہ سے ہوتی ہے۔ **ولا تحسبن الذین قتلوا فی سبیل الله امواتا۔ الایہ** (جو لوگ اللہ کی راہ میں مارے گئے ان کو مردہ مت سمجھو۔)

اس کے علاوہ آں حضور ﷺ کی اس حدیث سے بھی تصدیق ہوتی ہے اور وہ (حدیث) یہ ہے: "**ان الله حرم علی الارض ان تاکل اجساد الانبیاء۔** (اللہ تعالیٰ نے زمین پر حرام کر دیا ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے جسموں کو کھائے۔)"

یہ حدیث ابوداؤد نے روایت کی ہے اور ابو جعفر الداودی نے بھی اس کو روایت کیا ہے۔ مگر ان کی روایت میں شہداء، علماء اور موذن لوگ بھی شامل ہیں، لیکن وہ فرماتے ہیں کہ ان لوگوں کا اضافہ غریبہ ہے۔ (لیکن داودی ثقہ اہل علم میں سے ہیں)

ابن بشکوال کا قول ہے کہ جس بادشاہ کے عہد میں اخدود النار کا واقعہ ہوا، اس (بادشاہ) کا نام "یوسف درنواس" تھا اور یہ حمیر اور مضافات حمیر کا حکمران تھا اور نجران اس کا پایہ تخت تھا اور بقول دیگر اس بادشاہ کا نام "ذرعہ دونواس" تھا اور بقول سمرقندی یہ دین یہودیہ کا معتقد تھا اور یہ واقعہ (اخدود النار کا) رسول اللہ ﷺ کی بعثت سے ستر (۷۰) سال قبل پیش آیا اور واقعہ میں مذکور راہب کا نام قیتمون تھا۔"

جناب اشرف علی تھانوی فرماتے ہیں:

"حضور ﷺ کی قبر مبارک کے لئے بہت کچھ شرف حاصل ہے کیوں کہ جسد اطہر اس کے اندر موجود ہے بلکہ حضور (ﷺ) خود، یعنی جسد مع تلبس الروح اس کے اندر تشریف رکھتے ہیں، کیوں کہ آپ (ﷺ) قبر میں زندہ ہیں، قریب قریب تمام اہل حق اس پر متفق ہیں، صحابہ کا بھی یہی اعتقاد ہے۔ حدیث میں بھی نص ہے: **ان النبی الله حی فی قبرہ یرزق** کہ آپ اپنی قبر شریف میں زندہ ہیں اور آپ کو رزق پہنچتا ہے...... حدیث میں ہے: **حرم الله اجساد الانبیاء علی الارض** (اللہ نے زمین پر حرام کر دیا ہے انبیاء کے اجساد کو، یعنی زمین میں ان کے اجساد محفوظ رہتے ہیں۔ (علامہ قرطبی نے التذکرہ (مطبوعہ بیروت) ص ۱۸۶ میں اس حدیث کو نقل کیا ہے۔)

بہر حال یہ بات باتفاق امت ثابت ہے کہ انبیاء علیہم السلام قبر میں زندہ رہتے ہیں اور خاص ہمارے حضور (ﷺ) کے بارے میں مخالفین بھی حیات کے معتقد ہیں ان کو بھی حضور کی حیات کا اقرار ہے، چناں چہ ایک واقعہ سے ان کا اقرار معلوم ہو جاوے گا۔

تاریخ مدینہ میں یہ واقعہ لکھا ہے اور میں نے خود اس تاریخ میں دیکھا ہے کہ حضور ﷺ کی وفات کے چند صدی بعد (یاد نہیں رہا کہ کس بادشاہ کے وقت میں) دو شخص مدینہ میں حضور پاک کے جسد اطہر کو نکالنے کے لئے آئے تھے۔ مسجد نبوی کے پاس ایک مکان کرایہ پر لے لیا تھا اور دن بھر نماز و تسبیح میں مشغول رہتے تھے، لوگ ان کے معتقد بھی ہو گئے تھے۔ وہ کم بخت رات کے وقت اس مکان سے قبر شریف کی طرف سرنگ کھودتے تھے اور جس قدر سرنگ کھود لیتے راتوں رات مٹی مدینے سے باہر پھینک آتے تھے اور جگہ برابر کر دیتے تاکہ کسی کو پتہ نہ چلے۔ کئی ہفتوں تک وہ لوگ سرنگ کھودنے میں مشغول رہے جب ادھر ان لوگوں نے یہ کام شروع کیا، حق تعالیٰ

نے اس زمانہ کے سلطان کو (نام یاد نہیں رہا) بذریعہ خواب کے متنبہ کر دیا۔ (☆) خواب میں حضور ﷺ کو دیکھا کہ آپ کے چہرہ مبارک پر حزن و غم کے آثار ہیں اور آپ بادشاہ کا نام لے کر فرما رہے ہیں کہ مجھے ان دو شخصوں نے بہت ایذا دے رکھی ہے، جلد مجھے ان سے نجات دو۔ خواب میں دونوں شخصوں کی صورت بھی بادشاہ کو دکھلا دی گئی خواب سے بیدار ہو کر بادشاہ نے وزیر سے اس کا تذکرہ کیا وزیر نے کہا کہ معلوم ہوتا ہے کہ مدینے میں کوئی حادثہ پیش آیا ہے آپ جلد مدینے تشریف لے جائیں بادشاہ نے فوراً فوج ساتھ لے کر بہت تیزی کے ساتھ مدینے کی طرف سفر کیا اور بہت جلد مدینے پہنچ گیا۔ اس عرصے میں وہ لوگ بہت سرنگ کھود چکے تھے اور بالکل جسد اطہر کے قریب پہنچ گئے تھے۔ ایک دن کی بادشاہ کو اور تاخیر ہو جاتی تو وہ لوگ اپنا کام پورا کر لیتے۔ بادشاہ نے مدینے پہنچ کر تمام لوگوں کی مدینے سے باہر دعوت کی اور

(☆) تھانوی صاحب نے واقعہ لکھتے ہوئے فرمایا ہے کہ انہیں اس سلطان کا نام یاد نہیں رہا۔ قارئین کی معلومات کے لئے عرض ہے کہ اس بادشاہ کا نام "سلطان نور الدین زنگی" (م ۵۶۹ھ) بتایا گیا ہے۔ علامہ ذہبی (م ۷۴۸ھ) اپنی کتاب "العبر فی خبر من غبر" (مطبوعہ دار الکتب العلمیہ، بیروت) کے ص ۵۸ / ۳ پر سلطان کا ذکر اس طرح کرتے ہیں:

"السلطان نور الدين، الملك العادل ابو القاسم محمود بن اتابك زنكي ابن افسنقر التركي. تملك حلب بعد ابيه، ثم اخذ دمشق فملكها عشرين سنة. وكان مولده في شوال سنه احدى عشره وخمس مئه. وكان اجل ملوك زمانه واعدلهم وادينهم واكثرهم جهادا واسعدهم في دنياه و آخرته. هزم الفرنج غير مرة، واخافهم وجرعهم المر. وفي الجملة محاسنه ابين من الشمس واحسن من القمر.

وكان اسمر، طويلا مليحا، تركي اللحية، نقي الخد، شديد المهابة. حسن التواضع، طاهر اللسان. كامل العقل والرأى، سليما من التكبر، خائفا من الله، قل ان يوجد في الصلحاء الكبار مثله فضلا عن الملوك. ختم الله بالشهادة ونوله الحسنى ان شاء الله وزيادة، فمات بالخوانيق في حادى عشر شوال. وعهد بالملك الى ولده الصالح اسماعيل، وعمره احدى عشرة سنة۔"

سب کو مدینہ سے ایک خاص دروازہ سے باہر نکلنے کا حکم کیا اور خود دروازہ پر کھڑے ہو کر ہر شخص کو خوب غور سے دیکھتا جاتا تھا، یہاں تک کہ مدینے کے سب مرد شہر سے باہر نکل آئے، مگر ان دو شخصوں کی صورت نظر نہ پڑی جن کو خواب میں دیکھا تھا، اس لئے بادشاہ کو سخت حیرت ہوئی اور لوگوں سے کہا کہ کیا سب لوگ باہر آگئے ہیں؟ لوگوں نے کہا کہ اب کوئی اندر نہیں رہا۔ بادشاہ نے کہا یہ ہرگز نہیں ہو سکتا، ضرور کوئی اندر رہا ہے۔ لوگوں نے کہا کہ دو زاہد اندر رہ گئے ہیں وہ کسی دعوت میں جایا نہیں کرتے اور نہ کسی سے ملتے ہیں۔ بادشاہ نے کہا مجھے ان ہی سے کام ہے، چناں چہ جب وہ پکڑ کر لائے گئے تو بعینہ وہ دو صورتیں نظر پڑیں جو خواب میں دکھلائی گئی تھیں، ان کو فوراً قید کر لیا گیا اور پوچھا گیا کہ تم نے حضور (ﷺ) کو کیا ایذا دی ہے؟ چناں بڑی دیر کے بعد انہوں نے اقرار کیا کہ ہم نے جسد اطہر کے نکالنے کے لئے سرنگ کھودی ہے، چناں چہ خود بادشاہ نے وہ سرنگ دیکھی تو معلوم ہوا کہ قدم مبارک تک پہنچ چکی ہے۔ بادشاہ نے قدم مبارک کو بوسہ دے کر سرنگ بند کرا دی اور زمین کو پانی کی تہہ تک کھدوا کر قبر مبارک کے چاروں طرف سیسہ پلا دیا تاکہ آئندہ کوئی سرنگ نہ لگا سکے۔ اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ مخالفین کو بھی جسد اطہر کے صحیح سالم ہونے کا ایسا پختہ اعتقاد ہے کہ کئی سو برس کے بعد بھی اس کے نکالنے کی کوشش کی۔ اگر ان کو جسد اطہر کے محفوظ ہونے کا یقین نہ ہوتا تو وہ سرنگ کیوں لگاتے؟ محض وہم و شبہ پر اتنا بڑا خطرہ کا کام نہیں کرتا۔ وہ لوگ اہل کتاب ہیں وہ خوب سمجھتے ہیں کہ نبی کے جسم کو زمین نہیں کھا سکتی، وہ خوب جانتے ہیں کہ حضور نبی برحق تھے، مگر بوجہ عناد کے اقرار نہیں کرتے۔ غرض کہ حضور کا جسد اطہر موافقین و مخالفین سب کے نزدیک بالاتفاق محفوظ ہے اور مع روح ہے جیسا کہ بیان کیا گیا تو ظاہر ہے اور علماء نے بھی تصریح کی ہے کہ وہ بقعہ جس سے جسم متبرک خصوصی مع الروح میں کئے ہوئے ہے، بھی عرش سے افضل ہے

کیوں کہ عرش پر معاذ اللہ حق تعالیٰ شانہ بیٹھے ہوئے ہوتے تو وہ جگہ سب سے افضل ہوتی مگر خدا تعالیٰ مکان سے پاک ہیں اس لئے عرش کو مستقر خداوندی نہیں کہا جاسکتا۔ (اشرف الجواب کامل مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۸۴ء، ص ۲۳۹ تا ۲۴۱۔ مواعظ میلاد النبی مطبوعہ المکتبۃ الاشرفیہ، لاہور ۱۹۹۲ء۔ ص ۴۰۰ تا ۴۰۴)

اشرف الجواب (مطبوعہ ادارہ تالیفات اشرفیہ ملتان ۱۹۸۴ء) کے ص ۱۶۸ تا ۱۷۰ میں ہے:

"(تھانوی نے) فرمایا ایک بار حضرت حاجی (امداد اللہ م ۱۳۱۷ھ) صاحب نور اللہ مرقدہ اور متشدد غیر مقلد سے مناظرہ ہوا، وہ غیر مقلد مدینہ منورہ جانے سے منع کرتا تھا: **لاتشد الرحال الا الی ثلثة مساجد**، استدلال تھا۔ حضرت رحمتہ اللہ علیہ نے فرمایا کیا زیارت ابوین (اور) طلب علم کے لئے سفر جائز نہیں؟ اس کا اس (غیر مقلد) نے جواب نہیں دیا، پھر وہ کہنے لگا، اگر جانا جائز بھی ہو تو کوئی فرض واجب تو ہوا ہی نہیں کہ خواہ مخواہ جائے۔ حضرت نے فرمایا، ہاں! شارعاً تو فرض نہیں لیکن طریق عشق میں تو ہے۔ خیال کیجئے، سلیمان علیہ السلام بیت المقدس بنائیں اور وہ قبلہ بن جائے، حضرت ابراہیم علیہ السلام مسجد بنائیں اور قبلہ قرار پائیں اور حضرت محمد ﷺ مسجد بنائیں تو کیا اتنی بھی نہ ہو کہ وہاں لوگ زیارت کو جایا کریں، چوں کہ حضرت ﷺ کی شان عبودیت کی تھی اور شہرت ناپسند تھی اس لئے آپ کی مسجد قبلہ نہیں ہوئی۔ اس (غیر مقلد) شخص نے کہا کہ مسجد نبوی کے لئے تو جانا، جائز ہے مگر روضہ شریف کے قصد سے نہ جانا چاہئے۔ حضرت نے فرمایا کہ مسجد نبوی میں فضیلت آئی کہاں سے ہے؟ وہ حضرت ﷺ کی وجہ سے ہے تو مسجد کے لئے جانا، جائز ہو، اور صاحب مسجد جس کی وجہ سے اس میں فضیلت آئی ان کی زیارت کے لئے جانا، ناجائز ہو، عجیب تماشا ہے، وہ (غیر مقلد لاجواب ہوئے)" تھانوی صاحب فرماتے ہیں: "افسوس کہ بعض لوگ ایسے

خشک ہیں کہ وہ زیارت قبر شریف کی فضیلت کو نہیں مانتے بلکہ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے ناجواز کے قائل ہیں۔ کان پور میں ایک مرتبہ ایک مترجم اربعین حدیث میں بچوں کا امتحان تھا، جلسہ امتحان میں ایسے ہی ایک شخص تھے جو کہ زیارت قبر شریف کو ناجائز سمجھتے تھے۔ ایک بچہ کا امتحان شروع ہوا، اس نے اتفاق سے یہ حدیث پڑھی **من حج ولم یزرنی فقد جفانی** (جو حج کرے اور میری زیارت نہ کرے تو اس نے مجھ پر جفا کی۔) ان صاحب نے اعتراض کیا کہ **لم یزرنی** فرمایا ہے تو یہ آپ کی حالت حیات کے ساتھ خاص ہے، بعد وفات زیارت ثابت نہیں۔ طالب علم بچہ تھا، اشکال سمجھا بھی نہیں نہ اس کو جواب معلوم تھا، وہ سادگی سے آگے پڑھنے لگا، خدا کی شان آگے جو حدیث موجود تھی وہ اس اعتراض ہی کا جواب تھی۔ آگے یہ حدیث تھی: **من زارنی بعد مماتی فمکا نما زارنی فی حیاتی** (جس نے میری زیارت کی میری وفات کے بعد گویا اس نے میری حیات میں میری زیارت کی) (علامہ قرطبی نے التذکرہ (مطبوعہ بیروت) کے ص ۱۰۳ پر اس حدیث کو نقل کیا ہے۔) جتنے علماء اس وقت موجود تھے سب نے ان صاحب سے کہا لیجئے حضرت! آپ کے اعتراض کا جواب من جانب اللہ ہو گیا۔ پس (وہ معترض) خاموش ہو گئے۔" تھانوی صاحب فرماتے ہیں:

"غرض دنیا میں ایسے بھی خشک مذاق موجود ہیں جن کو زیارت قبر کا خود تو کیا شوق ہوتا ہے اس کو حرام کر کے دوسروں کو بھی روکنا چاہتے ہیں مگر جو زیارت کر چکے ہیں ان سے پوچھو کہ کس قدر برکات حاصل ہوتے ہیں، بس اب میں بیان کو ایک واقعہ پر ختم کرتا ہوں جس سے زیارت قبر شریف کے برکات اور حضور (ﷺ) کا قبر شریف میں زندہ ہونا معلوم ہو گا۔ سید احمد رفاعی رحمتہ اللہ علیہ (م ۵۷۸ھ) عرض کیا، **السلام علیک یا جدی**۔ جواب مسموع ہوا (سنا گیا) **و علیک السلام یا ولدی**۔ اس پر ان کو وجد ہوا اور بے اختیار یہ اشعار زبان پر جاری ہوئے:

فی حالت البعد روحی کنت ارسلھا   تقبل الارض عنی وھنی نائبتی
فھذہ دولۃ الاشباح قد حضرت   فامدد یمینک کی تحظی بھا شفتی

پس فوراً قبر شریف سے ایک منور ہاتھ جس کے روبرو آفتاب بھی ماند تھا، باہر نکلا انہوں نے باساختہ دوڑ کر اس کا بوسہ لیا اور وہاں ہی گر گئے۔ ایک بزرگ تھے جو اس واقعہ میں حاضر تھے، کسی نے پوچھا کہ آپ کو اس وقت کچھ رشک ہوا تھا؟ فرمایا ہم تو کیا تھے اس رقت ملائکہ کو رشک تھا۔"

بوادر النوادر ص ۴۰۳ (مطبوعہ ادارہ اسلامیات، لاہور) میں جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: "اعراس منہی عنہا پر زیارت قبر نبوی علیہ الصلوٰۃ والسلام کو قیاس نہ کیا جاوے جیسا بعض اہل ظاہر نے اس میں تشدد کیا ہے۔ کسی نے نفس سفر میں کلام کیا ہے اور اس حدیث میں تمسک کیا ہے: لاتشد الرحال الا الی ثلثۃ مساجد لحدیث (سواریاں صرف تین مسجدوں کے لئے تیار کی جاویں مسجد اقصی مسجد الحرام مسجد نبوی)۔ حالاں کہ اس حدیث کی تفسیر خود دوسری حدیث میں آگئی ہے: فی مسند احمد عن ابی سعید الخدری قال قال رسول اللہ ﷺ لا ینبغی للمطی ان یشد رحالہ الی مسجد یبتغی فیہ الصلوۃ غیر المسجد الحرام والاقصی و مسجدی ھذا۔ (مسند احمد میں ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے ناجائز ہے مسافر کے لئے یہ بات کہ کسی مسجد میں نماز پڑھنے کے لئے سواری تیار کرے بجز مسجد حرام و مسجد اقصی اور میری مسجد کے) اور کسی نے اجتماع سے منع کیا ہے اور اس حدیث سے تمسک کیا ہے: لاتجعلوا قبری عیدا۔ حالاں کہ وہاں نہ کوئی تاریخ معین ہے نہ اجتماع میں تداعی یا اہتمام ہے اور عید کے یہی دو لازم ہیں اور بعض نے خیر القرون میں یہ سفر منقول نہ ہونے سے استدلال کیا ہے، حالاں کہ حضرت عمر بن عبدالعزیز سے جو کہ جلیل القدر تابعی ہیں، ثابت ہے کہ وہ روضہ اقدس پر صرف

سلام پہنچانے کے لئے قصداً قاصد کو بھیجتے تھے اور کسی سے نکیر منقول نہیں تو یہ ایک قسم کا اجماع ہو گیا اور جب دوسرے کا سلام پہنچانے کے لئے سفر جائز ہے لانہ اقرب الی الضرورۃ لکونہ عملا لنفسہ اور وہ روایت یہ ہے فی خلاصہ الوفا ص ۴۷ للسمہودی المتوفی ۱۱۰۱ھ۔ اوقد استفاض عن عمر بن عبدالعزیز انہ کان یبرد البرید عن الشام یقول سلم لی علی رسول اللہ ﷺ وقال الامام ابو بکر بن عمر بن ابی عاصم النھیل من المتقدمین فی مناسک لہ التزم فیھا الثبوت (لعل المراد انہ لا یروی فیھا الا الروایات الثابتۃ المقبولۃ عند اھل الفن) وکان عمر بن عبدالعزیز یبعث بالرسول قاصدا من الشام الی المدینۃ لیقرئ النبی ﷺ السلام ثم یرجع، قلت ان رحیل البرید ھذا لم یکن للصلوۃ فی المسجد وھذا ظاھر لاشبھۃ فیہ۔ (سمہودی کی کتاب خلاصہ الوفا ص ۴۷ میں مذکور ہے کہ عمر بن عبدالعزیز کے متعلق یہ بات مشہور ہے کہ وہ ملک شام سے قاصد کو اس لئے بھیجا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں میرا سلام عرض کرنا اور کہا امام ابو بکر بن عمر بن ابی عاصم (م ۲۸۷ھ) نے اپنی کتاب مناسک میں، جس میں التزام ہے کہ بے اصل روایت نہ لائیں، بیان کیا ہے کہ عمر بن عبدالعزیز ملک شام سے ایک قاصد کو مدینہ بھیجا کرتے تھے کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت مبارک میں سلام عرض کر کے واپس آوے) اور نسائی باب ساعۃ الاجابۃ یوم الجمعتہ میں جو بصرہ بن ابی بصرہ کا قول ہے: لو لقیتك (یا ابا ھریرۃ) من قبل ان تاتیہ (ای الطور) لم تاتہ (اگر میں آپ سے (اے ابو ہریرہ) آپ کے (کوہ طور) جانے سے پہلے ملاقات کر لیتا تو آپ وہاں نہ جا سکتے) اور اس پر حدیث: لاتحمل المطی الا الی ثلثۃ مساجد (نہ سفر کیا جاوے مگر تین مسجدوں کی طرف) سے استدلال فرمایا تو اس سے متعلق سفر لزیارۃ الطور کی ممانعت لازم نہیں آتی بلکہ سفر باعتقاد قربت سے

ممانعت ہے چوں کہ اس کا قربت ہونا کسی دلیل سے ثابت نہیں اور اگر کسی سفر کا موجب قربت ہونا ثابت ہو یا سفر با عتقاد قربت نہ ہو تو وہ اس میں داخل نہیں۔"

☆ امداد الفتاوی معروف بہ فتاوی اشرفیہ ۱۳۴۶ھ مطبوعہ مجتبائی دہلی جلد چہارم کے ص ۱۱ میں ہے:

"سوال: غیر مقلد لوگ اس حدیث سے تمسک پکڑتے ہیں کہ زیارت قبور اور عرس اولیاء عظام پر یا کسی اور متبرک مکان کو سفر کر کے جانا درست نہیں ہے، وہ حدیث یہ ہے: عن ابی سعید الخدری قال قال رسول الله ﷺ لایشد الرحال الا الی ثلثة مساجد مسجد الحرام والمسجد الاقصی ومسجدی هذا۔ اب علمائے کرام سے دریافت کیا جاتا ہے کہ اس حدیث سے ان مقامات مذکورہ پر سفر کر کے جانے والا گناہ گار ہے یا نہیں؟

الجواب: اس حدیث کے معنی یہ ہیں کہ بہ نیت تضاعف صلوۃ (نماز کے زیادہ ثواب کی نیت سے ان تین مسجدوں کے سوا) اور کسی مسجد کی طرف سفر کرنا ممنوع ہے اس (حدیث) کو زیارت قبور سے کوئی علاقہ نہیں۔ (تھانوی ۱۳۲۰ھ)"۔ معجم الشیوخ ص ۳۸۵/۲ میں علامہ حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان الذہبی نے بھی یہی واضح کیا ہے۔

(حدیث میں لاتشد کے الفاظ ہیں، لیکن تھانوی صاحب کی کتاب میں لایشد ہی لکھا ہوا ہے، غالباً یہ کتابت کی غلطی ہے)

فتاوی دار العلوم دیوبند مطبوعہ دار الاشاعت کراچی، جلد پنجم میں ہے۔

"سوال: (۱) کسی بزرگ یا ولی یا پیر کے مزار پر قصد (ارادہ) کر کے اور سفر کر کے جانا کیسا ہے؟ (۲) لڑکا اپنے والدین کے مزار پر غیر ملک میں جا سکتا ہے یا نہیں؟

الجواب:۔ (۱) بغیر کسی خاص دن کی تعیین کے اگر کبھی چلا جائے تو کچھ مضائقہ نہیں،

اولیاء اللہ کے مزارات پر جانا برکت سے خالی نہیں۔ (۲) جا سکتا ہے۔" (ص ۴۵۸)

☆ ص ۴۳۱ میں عنوان ہے "عورت کو قبر پر جانے کی اجازت ہے یا نہیں؟" اس کے جواب میں دیوبند کے مفتی لکھتے ہیں: "بعض فقہاء نے اس کی اجازت دی ہے، بشرطیکہ آہ و بکا نہ ہو لیکن احوط نہ جانا ہی ہے۔" فتاوی کے مرتب کرنے والے جناب محمد ظفیر الدین حاشیہ میں لکھتے ہیں: وبزيارة القبور ولو للنساء لحديث كنت نهيتكم عن زيارة القبور الافزروها (درمختار) قوله بزيارة القبور ای لاباس بها بل تندب الخ وقوله ولو للنساء وقيل تحرم عليهن والاصح ان الرخصة ثابتة لهن بحر، وجزم فی شرح المنية بالكراهة الخ وقال لخير الرملی ان كان ذالك لتجديد الحزن والبكاء والندب علی ماجرت به عادتهن فلا تجوز الخ وان كان للاعتبار والترحم من غير بكاء الخ فلا باس اذا كن عجائز ويكره اذا كن شواب كحضور الجماعة فی المساجد (ردالمحتار باب صلاۃ الجنائز مطلب فی زیارۃ القبور ص ۴۸۳/۱)" (☆)

حدیث شریف میں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے حضرت سیدہ عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو زیارت قبور کے وقت سلام و دعا کرنا تعلیم فرمایا۔ (کتاب الروح ص ۱۱۴۔ معجم الشیوخ علامہ ذہبی، مطبوعہ دار الفکر، بیروت، ص ۳۵۹/۲، حرف الفاء) شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمۃ اللہ علیہ اشعۃ اللمعات شرح مشکوٰۃ ص ۷۱۹/۱

(میں نے قبروں کی زیارت سے منع کیا تھا سن لو اب ان کی زیارت کرو...... اور زیارت قبور میں کوئی حرج نہیں بلکہ پسندیدہ ہے...... اور شرح منیہ میں مکروہ ثابت کیا ہے اور اصح یہ ہے کہ مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے رخصت ثابت ہے اگر یہ زیارت غم تازہ کرنے اور رونے چلانے کے لئے ہے جیسا کہ عورتوں کی عادت ہے تو جائز ہے نہیں اور اگر عبرت حاصل کرنے۔ روئے بغیر رحم کھانے اور صالحین کی قبروں سے برکت لینے کے لئے ہو تو عمر رسیدہ خواتین کے لئے کوئی حرج نہیں۔ مسجد میں جماعت کی حاضری کی طرح اور جوانوں کے لئے ناپسندیدہ ہے۔)

میں فرماتے ہیں، اس حدیث میں عورتوں کے لئے زیارت قبور کے جواز کی دلیل ہے۔
اسی طرح امام نووی شرح مسلم کی پہلی جلد کے ص ۳۱۴ میں فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں ان لوگوں کے لئے دلیل ہے جو عورتوں کے لئے زیارت قبور جائز مانتے ہیں۔
کشف الاسرار عن اصول البزدوی مطبوعہ بیروت کے ص ۱۸۶/۱ میں ہے: وہ فرماتے ہیں "اصح یہ ہے کہ رخصت مردوں اور عورتوں دونوں کے لئے ثابت ہے اس لئے کہ مروی ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہر وقت قبر رسول ﷺ کی زیارت کرتی تھیں اور جب حج کے سفر پر نکلتیں تو (راستے میں واقع) اپنے بھائی عبدالرحمٰن بن ابو بکر کی قبر کی زیارت کرتیں۔"

حضرت امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" میں یہ حدیث نقل کی ہے: "**وقال ابن ابی ملکیه، اقبلت عائشة رضی الله عنها یوما من المقابر فقلت یا ام المومنین من ابن اقبلت؟ قالت من قبراخی عبدالرحمن، فقلت الیس کان رسول الله صلی الله علیه وسلم نهی عنها؟ قالت نعم، ثم امربها۔**" (۵۲۱/۴) اس کا اردو ترجمہ "مذاق العارفین" میں یوں ہے: "اور ابن ملکیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت ام المومنین عائشہ صدیقہ قبرستان سے تشریف لائیں، میں نے عرض کیا کہ آپ کہاں سے تشریف لائیں؟ انہوں نے فرمایا کہ اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر سے، میں نے عرض کیا کہ کیا آں حضرت ﷺ نے زیارت قبور سے منع نہیں فرمایا تھا؟ انہوں نے فرمایا کہ ہاں، اول منع فرمایا تھا پھر اجازت دے دی تھی۔" (۶۳۱/۴)

غیر مقلد وہابی عالم جناب ثناء اللہ امرتسری کے فتاوی ثنائیہ جلد دوم (مطبوعہ اسلامک پبلشنگ ہاؤس، لاہور) کے ص ۶۱ پر اور فتاویٰ نذیریہ جلد اول کے ص ۲۵۷ پر ہے: "مردوں کے واسطے زیارت قبور بالاتفاق سنت ہے اور عورتوں کی نسبت اختلاف

ہے، اکثر علماء کے نزدیک عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور جائز و رخصت ہے اور بعض علماء کے نزدیک مکروہ ہے اور اس اختلاف کی وجہ یہ ہے کہ عورتوں کی زیارت قبور کی نسبت حدیثیں مختلف آئی ہیں۔ جو اہل علم عورتوں کے لئے بھی زیارت قبور کو جائز بتاتے ہیں ان کی پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے ایک عورت کو ایک قبر کے پاس روتے ہوئے دیکھا تو فرمایا کہ اللہ سے ڈر اور صبر کر (رواہ البخاری) اور آپ نے اسے قبر کے پاس بیٹھنے سے منع نہیں فرمایا۔ اور دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول ﷺ نے فرمایا کہ میں نے تم لوگوں کو زیارت قبور سے منع کیا تھا سو تم لوگ قبروں کی زیارت کرو (رواہ مسلم) وہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ اجازت مردوں اور عورتوں دونوں کو شامل ہے (۳) تیسری دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ (رضی اللہ عنہا) نے اپنے بھائی عبدالرحمٰن کی قبر کی تو ان سے کسی نے کہا کہ کیا رسول اللہ ﷺ نے عورتوں کو زیارت قبور سے منع نہیں کیا ہے؟ انہوں نے کہا، ہاں! منع کیا تھا (مگر) پھر ان کو زیارت قبور کا حکم کیا۔ (رواہ الحاکم) (☆)

اور چوتھی دلیل یہ ہے کہ حضرت عائشہ نے رسول اللہ ﷺ سے کہا کہ یا رسول اللہ (ﷺ) جب میں قبروں کی زیارت کروں تو کیا کہوں؟ آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ جب تو قبروں کی زیارت کرے تو کہہ **السلام علی الدیار** الحدیث (رواہ مسلم) اور (۵) پانچویں دلیل یہ ہے کہ حضرت فاطمہ ہر جمعہ کو اپنے چچا کی قبر کی زیارت کرتی تھیں (رواہ الحاکم وھو مرسل) اور (۶) چھٹی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو اپنے باپ ماں دونوں یا ایک کی قبر کی زیارت ہر جمعہ کو کیا کرے تو اس کی مغفرت

(☆) فتاویٰ نذیریہ ج ا کے ص ۶۵۸ میں ہے: "حضرت عائشہ کہنے لگیں جب روکا تھا تو سب کو روکا تھا اور جب اجازت ہوئی تو عورتوں کو بھی ہوگئی...... رسول اللہ ﷺ نے جو زیارت کرنے والی عورتوں کو لعنت کی ہے یہ رخصت سے پہلے تھی جب رخصت ہوگئی، عورتوں مردوں کو ہوگئی۔

کی جاوے گی اور وہ بار لکھا جاوے گا (رواہ البیہقی فی شعب الایمان مرسلا) اور جو لوگ عورتوں کے لئے زیارت قبور مکروہ بتاتے ہیں ان میں بعض مکروہ بکراہت تحریمی کہتے ہیں اور بعض مکروہ بکراہت تنزیہی۔ ان لوگوں کی (۱) پہلی دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر لعنت کی ہے (اخرجہ الترمذی وصححہ) اور (۲) دوسری دلیل یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) کو سامنے آتے ہوئے دیکھا تو پوچھا کہ کہاں سے آتی ہو؟ انہوں نے کہا کہ اس میت کی تعزیت کو گئی تھی۔ آپ (ﷺ) نے فرمایا شاید تو جنازے کے ہمراہ کدیٰ یعنی قبرستان میں گئی تھی۔ انہوں نے کہا، نہیں۔ (اخرجہ احمد والحاکم وغیرہما) ان لوگوں کی یہی دو دلیلیں ہیں۔ علامہ قرطبی نے ان متعارض و مختلف احادیث کی جمع و توفیق میں جو مضمون لکھا ہے اس کا خلاصہ مجیب نے جواب میں لکھ دیا ہے اور علامہ شوکانی نے اس کو اعتماد کے قابل و لائق بتایا ہے اور بلاشبہ جمع و توفیق کی یہ صورت بہت اچھی ہے۔ **واللہ تعالی اعلم وعلمہ اتم۔** کتبہ عبدالرحمٰن مبارک پوری۔ (فتاویٰ نذیریہ ص ۴۰۵/۱)"

فتاویٰ نذیریہ جلد اول (مطبوعہ مکتبۃ المعارف الاسلامیہ، گوجراں والا) کے ص ۶۵۶ میں ہے: "اگر عورت صابر ہے اور اس سے کسی قسم کے فتنہ کا خوف نہیں ہے اور نہ اس امر کا خوف ہے کہ قبرستان میں جاکر روئے گی چلائے گی اور بے صبری کی حرکتیں کرے گی تو اس کے لئے گاہے گاہے زیارت قبور کے مطابق سنت کے جائز و رخصت ہے اور اگر بے صبر ہے اور اس سے امر مذکور کا خوف ہے تو اس کے لئے جائز نہیں۔ نیل الاوطار میں ہے، قرطبی نے کہا قبروں کی زیارت کرنے والی عورتوں پر جو لعنت آئی ہے، یہ بطور مبالغہ ہے اور قبرستان میں اکثر اوقات جانے والی عورتوں کے متعلق ہے کیوں کہ اس سے خاوند کے حقوق ضائع ہوتے ہیں، بے پردگی ہوتی ہے،

بعض دفعہ نوحہ کرنے لگتی ہیں، اگر یہ چیزیں نہ ہوں تو پھر جائز ہے کیوں کہ موت کی یاد کے لئے جیسے مرد محتاج ہیں ایسے ہی عورتیں بھی محتاج ہیں، اس سے دونوں طرح کی حدیثوں کی تطبیق ہو جاتی ہے۔"

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: "حضرت ام جعفر علیہ السلام اپنے باپ امام محمد باقر علیہ السلام سے راوی ہیں کہ حضرت فاطمہ زہرا اپنے چچا حضرت حمزہ کی قبر کی زیارت کو چند روز بعد جایا کرتیں اور اس کے پاس نماز پڑھتیں اور رویا کرتیں۔" (مذاق العارفین، ص ۶۳۲/۴۔ احیاء علوم الدین، ص ۵۲۱/۴)

جناب مفتی محمد شفیع دیوبندی اپنی کتاب "سنت و بدعت" (مطبوعہ ادارۃ المعارف کراچی ۱۹۸۱ء) کے ص ۸۴ پر فرماتے ہیں:

"ایصال ثواب کے لئے قبر پر جانے کی ضرورت نہیں (ثواب) ہر جگہ سے پہنچتا ہے البتہ قبر پر جانے سے دوسرے فوائد ہیں، عامہ مومنین کی قبر پر جانے سے عبرت اور اعزا و اقرباء کی قبروں پر عبرت کے ساتھ ادائے حق بھی اور بزرگوں کی قبروں پر اس کے ساتھ برکات بھی۔"

کتاب "فضائل صدقات" حصہ دوم کے ص ۲۴۷ پر جناب محمد زکریا کاندھلوی فرماتے ہیں: "حضور کا ارشاد ہے کہ میں نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کرنے کی اجازت مانگی تھی، مجھے اس کی زیارت کی اجازت مل گئی۔ تم لوگ قبرستان جایا کرو، اس لئے کہ یہ چیز موت کو یاد دلاتی ہے۔ ایک اور حدیث میں ہے کہ اس سے عبرت ہوتی ہے، ایک اور حدیث میں ہے کہ قبرستان جانے سے دنیا سے بے رغبتی پیدا ہوتی ہے اور آخرت یاد آتی ہے۔"

امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے بھی یہ احادیث اپنی کتاب "احیاء علوم الدین" کے ص ۵۲۱/۴ پر نقل کی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں: "**زیارة القبور مستحبة علی الجملة**

للتذكر والاعتبار، وزيارة قبور الصالحين مستحبة لاجل التبرك مع الاعتبار۔ "قبروں کی زیارت خواہ کسی کی ہوں، موت کی یاد اور عبرت حاصل کرنے کے لئے مستحب ہے اور صلحا کی قبروں کی زیارت عبرت کے علاوہ تبرک کے لئے بھی مستحب ہے۔ (مذاق العارفین، ص ۶۳۱/۴)

کنزالعمال مطبوعہ بیروت ص ۶۵۵/۱۵ میں ہے: "من مر على المقابر وقرأ قل هو الله احد احدى عشرة مرة ثم وهب اجرها للاموات اعطى من الاجر بعدد الاموات۔ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو قبرستان سے گزرے اور سورہ اخلاص گیارہ بار پڑھ کر اس کا ثواب مردوں کو بخش دے اسے مردوں کی تعداد کے مطابق ثواب دیا جائے گا۔ اسے دار قطنی دیلمی اور سلفی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے روایت کیا ہے۔

اردو ترجمہ کتاب "زیارۃ القبور" مصنفہ ابن تیمیہ (م ۷۲۸ھ) (مطبوعہ اقبال بک ڈپو صدر کراچی) کے ص ۱۵ پر ہے: "زیارت قبور کے متعلق مسنون یہ ہے کہ صاحب قبر پر سلام بھیجے اور اس کے حق میں دعا کرے جس طرح جنازہ پر دعا کی جاتی ہے، چناں چہ حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام صحابہ کرام کو یہی تعلیم دیتے تھے۔ فرماتے تھے جب قبور کی زیارت کرو تو یہاں کرو: السلام عليكم يا اهل ديار قوم مومنين وانا ان شاء الله بكم لاحقون، يرحم الله المستقدمين منا والمستاخرين نسال الله لنا ولكم العافية، اللهم لاتحرمنا اجرهم ولا تفتنا بعدهم۔ اے مومنین کی بستی کے رہنے والو! تم پر سلام ہو ہم انشاء اللہ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں اللہ تعالیٰ ہمارے اگلوں اور پچھلوں پر رحم کرے، ہم اللہ سے اپنے لئے اور تمہارے لئے طالب عافیت ہیں۔ مولیٰ! ہمیں ان کے اجر سے محروم نہ کیجیو اور ان کے بعد ہمیں فتنہ میں نہ ڈالیو۔

(۲) حضور (ﷺ) نے فرمایا: ما من رجل يمر بقبر رجل كان يعرفه في

الدنيا فيسلم عليه الارد الله روحه حتى يرد عليه السلام۔ جب کسی شخص کا گزر کسی آشنا کی قبر پر ہوتا ہے اور وہ اس پر سلام بھیجتا ہے تو خدا تعالیٰ اس کی روح اس کی طرف پھیر دیتا ہے اور وہ اپنے بھائی کے سلام کا جواب دیتا ہے۔" (اس حدیث کو امام غزالی نے بھی اپنی کتاب احیاء علوم الدین میں نقل کیا ہے۔ ۵۲۲/۴)

جناب اسماعیل دہلوی کی "صراط مستقیم" میں ہے: "وخواندن سورہ یس است کہ بقید روز جمعہ وزیارت قبر والدین وارد شدہ۔" اور ہر جمعہ کے دن والدین کی قبر پر جاکر سورہ یٰسین کا پڑھنا اور والدین کی قبر کی زیارت کرنا (حدیث میں) وارد ہوا ہے۔ (ص ۵۵، مطبوعہ مجتبائی دہلی)

حضرت امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے "احیاء علوم الدین" میں یہ حدیث نقل کی ہے: "وقال النبي صلى الله عليه وسلم من زار قبر والديه او احدهما في كل جمعة غفرله وكتب برا۔" (ص ۵۲۱/۴، مطبوعہ دارالفکر، بیروت، ۱۹۹۴ء) اس کا اردو ترجمہ جناب محمد احسن نانوتوی لکھتے ہیں۔ "اور آں حضرت ﷺ فرماتے ہیں کہ جو شخص ہر جمعہ کو اپنے ماں باپ خواہ ایک کی قبر کی زیارت کرے تو اس کے گناہ بخش دیئے جاتے ہیں اور نیک لکھا جاتا ہے۔" (مذاق العارفین، ص ۶۳۲/۴۔ مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ)

علامہ ابن قیم جوزی نے بھی "الروح" (مطبوعہ دارالحدیث مصر ۱۹۸۹ء) کے ص ۵ پر زیارت قبور کے حوالے سے وہ احادیث نقل کی ہیں جو ذکر کی جا چکی ہیں۔

حاجی امداد اللہ صاحب مہاجر مکی علیہ الرحمہ کے بارے میں جناب اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں: "اور اکثر انتہائے سفر بسمت پیران کلیر (م ۶۹۱ھ) ودہلی بغرض زیارت قطب الدین بختیار کاکی (م ۶۳۴ھ) قدسنا الله باسراره ودیگر بزرگان کہ ان مقامات میں آسودہ ہیں، ہوتا تھا اور بمقام پانی پت واسطے زیارت حضرت شیخ شمس الدین پانی پتی و حضرت شیخ کبیر الاولیاء جلال الدین پانی پتی کے جاتے تھے۔" (امداد المشتاق مطبوعہ

اشرف المطابع تھانہ بھون ۱۹۲۹ء، ص ۲۶)

شوق وطن، ص ۴۲ میں ہے: "**عن عائشة قلت قال رسول الله ﷺ ما من رجل یزاور اخاه ویجلس عنده الا استانس به ورد علیه حتی یقوم۔** (اخرجه ابن ابی الدنیا فی کتاب المقتون) ترجمہ: حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی (مسلمان) کی (قبر کی) زیارت کرتا ہے اور اس کے پاس بیٹھتا ہے وہ اس سے مانوس ہوتا ہے اور اس کے سلام کا جواب دیتا ہے یہاں تک کہ یہ جانے والا اٹھ کھڑا ہو۔"

اسی صفحے میں ہے: "**عن ابن عباس قال قال رسول الله ﷺ ما من احد یمر بقبر اخیه المومن کان یعرفه فی الدنیا فیسلم علیه الاعرفه ورد علیه السلام۔** (اخرجه ابن عبدالبر وصححه عبدالحق) ترجمہ: حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص اپنے بھائی مسلمان کی قبر پر گزرتا ہے جس کو دنیا میں پہچانتا تھا اور اس کو سلام کرتا ہے وہ اس کو پہچانتا ہے اور سلام کا جواب دیتا ہے۔" (امام غزالی رحمتہ اللہ علیہ نے "احیاء علوم الدین" کے ص ۵۲۲/۴ میں ان احادیث کو نقل کیا ہے)

تھانوی صاحب لکھتے ہیں: "جو یہ بات عوام کے خیال میں جمی ہوئی ہے کہ مردے یوں ہی بے کس بے بس تنہائی میں پڑے ہوئے گھٹا کریں گے۔ یہ خیال غلط ہے بلکہ دنیا میں جس قدر سامان عیش کسی کے پاس ہو سکتا ہے وہ سب بلکہ اس سے زیادہ اور عمدہ عالم برزخ میں نصیب ہوگا۔" (ص ۴۵)

صحیح مسلم شریف ص ۱۸۳/۱ میں ہے، امیر المومنین سیدنا عمر فاروق رضی اللہ عنہ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ (جنگ بدر سے ایک دن پہلے) ہمیں کفار بدر کی قتل گاہیں دکھاتے تھے کہ یہاں فلاں کافر قتل ہوگا یہاں فلاں۔ جہاں جہاں

حضور نے بتایا تھا وہیں وہیں ان کافروں کی لاشیں گریں، پھر نبی پاک ﷺ کے حکم سے وہ تمام لاشیں ایک کنویں میں بھر دی گئیں، نبی پاک ﷺ وہاں تشریف لے گئے اور ان کافروں کو ان کے باپوں سمیت نام لے کر انہیں پکارا اور فرمایا تم نے بھی پایا جو سچا وعدہ اللہ اور اس کے رسول نے تمہیں دیا تھا کہ میں نے تو پالیا جو سچا وعدہ اللہ نے مجھے دیا تھا۔ حضرت عمر نے عرض کی، یا رسول اللہ (ﷺ) آپ ان جسموں سے کیوں کر کلام کرتے ہیں جن میں روحیں نہیں، فرمایا میں جو کہہ رہا ہوں اسے کچھ تم ان سے زیادہ نہیں سنتے مگر انہیں یہ طاقت نہیں ہے کہ مجھے لوٹ کر جواب دیں۔

(التذکرہ ص ۱۶۴ میں علامہ قرطبی نے اس حدیث کو نقل کیا ہے اور امام غزالی نے احیاء علوم الدین میں اسے نقل کیا ہے۔ ص ۳۰۵/۱۔ مذاق العارفین اردو ترجمہ احیاء علوم الدین مطبوعہ نول کشور، لکھنؤ، ۱۹۲۹ء۔)

حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "زیارت کبھی قبر والوں کے حق کی ادائی کے لئے ہوتی ہے۔ حدیث شریف (**آنس مایکون المیت فی قبره اذا زاره من کانه یحبه فی دارالدنیا**) میں آیا ہے کہ میت کے لئے سب سے زیادہ مانوس (انس کی) حالت وہ ہوتی ہے جب اس کا کوئی پیارا آشنا (جاننے والا) اس کی قبر کی زیارت کے لئے آتا ہے، اس باب میں بہت سی احادیث ہیں۔" (جذب القلوب مطبع نول کشور، ص ۲۱۳)

تفسیر کبیر میں ہے: "حضور اقدس ﷺ ہر سال شہدائے احد کے مزار پر تشریف لے جاتے اور انہیں سلام کر کے یہ آیت پڑھتے: **علیکم بما صبرتم فنعم عقبی الدار۔** اور اسی طرح خلفائے اربعہ (حضرت ابو بکر، حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت علی رضی اللہ عنہم) بھی کرتے۔" (تفسیر کبیر، امام رازی، مطبوعہ مصر، ص ۴۵/۱۷۔ یہی روایت تفسیر ابن جریر مطبوعہ مصر ص ۸۴/۱۳ میں ہے)

☆ فتاویٰ عزیزی (مطبوعہ مطبع مجیدی کان پور) کے ص۴۲۵/۱ میں ہے:

"سوال: زیارت قبور کی ترکیب ارشاد ہووے۔

جواب: جب عوام مومنین کی قبر کی زیارت کے لئے جاوے تو پہلے قبلہ کی طرف پشت کر کے اور میت کے سینہ کے سامنے مونھ کرے اور سورۂ فاتحہ ایک مرتبہ اور سورۂ قل ھو اللہ احد تین مرتبہ پڑھے اور جب مقبرہ میں جاوے تو یہ کہے السلام علیکم یا اھل الدیار من المومنین والمسلمین یغفر اللہ لنا ولکم وانا انشاء اللہ بکم لاحقون۔ یعنی سلام ہو تم لوگوں پر اے اہل دیار مومنین اور مسلمین سے، بخشش فرماوے اللہ تعالیٰ ہمارے حق میں اور تمہارے حق میں اور ہم انشاء اللہ تعالیٰ تمہارے ساتھ ملنے والے ہیں۔ اور اگر من جملہ اولیاء اور صلحا کے کسی بزرگ کی قبر کی زیارت کے لئے جاوے تو چاہئے کہ اس بزرگ کے سینہ کی طرف مونھ کر کے بیٹھے اور اکیس مرتبہ چار ضرب سے یہ پڑھے: سبوح قدوس ربنا ورب الملائکۃ والروح۔ اور سورۂ انا انزلنٰہ تین مرتبہ پڑھے اور دل سے خطرات کو دور کرے اور دل کو اس بزرگ کے سینہ کے سامنے رکھے تو اس بزرگ کے روح کی برکات، زیارت کرنے والے کے دل میں پہنچیں گے۔"

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ (م ۵۰۵ھ) فرماتے ہیں: "وکان اذا حضر الی المقابر لیزورھا یقول صلی اللہ علیہ وسلم: سلاما علی اھل الدیار من المسلمین والمومنین، وانا ان شاء اللہ بکم لاحقون؛ انتم لنا فرط ونحن لکم تبع، اللھم اغفرلنا ولھم وتجاوز بعفوک عنا وعنھم. فکان یعلم نساءہ صلی اللہ علیہ وسلم. اذا خرج النساء الی المقابر یقول لھن قولوا ھذا الکلام، ویعلمھن ایاہ...... ورسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال: ما من احدمنکم یمر قبر اخیہ المومن یعرفہ فی الدنیا فیسلم علیہ الاعرفہ ورد

علیہ۔" (الدرۃ الفاخرہ فی کشف علوم الآخرہ، ص ۱۱۲۔ مطبوعہ دارالکتب العلمیہ، بیروت۔ ۱۴۱۴ھ)

مجموعہ زبدۃ النصائح میں شائع ہونے والے حضرت شاہ عبدالعزیز محدث دہلوی رحمہ اللہ علیہ کے رسالہ "ذبیحہ" میں ہے: "صالحین کی قبروں کی زیارت اور ان (کی زیارت سے) سے برکت حاصل کرنا اور ایصال ثواب، تلاوت قرآن، دعائے خیر اور تقسیم طعام و شیرینی بہت ہی اچھا اور خوب ہے اور اس پر علمائے کرام کا اجماع ہے اور عرس کے دن کا تعین اس لئے ہے کہ وہ دن ان کے دارالعمل سے دارالثواب کی طرف جانے کی یاددہانی و یادگیری کا ہے ورنہ جس دن بھی یہ (زیارت و ایصال ثواب کا) کام ہو فلاح و نجات کا سبب ہے اور خلف (بعد والوں) کے لئے لازم ہے کہ وہ اپنے سلف (پہلوں) کے لئے اس طرح کی بھلائی اور نیکی کرتے رہیں...... اور ابن المنذر اور ابن مردویہ نے حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے روایت کی کہ رسول اللہ ﷺ ہر سال احد تشریف لاتے اور شہدا کی قبروں پر سلام کرتے...... امام ابن جریر نے اپنی تفسیر میں حضرت محمد بن ابراہیم سے روایت کی کہ نبی کریم ﷺ ہر سال کے شروع میں شہدا کی قبروں پر تشریف لے جاتے اور سلام کہتے اور حضور ﷺ کے بعد خلفائے کرام بھی ایسا ہی کرتے۔"

امام شعبی رحمۃ اللہ علیہ (م ۱۰۴ھ) فرماتے ہیں: "کانت الانصار اذا مات لھم المیت اختلفوا الی قبرہ یقرؤن لہ القرآن: انصار کا طریقہ تھا کہ جب ان کا کوئی وفات پا جاتا تو وہ بار بار اس کی قبر پر جاتے اور اس کے لئے قرآن پڑھتے۔" (شرح الصدور، ص ۱۳۰۔ کتاب الروح ابن قیم، ص ۱۰)

امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "آں حضرت ﷺ نے فرمایا ہے کہ جب تم میں سے کوئی مر جاوے اور اس کو تم مٹی دے چکو تو چاہئے کہ ایک شخص تم میں سے اس

کی قبر کے سرہانے کھڑا ہو اور کہے کہ اے فلاں شخص فلانی عورت کے بیٹے! وہ سنے گا تو
مگر جواب نہیں دے گا، پھر اسے دوبارہ اسی طرح پکارے، وہ سیدھا بیٹھ جاوے گا، پھر
تیسری دفعہ اسی طرح کہے، وہ کہے گا کہ ارشاد کر، خدائے تعالیٰ تجھ پر رحم کرے مگر تم
اس (قبر والے کے) جواب کو نہ سنو گے، پھر اس سے کہے کہ یاد کر اس چیز کو جس پر تو
دنیا سے اٹھا ہے یعنی گواہی لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (ﷺ) کی اور یہ کہ تو اس بات پر
راضی ہوا کہ تیرا پروردگار اللہ ہے اور دین اسلام ہے اور محمد ﷺ نبی ہیں اور قرآن امام
ہے، اس لئے کہ اگر یہ اس کو سنادو گے تو منکر اور نکیر اس (قبر والے کے) پاس سے
ہٹ جاویں گے اور یوں کہیں گے کہ یہاں سے چل دو، اس شخص کے پاس ہم کیوں
بیٹھیں اس کو تو حجت سکھلا دی گئی اور اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف سے منکر نکیر کو
جواب دے گا۔ ایک شخص نے عرض کیا، یارسول اللہ (ﷺ) اگر اس کی ماں کا نام
معلوم نہ ہو، آپ (ﷺ) نے فرمایا کہ اس کو حوا کا لڑکا کہہ کر پکارے، انتہی۔"

(مذاق العارفین، ص ۶۳۴/ ۴۔ ص ۵۲۳/ ۴)

☆ اردو ترجمہ "زیارۃ القبور" مصنفہ ابن تیمیہ میں ص ۷۲ پر ہے: "علماء کا اتفاق ہے کہ
جو شخص روضہ مبارک یا انبیاء و صالحین، صحابہ یا اہل بیت وغیرہم کے مزارات کی
زیارت کرے اس کو ان کا چھونا یا بوسہ دینا جائز نہیں...... اور امام احمد اور ان کے
موافقین نے اس کو جائز رکھا ہے۔"

عالم مدینہ علامہ سید نور الدین سمہودی "خلاصۃ الوفاء" میں نقل فرماتے ہیں: "امام
احمد بن حنبل (م ۲۴۱ھ) کے فرزند امام عبد اللہ (م ۲۹۰ھ) فرماتے ہیں میں نے اپنے
والد گرامی سے پوچھا، کوئی شخص نبی پاک ﷺ کے منبر کو چھوئے اور بوسہ دے اور
ثواب الٰہی کی امید پر ایسا ہی فعل قبر شریف کے ساتھ کرے تو (امام احمد بن حنبل نے)
فرمایا اس میں کچھ حرج نہیں۔ عربی عبارت یوں ہے: **و فی کتاب العلل**

**والسئوالات لعبد الله بن احمد بن حنبل سالت ابی عن الرجل یمس منبر
النبی ﷺ تبرك بمسه وتقبیله ویفعل بالقبر مثل ذلك جاء ثواب الله تعالی
فقال لا باس به**۔ (وفاء الوفا مطبوعہ بیروت ص ۱۴۰۴/ ۴۔ معجم الشیوخ ذہبی، ص
۴۵/ ۱، حرف الالف)

مسند احمد ص ۴۲۲/ ۵ (مطبوعہ بیروت) اور المستدرک امام حاکم اور تاریخ مدینۃ
دمشق ابن عساکر ص ۲۴۹/ ۵۷ (مطبوعہ دار الفکر، بیروت) میں حدیث ہے کہ: **اقبل
مروان یوما فوجد رجلا واضعا وجهه علی القبر فاخذ مروان برقبته ثم قال
هل تدری ماتصنع فاقبل علیه فقال نعم انی لم آت الحجر انما جئت
رسول الله ﷺ ولم آت الحجر، سمعت رسول الله ﷺ یقول لا تبکوا
علی الدین اذا ولیه اهله ولکن ابکوا علی الدین اذا ولیه غیر اهله**۔ مروان
(م ۶۵ھ) نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ رسول کریم ﷺ کی قبر انور پر مونھ رکھے قبر
شریف سے لپٹا ہوا ہے، مروان نے اس شخص کی گردن پکڑ کر کہا، جانتے ہو یہ تم کیا کر
رہے ہو؟ اس شخص نے مروان کی طرف مونھ کیا (تو وہ حضرت ابو ایوب انصاری
رضی اللہ عنہ (م ۵۲ھ) تھے) انہوں نے مروان سے کہا! (جانتا ہوں کہ کیا کر رہا ہوں)
میں کسی پتھر کے پاس نہیں آیا، میں تو رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا ہوں۔ میں نے
رسول اللہ ﷺ کو فرماتے سنا، دین پر نہ روؤ جب اس کا والی اس کا اہل ہو، ہاں دین پر روؤ
جب نااہل اس کا والی ہو۔ (یعنی میں اپنے آقا کے پاس آیا ہوں اور ان سے لپٹ کر ان کی
آغوش میں اپنا مونھ رکھ کر رو رہا ہوں۔ اس مروان کو وہ یہ جواب دے رہے تھے کہ تو
نااہل ہے)۔

ابن عساکر نے صحیح سند کے ساتھ حضرت ابو درداء (م ۳۲ھ) سے روایت کیا کہ
"حضرت سیدنا بلال رضی اللہ عنہ (م ۲۰ھ) نے (جو ملک شام کو چلے گئے تھے) نبی پاک

ﷺ کو (خواب میں) دیکھا کہ نبی پاک ﷺ ان (بلال) سے فرماتے ہیں، یہ کیا بے رخی ہے اے بلال! کیا وہ وقت نہیں آیا کہ تم میری زیارت کو آؤ؟ حضرت بلال جاگے تو غمگین اور ڈرے ہوئے تھے، پس زیارت کا ارادہ کر کے مدینہ جانے کے لئے سوار ہوئے، رسول کریم ﷺ کی قبر اقدس پر حاضر ہو کر روئے اور اپنا موئنہ قبر شریف پر ملتے تھے۔" (وفاء الوفاء مطبوعہ بیروت ص ۱۳۵٦/٤) امام سمہودی فرماتے ہیں کہ حضرت بلال نے رسول کریم ﷺ کی قبر انور پر اپنے دونوں رخسار رکھے اور ابن عمر رضی اللہ عنہما اپنا دایاں ہاتھ قبر پر رکھتے اور اسمٰعیل تیمی سے نقل کیا کہ ابن المنکدر (تابعی) کو کوئی ایسی مصیبت ہوتی کہ کلام نہ کر پاتے تو وہ کھڑے ہو جاتے اور نبی پاک ﷺ کی قبر شریف پر اپنا رخسار (گال) رکھتے، کسی نے انہیں ٹوکا تو انہوں نے فرمایا کہ میں نبی پاک ﷺ کی قبر سے شفا حاصل کرتا ہوں۔" (وفاء الوفاء مطبوعہ بیروت ص ۱٤۰٦/٤)

اسی کتاب میں علامہ سمہودی نے ابن ابی الصیف اور محب طبری سے بھی نقل کیا کہ اولیاء اللہ کے مزارات کو بوسہ دینا جائز ہے۔

کنز العمال مطبوعہ حیدر آباد دکن جلد دوم کے ص ۲٤۸ پر ہے: "حضرت علی کرم اللہ وجہہ (م ٤۰ھ) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کی وفات شریف کے تین دن بعد ایک اعرابی آیا، وہ رسول کریم کی وفات شریف سے بہت غم زدہ ہوا، قبر شریف پر آیا اور رسول کریم ﷺ کی قبر انور پر (شدت غم کی وجہ سے) گر گیا، قبر شریف کی خاک اپنے چہرے پر ڈالتا تھا اور کہتا تھا آپ نے فرمایا تو ہم نے سنا آپ کا فرمانا اور آپ نے اللہ سے سنا ہم نے آپ سے سنا اور جو کلام آپ پر نازل ہوا اس میں ہے کہ **ولو انھم اذ ظلموا انفسھم** الخ اور بے شک میں نے اپنی جان پر ظلم کیا اور آپ کے پاس آیا ہوں آپ میرے لئے استغفار فرمائیں تو قبر رسول سے آواز آئی اللہ نے تجھے بخش دیا۔" (تفسیر المدارک اور تفسیر خزائن العرفان میں بھی یہ واقعہ درج ہے)

حضرت مفتی احمد یار خان نعیمی اپنی کتاب "جاء الحق" میں عالم گیری کے حوالے سے لکھتے ہیں: **لا باس بتقبیل قبر والدیہ، کذافی فی الغرائب**، اپنے ماں باپ کی قبریں چومنے میں حرج نہیں۔" (ص ۲۷۱)

☆ اعلیٰ حضرت امام اہل سنت مولانا شاہ احمد رضا خاں بریلوی رحمتہ القوی (م ۱۳٤۰ھ) فرماتے ہیں کہ عالم گیری میں ہے کہ قبروں پر گلاب وغیرہ کے پھول رکھنا اچھا ہے اور رد المحتار میں ہے کہ پھول جب تک تر و تازہ رہتا ہے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کر کے میت کا دل بہلاتا ہے اور خدا کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے، اس بات سے اور حدیث شریف کے اتباع کے لحاظ سے اس کا (مندوب) پسندیدہ ہونا ثابت ہوتا ہے اسی پر اس کا قیاس بھی ہوگا جو ہمارے زمانے میں آس وغیرہ کی شاخیں رکھنے کا دستور ہے۔ (رد المحتار مطبوعہ مصر ص ٦۰۷/۱)۔ فاضل بریلوی مزید فرماتے ہیں: اگر بتی قبر کے اوپر رکھ کر نہ جلائی جائے، اس میں سوء ادب اور بد فالی ہے، ہاں قبر کے قریب خالی زمین پر رکھ کر سلگائیں کہ خوش بو محبوب ہے۔ فرماتے ہیں: اگر بتی جلانا اگر تلاوت قرآن کے وقت تعظیم قرآن کے لئے ہو یا وہاں کچھ لوگ بیٹھے ہوں، ان کی ترویح کے لئے ہو تو مستحسن ہے۔

حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "اور پھول اور خوش بو کی چیز قبر پر رکھنا اس سے ماخوذ ہے کہ میت کے کفن میں کافور وغیرہ خوش بو کی چیزیں لگانا شرعاً ثابت ہے، خوش بو کی چیز قبر پر رکھنے سے میت کو سرور ہوتا ہے۔" (ص ۲۲۸/۱۔ فتاوی عزیزی)

میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت خطیب اعظم حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی علیہ رحمتہ الباری (م ۱٤۰٤ھ) اپنے رسالہ "ثواب العبادات الی ارواح الاموات" کے ص ۷۱ پر فرماتے ہیں: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ

حضور ﷺ دو قبروں کے پاس سے گزرے تو فرمایا کہ ان دونوں قبر والوں کو عذاب ہو رہا ہے اور وہ کسی بہت بڑے گناہ کی وجہ سے نہیں بلکہ ایک تو پیشاب کرنے کے وقت چھینٹوں سے نہیں بچتا تھا اور دوسرا چغل خور تھا۔

ثم اخذ جريدة رطبة فشقها بنصفين ثم غرز فى كل قبر واحدة، قالو يارسول الله لم صنعت هذا؟ فقال لعله ان يخفف عنهما مالم ييبسا۔ (بخاری، مسلم، مشکوٰۃ ص ۴۲۔ کتاب الروح ص ۵۰۔ التذکرہ ص ۸۴) پھر آپ (ﷺ) نے کھجور کی ایک تر شاخ لی اور درمیان سے چیر کر اس کے دو حصے کر کے دونوں قبروں پر ایک ایک حصہ گاڑ دیا۔ صحابہ کرام (رضوان اللہ علیہم اجمعین) نے عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ) آپ نے ایسا کیوں کیا؟ فرمایا اس لئے کہ (جب تک یہ شاخیں ہری رہیں گی) ان کے عذاب میں تخفیف رہے گی۔

اس حدیث میں چند باتیں قابل غور ہیں (اول) یہ کہ حضور اکرم ﷺ سے عالم برزخ کا حال بھی پوشیدہ نہیں ہے۔ (دوم) یہ کہ وہ قبر والے اپنی زندگی میں جس گناہ کا ارتکاب کر کے گرفتارِ عذاب ہوئے تھے آپ (ﷺ) کو اس کا علم تھا۔ (سوم) یہ کہ آپ نے تر شاخیں قبر پر رکھ کر ان کو تخفیف عذاب کا باعث قرار دیا۔ اب سوال یہ ہے کہ تخفیف عذاب کا باعث صرف وہ شاخیں تھیں یا کچھ اور؟ صرف شاخوں کو قرار دیا جائے تو (شاخوں کے) سوکھنے کے بعد شاخوں کا قبر پر ہونا باعث تخفیف عذاب ہونا چاہئے۔ حالاں کہ ایسا نہیں۔ معلوم ہوا کہ تخفیف عذاب کا باعث صرف وہ شاخیں ہی نہیں بلکہ ان کی تسبیح ہے جو وہ پڑھتی ہیں کیوں کہ **وان من شیء الا يسبح بحمده** (الآیہ) ہر چیز اللہ کی تسبیح بیان کرتی ہے۔ اور چوں کہ شاخوں کا سوکھ جانا ان (شاخوں) کی موت ہے اور موت سے تسبیح موقوف ہو گی لہٰذا ثابت ہوا کہ تخفیف عذاب کا باعث شاخوں کی تسبیح تھی۔

نیز یہاں سے یہ بھی ثابت ہوا کہ قبروں پر پھول ڈالنا جائز ہے کیوں کہ کھجور کی تر شاخوں کی طرح تروتازہ پھول وغیرہ بھی اللہ تعالیٰ کی تسبیح پڑھتے ہیں۔

بعض لوگ یہ کہا کرتے ہیں کہ حضور اکرم ﷺ نے شاخیں اس لئے رکھیں کہ ان سے عذاب میں تخفیف ہو جائے تو تم جو اولیاء اللہ کی قبروں پر پھول ڈالتے ہو تو معلوم ہوا کہ تم ان کو گرفتار عذاب سمجھتے ہو اور اس لئے پھول ڈالتے ہو کہ ان کے عذاب میں کمی ہو جائے، تو اس کے متعلق عرض یہ ہے کہ تسبیح صرف ان لوگوں ہی کو مفید نہیں جو گرفتار عذاب ہوں بلکہ ان کو بھی مفید ہے جو غریق رحمت ہوں، اگر تسبیح گرفتار عذاب کے لئے تخفیف عذاب کا باعث ہے تو غریق رحمت کے لئے خوشی و مسرت اور رفع درجات کا باعث ہے، چناں چہ بہت سے صحابہ کرام اور بزرگان دین نے بوقت وفات وصیتیں کی ہیں کہ ہماری قبروں پر کھجور کی تر شاخیں رکھا کرنا، نہیں معلوم یہ منکرین ان پاک لوگوں کے متعلق کیا گمان کریں گے؟"

جناب اشرف علی تھانوی "التکشف" کے ص ۶۳۹ پر لکھتے ہیں: حضرت ابو بریدہ سے روایت ہے کہ انہوں نے یہ وصیت کی تھی کہ ان کی قبر پر دو شاخیں کھجور کی رکھ دی جاویں۔ روایت کیا اس کو بخاری نے ترجمہ الباب میں۔ ف: درخت نشاندن برائے تسبیح، بعض لوگوں کی درخت لگانے سے یہ نیت ہوتی ہے کہ اس کے ذکر و تسبیح سے میت کو نفع و انس ہو گا، اس حدیث سے اس کی اصل نکلتی ہے۔)

ردالمحتار مطبوعہ مصر ۶۰۶/۱، اور فتاویٰ قاضی خاں مطبوعہ نول کشور لکھنو کے ص ۱۹۵/۱ میں ہے: **واللفظ الخانيه يكره قطع الحطب والحشيش من المقبرة فان كان يابسا لا باس به لانه مادام رطبا يسبح فيونس الميت و تنزل بذكره الرحمه۔** چوب و گیاہ سبز کام مقبرہ سے کاٹنا (مکروہ) ناپسندیدہ ہے اور خشک ہو تو کوئی حرج نہیں کیوں کہ جب تک وہ تر رہتی ہے اللہ کی تسبیح کرتی ہے تو اس سے میت

کا جی بہلتا ہے اور اس کے ذکر سے رحمت نازل ہوتی ہے۔ حضرت فاضل بریلوی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: مجمع البرکات میں مطالب المومنین اور کنزالعباد و فتاوی غرائب وغیرہا میں ہے: **وضع الورد والریاحین علی القبور حسن لانه مادام رطبا یسبح ویکون للمیت انس بتسبیحه۔** گلاب کے اور خوش بو والے پھول قبروں پر ڈالنا اچھا ہے کہ جب تک تازہ رہیں گے اللہ تعالیٰ کی تسبیح کریں گے اور میت کو ان کی تسبیح سے انس حاصل ہوگا۔ (فتاویٰ ہندیہ مطبوعہ پشاور ص ۳۵۱/۵)

بزرگوں کے مزارات پر پھول ڈالنا یا ان کی قبر شریف کے گرد عمارت بنانا یا ان پر چراغ روشن کرنے کے بارے میں علمائے اسلام فرماتے ہیں: **تعظیما روح المشرقة علی تراب جسده۔** یعنی ان کی روح کی تعظیم کی جاتی ہے اور لوگوں کو دکھایا جاتا ہے کہ یہ مزار محبوب کا ہے۔ (الحدیقہ الندیہ ص ۶۳۰/۲)

☆ حضرت شیخ محقق شاہ عبدالحق محدث دہلوی رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں: ”صالحین اپنے زائرین کے ادب کے مطابق ان کی بے پناہ مدد فرماتے ہیں۔“

(اشعۃ اللمعات ص ۷۲۰/۱)

جناب اشرفعلی تھانوی اپنی کتاب ”التکشف“ (مطبوعہ سجاد پبلشرز، لاہور) کے ص ۶۶۳ میں حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: ”ف: ادب موتی کالاحیاء، بزرگوں نے لکھا ہے کہ ہر مردہ کی قبر پر حاضر ہو کر اس کا اتنا ادب کرے کہ جتنا حالت حیات میں کرتا تھا۔“

☆ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی (م ۱۱۷۶ھ) ”فیوض الحرمین“ میں لکھتے ہیں: ”کامل بندے کا جب انتقال ہوتا ہے تو نہ وہ خود گم ہوتا ہے نہ ہی اس کا کمال بلکہ بدستور اپنے حال پر رہتے ہیں۔“

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے فتاویٰ میں سیدی محمد عبدری کا قول نقل فرماتے

ہیں: ”زائر ان کی بارگاہ میں حاضر ہو اور اس پر متعین ہے کہ دور دراز سے ان کی زیارت کا قصد و ارادہ کرے، پھر جب ان کی بارگاہ میں حاضری اور باریابی کا شرف حاصل ہو تو لازم ہے کہ عاجزی و انکساری، مسکینی و فقیری، محتاجی و فاقہ و بے چارگی اور فروتنی و فرماں برداری سے متصف ہو (یعنی ان کو اپنائے) اور ان اہل اللہ کی بارگاہ میں فریاد کرے، ان سے اپنی حاجت روائی چاہے اور یقین کرے کہ ان کی برکت سے قبولیت ہوگی کیوں کہ وہ (اللہ کے پیارے) اللہ تعالیٰ کے کھلے دروازے ہیں اور اللہ کریم کی سنت جاری ہے کہ ان کے ہاتھ پر ان کی برکت سے لوگوں کی حاجت روائی ہوتی ہے۔“ (المدخل، فصل فی زیارۃ القبور، ص ۲۵۲/۱۔ مطبوعہ بیروت)

حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی فرماتے ہیں: ”(چاہئے کہ) ان (اہل اللہ) کی قبروں کی زیارت کو جائے اور وہاں (جاکر ان سے خیر کی) بھیک مانگے۔“ (ہمعات، مطبوعہ حیدر آباد، ص ۳۴)

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ جل شانہ ہمارا خالق و مالک اور صرف وہی ہمارا معبود ہے، اس کے سوا کوئی متصرف حقیقی اور ذاتی و حقیقی مستعان نہیں، اللہ کریم نے اپنی مخلوق میں جس کسی کو جو کمال اور جس خصوصیت سے نوازا، وہ اس کی عطا اور اس کا فضل ہے، وہ اپنے پیاروں کے ذریعے اپنی مخلوق کو فیض پہنچاتا ہے، اللہ والوں سے اللہ تعالیٰ ہی کا فیض و کرم اور اللہ تعالیٰ ہی کی رحمت و برکت کائنات کو پہنچ رہی ہے۔

ہم قرآن کریم اور احادیث مبارکہ کے ساتھ ساتھ قرآن و سنت کے پابند علماء و اولیاء کے اقوال و افعال کو بھی اسلامی تعلیمات ہی کی روشنی میں مانتے اور قبول کرتے ہیں اور اہل اللہ (اللہ والوں) کی تعظیم و تکریم اور ان سے محبت و عقیدت بھی اسلامی تعلیمات کے مطابق رکھتے ہیں۔ اللہ والوں کی ذات و صفات، ان کے کمالات وغیرہ ہمارے معبود کریم اللہ تعالیٰ کے مظاہر قدرت ہیں۔ اللہ والوں کے آستانے، ان کے مزارات وغیرہ اللہ کریم ہی کی رحمتوں برکتوں کے مراکز ہیں۔ یہ ہستیاں اور ان کی بارگاہیں رجوع الی اللہ ہی کے کشادہ در ہیں۔ اللہ والے وہ ہستیاں ہیں جن کے راستے اور طریق پر چلنے کی ہم نماز کی ہر رکعت میں دعا کرتے ہیں، اللہ تعالیٰ سے یہی دعا ہے کہ وہ ہمیں شریعت و سنت کا پابند رکھے اور عند اللہ جو حق ہے ہم اسی کے قائل و قابل اور عامل رہیں۔

رسول کریم ﷺ، ان کے اصحاب و اہل بیت، ان کی امت کے اولیاء و علمائے حق سے ہمارا رشتہ عقیدت و محبت اللہ کے لئے ہے اور سرمایہ ایمان و ذریعہ نجات ہے۔ اللہ کریم اسے پختہ اور قائم رکھے۔

اس فقیر نے رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے بیان کے بعد قبر کے احکام و آداب بھی کسی قدر تحریر کئے ہیں اور کوشش کی ہے کہ اس موضوع پر ضروری باتیں جمع ہو جائیں، اپنی ہر کوتاہی و غلطی پر اللہ کریم سے طالب عفو و درگزر

ہوں اور آپ سب سے نیک دعائیں چاہتا ہوں۔ اللہ کریم میری اس کاوش کو سبھی کے لئے مفید و نافع فرمائے۔ آمین

وصلی اللہ علیٰ حبیبہ سیدنا محمد و آلہ و اصحابہ و بارك وسلم

فقیر کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ
کراچی

الحمد لله رب العالمين والصلوة والسلام على رسوله رحمة للعالمين

و على آبائه و امهاته و اهل بيته و اصحابه اجمعين

بسم الله الرحمن الرحيم

اللہ کریم جل شانہ نے اپنے حبیب کریم حضور پر نور سیدنا محمد رسول اللہ ﷺ کا نام "**محمد**" (ﷺ) رکھا ہے۔ اس مبارک نام کے معنی ہیں بہت زیادہ تعریف کیا گیا، جس کی بار بار تعریف کی جائے۔ ہم بلا خوف تردید پورے وثوق سے کہہ سکتے ہیں کہ یہ نام ہی بتارہا ہے کہ ہمارے نبی کریم ﷺ کی ہستی بلاشبہ تعریف ہی کے لئے تخلیق ہوئی ہے۔ صرف مخلوق ہی نہیں، خود خالق کائنات اپنے اس حبیب کی تعریف فرماتا ہے۔ چناں چہ بخاری شریف میں امام بخاری نے حضرت ابو العالیہ (التوفی ۹۳ھ) کا قول نقل فرمایا ہے کہ آیت درود و سلام میں **ان الله و ملئكته يصلون على النبى** سے مراد یہ ہے کہ اللہ کریم اپنے حبیب کریم ﷺ کی تعریف فرماتا ہے۔ رسول کریم ﷺ کو اللہ تعالیٰ نے اپنے کلام مجید قرآن کریم میں "**برهان**" فرمایا ہے یعنی حضور اکرم ﷺ اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی دلیل بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ یہ بات واضح ہے کہ دلیل کسی دعوی کی ہوتی ہے اور دلیل کی خوبی و عمدگی، دعوی کی خوبی و عمدگی کو ثابت کرتی ہے، اگر دلیل میں کمزوری ہو تو اس سے دعوی کمزور ہوتا ہے، یوں ہم جان سکتے ہیں کہ جس ہستی کو اللہ تعالیٰ نے اپنی ذات و صفات پر دلیل بنایا ہے اسے اللہ کریم نے محاسن و کمالات کا پیکر بنایا اور بے عیب پیدا فرمایا ہے، چناں چہ حضرت حسان بن ثابت رضی اللہ تعالیٰ عنہ (التوفی ۵۴ھ) فرماتے ہیں۔

و احسن منك لم ترقط عينى — واجمل منك لم تلد النساء

خلقت مبراء من كل عيب — كانك قد خلقت كما تشاء

(دیوان حسان بن ثابت، ص ۱۳۔ مطبوعہ بیروت)

رسول کریم ﷺ کے سامنے حضرت حسان بیان کرتے ہیں کہ یا رسول اللہ (ﷺ) آپ سے بڑھ کر اچھا میری آنکھ نے نہیں دیکھا اور آپ سے بڑھ کر جمال والا کسی ماں نے جنا ہی نہیں۔ آپ ہر عیب و نقص سے بالکل پاک پیدا ہوئے ہیں، کچھ ایسے کہ جیسا خود آپ نے پیدا ہونا چاہا۔

بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ جس ہستی کو اللہ کریم نے اپنا محبوب و مطلوب بنایا ہے وہ ہستی یقیناً ہر طرح عمدہ و اعلیٰ ہے ورنہ (معاذ اللہ) کسی کو زبان اعتراض دراز کرنے کی جرأت ہوتی اور اعتراض اللہ تعالیٰ پر ہوتا۔ اور اللہ کریم کے بارے میں واضح ارشاد مبارک ہے کہ **ان الله جميل يحب الجمال** بے شک اللہ تعالیٰ خوب ہے اور خوبی ہی کو پسند رکھتا ہے۔ اللہ تعالیٰ خالق ہو کر بے عیب ہے اور اپنے حبیب کریم ﷺ کو اس نے بے عیب بنایا ہے تاکہ اس کے محبوب کریم ﷺ کو دیکھنے والا اندازہ کرلے کہ جس کے دعوی کی یہ دلیل ہے وہ خود کس قدر مرتبت و عظمت والا ہے۔

ہم پر واضح ہو گیا کہ اللہ کریم کے حبیب کریم ﷺ اللہ تعالیٰ کی مخلوق میں سب سے احسن و اجمل اور اشرف و اکرم ہیں۔ اللہ کریم جل شانہ نے انہیں ہر طرح عمدہ و اعلیٰ اور مثالی بنایا، وہ حسب و نسب میں بھی سب سے عمدہ ہیں، چناں چہ حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے سورہ توبہ کی اس آیت **لقد جاء كم رسول من انفسكم** کو فا کے زبر سے قرأت فرمایا (پڑھا) اور فرمایا کہ "میں نسب (خاندان) و حسب (بزرگی) و صہر (نکاح کے رشتے) میں تم سب سے نفیس ترین ہوں اور میرے تمام باپوں میں حضرت آدم (علیہ السلام) تک کوئی زانی (حرام کاری کرنے والا) نہیں ہوا۔ سب نے نکاح کیا، یعنی وہ سب کے سب حرام کاری سے پاک تھے۔" (خصائص کبریٰ، ص ۳۹، جلد ۱۔ السیرۃ الحلبیہ، ص ۶۸/۱، مطبوعہ دار المعرفہ، بیروت)۔ رشتے ناتوں میں بھی رسول کریم ﷺ بہتر و اعلیٰ ہیں، چناں چہ حضرت

عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۳۲ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ خود منبر انور پر جلوہ گر ہو کر فرماتے ہیں:

"میں محمد (ﷺ) بن عبداللہ ہوں (**شیبة الحمد**) عبدالمطلب کا بیٹا، اللہ تعالیٰ نے مخلوق کو پیدا فرمایا تو مجھے ان کے بہترین میں کیا پھر (انسانوں) کے دو گروہ بنائے (عرب و عجم) تو مجھے ان کے بہتر کردہ گروہ (عرب) میں کیا پھر اس گروہ کے چند قبائل بنائے تو مجھے ان کے بہترین خاندان (بنی ہاشم) میں کیا پس میں بہترین ہوں ذاتی اور خاندانی طور پر ان سب سے۔" (ترمذی شریف، مشکوٰۃ شریف ص ۵۱۳۔ رسائل تسع، ص ۳۳۔ سبل الہدیٰ والرشاد ص ۲۳۰/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۰/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۶/۱۔ الانساب، ص ۲۵/۱، مطبوعہ دار الفکر، بیروت۔ نشر الطیب از تھانوی ص ۱۴)

مسلم شریف، ترمذی شریف اور مشکوٰۃ شریف میں ہے: حضرت واثلہ بن الاسقع (المتوفی ۸۵ھ) فرماتے ہیں کہ میں نے رسول کریم ﷺ سے سنا فرمایا "بے شک اللہ تعالیٰ نے حضرت اسماعیل علیہ السلام کی اولاد میں سے کنانہ کو برگزیدہ (منتخب) فرمایا اور کنانہ میں سے قریش کو اور قریش میں سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم میں سے مجھ کو برگزیدہ فرمایا۔" (ص ۵۱۱۔ نشر الطیب ص ۱۵۔ الدر المنظم ص ۱۳۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۱۰۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۳۰/۱۔ رسائل تسع، ص ۳۲۔ سیر اعلام النبلاء ص ۱۸/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۶۵/۱۔ معجم الشیوخ ذہبی، ص ۲۴۲، حرف العین۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۳/۱۔ الانساب ص ۲۶/۱)

دیلمی میں ہے، امیر المومنین خلیفہ رابع حضرت علی کرم اللہ وجہہ الکریم (المتوفی ۴۰ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "سب آدمیوں سے بہتر عرب ہیں اور سب عرب سے بہتر بنو قریش اور سب قریش سے بہتر بنی ہاشم ہیں۔"

بخاری شریف میں ہے، حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۸ھ)

فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا "میں ہر قرن و طبقہ میں بنی آدم کے بہترین طبقوں سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس طبقہ میں آیا جس میں سے پیدا ہوا۔" (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۳۵/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۵/۱۔ **الدر المنظم** ص ۱۱)

ابن عساکر میں حضرت عمرو بن العاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۴۳ھ) سے روایت ہے: رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "قریش برگزیدہ خدا ہیں۔" سیدنا زبیر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی روایت سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "اللہ تعالیٰ نے قریش کو ایسی سات باتوں سے فضیلت (بزرگی) دی جو نہ ان سے پہلے کسی کو عطا ہوئیں نہ ہی ان کے بعد کسی کو عطا ہوں۔ ایک تو یہ کہ میں قریش سے ہوں (اور یہ نسبت تمام فضائل سے ارفع و اعلیٰ ہے) اور انہی میں خلافت اور کعبۃ اللہ کی دربانی اور حاجیوں کا سقایہ (ان کی میزبانی و مہمانی) اور انہیں اصحاب فیل (ہاتھی والوں) پر نصرت (فتح) عطا کی اور انہوں نے دس برس اللہ تعالیٰ کی عبادت تنہا کی کہ ان کے سوا روئے زمین پر اور کسی خاندان کے لوگ اس وقت عبادت نہ کرتے تھے اور اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں ایک سورت قرآن کریم میں اتاری کہ اس میں صرف انہیں کا ذکر فرمایا اور وہ سورۃ لایلاف قریش ہے۔" (طبرانی کبیر، المستدرک، بیہقی، بخاری فی التاریخ، سبل الہدی والرشاد، ص ۲۳۳/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۰/۱)

ابن سعد روایت کرتے ہیں عبداللہ بن عمیر سے (مرسلا) کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے عرب کو پسند فرمایا پھر عرب سے کنانہ کو اور کنانہ سے قریش کو اور قریش سے بنی ہاشم کو اور بنی ہاشم سے اولاد عبدالمطلب کو اور عبدالمطلب کی اولاد سے مجھ۔" (بیہقی)

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "جبریل امین علیہ السلام نے حاضر ہو کر عرض کی کہ اللہ تعالیٰ عزوجل نے مجھے بھیجا۔ میں زمین کے مشرق و مغرب، نرم و سخت (وادیوں

اور پہاڑوں) ہر حصے میں پھر کوئی گروہ عرب سے بہتر نہ پایا پھر اس (اللہ تعالیٰ) نے مجھے حکم دیا تو میں نے تمام عرب کا دورہ کیا تو کوئی قبیلہ مضر سے بہتر نہ پایا پھر حکم فرمایا، میں نے مضر میں تفتیش کی تو ان میں کنانہ سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا، میں نے کنانہ میں گشت کیا تو کوئی قبیلہ قریش سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا، میں قریش میں پھرا کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر نہ پایا پھر حکم دیا کہ میں سب سے بہتر نفس (جان) تلاش کروں تو کوئی جان حضور نبی کریم ﷺ کی جان سے بہتر نہ پائی۔" (رواہ الامام الحکیم، دیلمی عن ابن عباس، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۳۶/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۴۳/۱)

ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا (م ۵۷ھ) فرماتی ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: مجھ سے جبریل امین نے عرض کی کہ میں نے زمین کے مشرق و مغرب کھنگال ڈالے مگر کوئی شخص حضرت محمد ﷺ سے افضل نہ پایا، نہ کوئی خاندان بنی ہاشم سے بہتر پایا۔" (طبرانی، دلائل النبوۃ، بیہقی، ص ۱۷۶/۱۔ رسائل تسع سیوطی ص ۳۴۔ ذخائر العقبی، ص ۱۴۔ سبل الہدی والرشاد ص ۲۳۶/۱)۔ جناب اشرف علی تھانوی نشر الطیب کے ص ۱۰ پر یہی روایت لکھ کر فرماتے ہیں کہ: "شیخ الاسلام حافظ ابن حجر کہتے ہیں کہ آثار صحت کے اس متن (یعنی حدیث) کے صفحات پر نمایاں ہیں (کذا فی المواہب) ف: حضرت جبریل علیہ السلام کے اس قول کا اس شعر میں گویا ترجمہ کیا گیا ہے ؎

آفاق ہا گردیدہ ام مہر بتاں ورزیدہ ام
بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری

طبرانی اور خطیب میں یہ روایات بھی ہیں کہ تعظیم و تکریم کے لئے ہر شخص اپنے بھائی کے لئے اٹھے مگر بنی ہاشم نہ اٹھیں بلکہ ان کے لئے اٹھا جائے۔

احمد، بخاری اور مسلم میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ: "عرب کی سب

عورتوں میں بہتر قریش کی نیک خواتین ہیں اپنے چھوٹے بچے پر سب سے زیادہ مہربان اور اپنے شوہر کے مال کی سب سے بڑھ کر نگہ بان۔" (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۲۵/۱)۔ ان روایات سے خاندان رسول (ﷺ) کا درجہ و مرتبہ اور بزرگی خوب واضح ہے، مزید ملاحظہ ہو۔

ابن عدی، حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت فرماتے ہیں کہ: "رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قریش قیامت کے دن سب لوگوں سے آگے ہوں گے اور اگر قریش کے اترا جانے کا خیال نہ ہوتا تو میں انہیں بتا دیتا کہ ان کے نیک کے لئے اللہ تعالیٰ کے ہاں کیا ثواب ہے۔"

طبرانی کبیر اور دار قطنی میں ابن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما (التوفی ۷۴ھ) سے روایت ہے کہ (ان کان صحیحا): "رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ قیامت کے دن میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت (سفارش) کروں گا پھر درجہ بدرجہ جو زیادہ نزدیک ہیں قریش تک پھر انصار پھر وہ اہل یمن جو مجھ پر ایمان لائے اور میری پیروی کی پھر باقی عرب پھر اہل عجم اور میں جس کی شفاعت پہلے کروں وہ افضل ہے یعنی اہل بیت رسول سب سے زیادہ درجہ رکھتے ہیں۔" (ذخائر العقبی، ص ۲۰۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۱/۱۱)

ابن النجار روایت کرتے ہیں، ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما (التوفی ۶۸ھ) سے کہ: "رسول کریم ﷺ نے فرمایا کیا یہ خیال کرتے ہو کہ جب میں جنت کے دروازوں کی زنجیر ہاتھ میں لوں گا اس وقت عبد المطلب کی اولاد پر کسی اور کو ترجیح دوں گا؟"

اور یہ مشہور روایت متعدد کتابوں میں محدثین نے نقل کی ہے کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: "ہر تعلق اور رشتہ قیامت کے دن قطع ہو جائے گا سوائے میرے رشتے ناتے کے۔" (المستدرک، ص ۱۴۲/۳۔ ذخائر العقبی، ص ۶)

توجہ فرمائیے، رسول کریم ﷺ نے لوگوں کو جمع فرمایا اور منبر شریف پر رونق

افروز ہوئے اور فرمایا: "کیا حال ہے ان لوگوں کا جو گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہ دے گی! ہر رشتہ ناتا قیامت میں منقطع ہو جائے گا سوائے میرے رشتے ناتے کے کہ وہ دنیا و آخرت میں جڑا ہوا ہے یعنی وہ کٹنے والا نہیں۔" (رواہ البزار، رواہ الحاکم عن ابی سعید الخدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۶)

احادیث میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ سے وعدہ فرمالیا ہے کہ ان کی نسل کو آگ پر حرام فرمادیا ہے۔ یعنی وہ اولادِ رسول جو ایمان پر ثابت و قائم رہے گی وہ ہرگز دوزخ میں نہیں جائے گی۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲/۱۱)۔ حضرت عمران بن حصین رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۲ھ) سے ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ میرے اہل بیت میں سے کوئی بھی دوزخ میں نہ جائے تو اللہ تعالیٰ نے یہ (وعدہ) مجھے عطا فرمایا۔ (ذخائر العقبیٰ، ص ۱۹۔ رسائل تسع، ص ۲۵۔ سبل الہدیٰ والرشاد ص ۲۵۳/۱، ص ۱۱/۱۱)

عن عبداللہ عن النبی قال ان فاطمة احصنت فرجها فحرمها الله وذريتها على النار۔ (ذخائر العقبیٰ، ص ۴۸۔ سبل الہدیٰ والرشاد ۲۵۳/۱ میں بھی ہے رسائل تسع، ص ۲۵، ۸۹ میں امام سیوطی علامہ ابن جریر کی تفسیر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما آیت قرآنی **ولسوف يعطيك ربك فترضى** کے تحت فرماتے ہیں کہ رسول اکرم ﷺ کی رضا یہی ہے کہ ان کے اہل بیت میں سے کوئی دوزخ میں نہ جائے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۷/۱۱)

غزوۂ احد کا مشہور واقعہ ہے، رسول کریم ﷺ کا ہونٹ مبارک زخمی ہوا، اس سے خون مبارک جاری ہو گیا، حضرت مالک بن سنان آگے بڑھے اور بارگاہ رسالت مآب ﷺ میں عرض کی کہ مجھے اجازت دیجئے کہ یہ خون مبارک بند کردوں، فرمایا کیا کرو گے؟ انہوں نے عرض کی آپ اجازت عطا فرمائیے اور پھر دیکھئے، اجازت ملنے پر وہ لب ہائے

اقدس کو منہ میں لے لیتے ہیں اور اتنا چوستے ہیں کہ خون رک جاتا ہے، ان کے منہ میں خون مبارک تھا، فرمایا اسے پھینک دو، وہ یہ سنتے ہی گھونٹ بھر جاتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ آپ کا خون مبارک اور پھینک دوں! خدا کی قسم! میں ایسا نہیں کرسکتا، رسول کریم ﷺ کا مقدس خون ان کے جسم میں شامل ہو گیا، اس محبت و عقیدت اور ادب پر انہیں یہ بشارت ہوئی کہ اگر کوئی کسی جنتی مرد کو دیکھنا چاہتا ہے تو اس (مالک بن سنان) کو دیکھ لے۔" (زرقانی ص ۲۳۰، ج ۴۔ الروض الانف، ص ۱۵۶، ۱۶۵/۳)

رسول کریم ﷺ کا صرف خون مبارک جس نے پی لیا یعنی جس کے جسم میں رسول پاک ﷺ کا مبارک خون چلا گیا اسے دنیا ہی میں جنت کی بشارت (خوش خبری) مل گئی تو اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود نبی کریم ﷺ جن کا خون ہیں یعنی رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین، وہ جنتی کیوں نہیں؟ اندازہ کیا جائے کہ نبی کریم ﷺ سے خصوصی نسبت و قرابت کی وجہ سے انہیں کس درجہ مرتبت و سعادت حاصل ہے۔

سبھی مانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے فضلات مبارکہ بھی پاک تھے، آپ کی خادمہ نے ایک برتن میں رکھا ہوا آپ کا بول مبارک (پیشاب) بے خبری میں پی لیا، اسے اس سے کوئی بدبو نہیں آئی بلکہ اس نے اس میں مہک اور لذت پائی، اسے امراض سے شفا کی نوید ملی اور برکت نامی کنیز کو جہنم سے بچ جانے کی بشارت عطا ہوئی۔ (مستدرک ۶۳/۴۔ خصائص کبریٰ ص ۷۱/۱۔ الروض الانف ص ۱۶۵/۳۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۸۵، ۸۶/۱)

طبرانی اور خصائص کبریٰ میں ہے کہ حضرت سلمیٰ نے نبی کریم ﷺ کے غسل کا پانی پی لیا، فرمایا تجھ پر آتش دوزخ حرام ہو گئی۔

اس بارے میں شاید کسی بظاہر نفیس طبع شخص کو ماننے میں دشواری ہو تو اسے جاننا چاہئے کہ ہر مکھی میں پھول کا رس شہد نہیں بنتا کسی میں زہر بنتا ہے اور کسی میں شہد۔ وہ رب جو مکھی میں شہد بنا دیتا ہے وہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے فضلات مبارکہ کو پاک

اور برکت والا کیوں نہیں بنا سکتا؟ (اس بارے میں تفصیل کے لئے میرے والد گرامی کی کتاب "ذکر جمیل" ملاحظہ فرمائیے۔)

(علمائے اسلام نے فرمایا ہے کہ یہ بات تحقیق کے طالب کے پیش نظر رہنی چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کے فضلات مبارکہ کی طہارت کا مسئلہ جس درجہ میں ہے اور اسے مقیس علیہ ٹھہرایا گیا ہے، مقیس کا حکم بھی اسی درجہ میں ہوگا۔)

نبی (حضرت ابراہیم علیہ السلام) کے قدموں کا نشان جائے سجدہ بنا دیا جانا تو قرآن کریم سے ثابت ہے، حضور اکرم ﷺ کی نسبتوں کی فضیلت بخوبی سمجھی جا سکتی ہے۔ (بزرگوں نے آثار و تبرکات کے حوالے سے تفصیل میری کتاب "مزارات و تبرکات اور ان کے فیوضات" میں ملاحظہ کی جا سکتی ہے۔)

حضرت انس رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۹۳ھ) کے حوالے سے مشہور واقعہ ہے کہ ان کے پاس ایک دستر خوان تھا جس سے نبی کریم ﷺ نے اپنے ہاتھ مبارک پونچھے تھے، انہیں جب کبھی وہ دستر خوان صاف کرنا ہوتا تو وہ اسے آگ میں ڈال دیتے، آگ سے جلاتی نہیں تھی، ڈرائی کلین کر دیتی تھی۔ (خصائص کبریٰ ص، ۸۰ / ۲) جس دستر خوان کو رسول کریم ﷺ نے ایک مرتبہ چھو لیا وہ آگ میں نہیں جلتا تو اہل ایمان یہی کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے والدین اور اولاد کے بارے میں کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ انہیں دنیا و آخرت میں آگ سے کوئی تعلق ہوگا؟

اگر یہ جاننا چاہتے ہین کہ آگ نے دستر خوان کو کیوں نہیں جلایا؟ تو قرآن حکیم سے یہ الجھن دور کر لیجئے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ نے کیوں نہیں جلایا؟ یہی جواب ہوگا کہ اللہ تعالیٰ نے آگ کو پیدا کیا ہے، اس نے آگ کو جلانے سے منع فرما دیا یا یہ کہ آگ سے جلانے کی صلاحیت اس وقت سلب کر لی۔ اللہ تعالیٰ اس دستر خوان کو بھی آگ سے کیوں نہیں بچا سکتا جسے اس کے حبیب کریم ﷺ نے چھوا ہو؟ اور صحابہ

کرام کا عقیدہ و عمل ملاحظہ ہو کہ وہ نبی کریم ﷺ سے مس ہو جانے والی اشیاء کو کس قدر محترم اور بابرکت جانتے ہیں۔ امام جلال الدین سیوطی نے خصائص کبریٰ اور امام قاضی عیاض نے شفاء شریف میں اور مولانا روم نے مثنوی میں اس کو بیان کیا ہے۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "بے شک اللہ تعالیٰ عزوجل کی تین حرمتیں ہیں جو ان کی حفاظت کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دین و دنیا محفوظ فرمائے گا اور جو ان کی حفاظت نہیں کرے گا اللہ تعالیٰ اس کے دین و دنیا کی حفاظت نہیں فرمائے گا۔ ایک اسلام کی حرمت، دوسری میری حرمت اور تیسری میری قرابت کی حرمت۔" (طبرانی، ابن حبان، سبل الہدیٰ والرشاد، ص۹/۱۱)

دیوبندی وہابی نہایت نامناسب انداز میں کہتے اور لکھتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ اللہ کے ہاں کا معاملہ میرے اختیار سے باہر ہے وہاں کے لئے اپنی بیٹی سے بھی فرمایا کہ میں وہاں تمہارے کام نہیں آؤں گا تمہارا میری بیٹی ہونا تمہیں نفع نہیں دے گا وغیرہ وغیرہ۔ (معاذ اللہ)

جواب میں اس حوالے سے آپ احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں، احادیث و روایات کے مطابق یہ بھی بیان ہے کہ حافظ قرآن، حاجی، مجاہد اور عالم دین قیامت کے دن شفاعت کریں گے، معصوم بچے شفاعت کریں گے اس کے باوجود رسول کریم ﷺ کے بارے میں یہ کہا جائے کہ (معاذ اللہ) ان کی نسبت نفع نہیں دے گی، یہ کتنی احمقانہ بات ہے۔ امام سیوطی نے رسائل تسع ص ۲۶ میں اور سبل الہدیٰ والرشاد ص ۳ /۱۱ میں امام صالحی نے اس اعتراض کا جواب حدیث شریف سے پیش کیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں: **مابال اقوام یزعمون ان رحمی لا ینفع** الخ کیا حال ہے ان لوگوں کا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری قرابت نفع نہیں دے گی...... میں ضرورت شفاعت کروں گا اور میری شفاعت قبول ہوگی۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۴/۱۱ اور

ص ۴/۱۱ میں طبرانی اور مجمع الزوائد کے حوالے سے ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:
ما بال اقوام یزعمون ان شفاعتی لاتنال اھل بیتی وان شفاعتی لتنال حاء و حکم (قبیلتان)۔ (کیا حال ہے ان لوگوں کا جو یہ گمان کرتے ہیں کہ میری شفاعت میرے اہل بیت (گھر والوں) کو نہیں پہنچے گی؟ اور میری شفاعت ضرور پہنچے گی حاء وحکم قبیلوں کو بھی)۔ الانساب، ص ۳۰/۱، میں بھی یہ روایت درج ہے۔

یہ حدیث شریف بھی ملاحظہ فرمائیں: "رسول کریم ﷺ نے فرمایا: چھ شخص ہیں جن پر میں نے لعنت کی، اللہ انہیں لعنت کرے اور ہر نبی کی دعا قبول ہے (یعنی اس لعنت میں شک نہ کیا جائے) پہلا شخص کتاب اللہ میں بڑھانے والا (جیسے رافضی کچھ پارے زیادہ بتاتے ہیں)، دوسرا تقدیر الٰہی جھٹلانے والا، تیسرا جو ظلم کے ساتھ تسلط کرے۔ جسے خدا نے ذلیل بنایا اسے عزت دے اور جسے عزت والا بنایا اسے ذلیل کرے، چوتھا حرم مکہ کی بے حرمتی کرنے والا، پانچواں میری عترت کی ایذا و بے عزتی روا رکھنے والا اور چھٹا وہ جو میری سنت کو برا ٹھہرا کر چھوڑے۔" (ترمذی، حاکم، طبرانی)
احادیث میں واضح ہے کہ نبی پاک ﷺ نے فرمایا کہ میرے رشتے ناتوں کے سوا تمام تعلق منقطع ہو جائیں گے اور یہ بھی فرمایا کہ میں سب سے پہلے اپنے اہل بیت کی شفاعت کروں گا اور فرمایا کہ اللہ نے وعدہ فرمایا ہے کہ میرے اہل بیت دوزخ میں داخل نہ ہوں گے۔ اس کے بعد قرابت رسول کا خیال نہ کرنا اور نسبت رسول کا احترام نہ کرنا کتنا سنگین جرم ہے۔

نسبت کا احترام قرآن سے سمجھئے۔ حضرت خضر علیہ السلام نے ایک دیوار گرتے دیکھی تو اسے مرمت کر کے درست کر دیا، اس علاقے کے لوگوں نے حضرت خضر اور موسیٰ علیہما السلام کی مہمانی سے انکار کر دیا تھا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام فرماتے ہیں کہ یہ لوگ تو کھانا کھلانے کے روادار نہیں اور آپ (خضر علیہ السلام) بغیر اجرت کے ان

کی دیوار درست کر رہے ہیں۔ حضرت خضر علیہ السلام نے جواب دیا کہ اس دیوار کے نیچے دو یتیموں کا خزانہ چھپا ہوا ہے جو ایک صالح (نیک) مرد کی اولا ہیں۔ مفسرین کا فرمان ہے کہ وہ نیک باپ جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ نے خضر علیہ السلام سے ان یتیموں کی مدد کروائی وہ ان بچوں کا سات پشتیں پہلے گزر جانے والا باپ تھا یعنی ایک نیک شخص کی کئی پشتوں بعد کی اولاد پر اللہ کریم اتنی مہربانی فرماتا ہے تو رسول کریم ﷺ کی نسبت کی برکت کا اندازہ کیا جاسکتا ہے۔

ابن ماجہ میں تو یہ روایت بھی ہے کہ اولیاء اللہ سے دوزخی قیامت میں ملیں گے تو انہیں یاد کروائیں گے کہ دنیا میں انہوں نے اس (ولی) کو پانی پلایا تھا، وضو کا پانی دیا تھا، اتنے پر ہی وہ ولی اس کی شفاعت (سفارش) کرے گا اور اس طرح اسے بخشش دلائے گا۔ (کتاب "فضائل صدقات" حصہ دوم، ص ۱۳۱ میں جناب محمد زکریا کاندھلوی نے ایسی متعدد احادیث نقل کی ہیں۔)

اس تفصیل سے اہل ایمان کو بخوبی اندازہ ہو گیا کہ وہ لوگ جو نسبت و قرابت رسول ﷺ کا احترام نہیں کرتے اور رسول کریم ﷺ کے والدین یا اولاد کے بارے میں اپنی زبان و قلم کو گستاخانہ اور منفی پیرائے میں دراز کرتے ہیں، وہ شدید غلطی پر ہیں۔ وہ گستاخ لوگ جو رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں طعن و تشنیع اور بے ادبی و گستاخی کے مرتکب ہوتے ہیں انہیں توبہ کر کے خود کو اس سنگین جرم سے پاک کرنا چاہئے ورنہ دنیا و آخرت کا خسارا اور عذاب ہی وہ اپنے لئے ذخیرہ کریں گے۔

قارئین نے ملاحظہ فرمایا کہ ہمارے نبی پاک ﷺ اپنے نسب و حسب میں بھی سب سے اولیٰ و اعلیٰ اور مخلوق میں سب سے بالا و والا ہیں۔ کچھ اہل علم کہلانے والوں نے بھی رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان و اسلام کے حوالے سے

نصوص میں تعارض کی وجہ سے شدید اجتہادی غلطی کرتے ہوئے نامناسب کلام کیا ہے، بعض نصوص کے ظاہر سے ان اہل علم کو مغالطہ ہوا۔ قارئین نے مذکورہ ارشادات سے بخوبی جان لیا کہ وہ مقدس ماں باپ جن کے صلب و شکم اقدس میں رسول کریم ﷺ رہے وہ پاک وطیب اور نہایت مبارک ہیں، اس تفصیل کے باوجود مزید حقائق ملاحظہ ہوں۔

ایک بزرگ کے پاس ایسے ہی ایک صاحب گئے اور نبی کریم ﷺ کے والدین کے بارے میں بدکلامی کی، ان بزرگ نے انہیں انگور پیش کئے اور کہا کہ یہ انگور کھایئے اور ایک بات پر توجہ فرمایئے وہ یہ کہ یہ انگور کیکر کے درخت میں لگے ہیں۔ وہ صاحب، بے ساختہ کہنے لگے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ کیکر کے درخت میں انگور نہیں لگ سکتے۔ بزرگ مسکرائے اور فرمایا، بھائی خود ہی سوچئے۔ کیکر کے درخت میں انگور نہیں لگ سکتے تو مشرک پلید وجود سے اللہ کا نبی کیسے جنم لے سکتا ہے؟

ہم چار پیسے کا دودھ کسی ناپاک اور گندے برتن میں نہیں ڈالتے تو اللہ تعالیٰ اپنا مقدس حبیب، اپنا پاک نور کیسے ناپاک وجود میں رکھ دیتا؟ مشہور روایتوں میں ہے کہ نبی کریم ﷺ کے لباس پر بھی مکھی نہیں بیٹھتی تھی کیوں کہ مکھی نجاست پر بھی بیٹھ جاتی ہے تو اللہ کریم نے اسے اپنے محبوب کے لباس پر بیٹھنے ہی نہ دیا۔ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ جس کے لباس تک پر نجاست پر بیٹھنے والی مکھی نہ بیٹھنے دی جائے اس محبوب کو ناپاک وجود میں کیسے رہنے دیا جا سکتا ہے؟

ہمیں غور کرنا چاہئے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مومن و موحد ہونے کا صریح انکار اور ان کی بے ادبی خود ہمارے ایمان کے لئے مسئلہ ہو سکتی ہے۔ ہم غیر مسلموں کو زبانِ طعن دراز کرنے کا موقع گویا خود فراہم کرتے ہیں۔ ایمان اور عقیدت و محبت کا تقاضا تو یہ ہے کہ ان مقدس ہستیوں کے مومن و موحد ہونے میں کسی مومن کو

شبہ تک نہیں ہونا چاہئے۔ اگر کوئی منقول دلیل نہ بھی ہوتی تو بھی ایمان اور عقیدت کا تقاضا یہی ہے کہ ہم بغیر دلیل کے بھی ایمان ابوین کریمین کا اقرار واعتراف کریں۔

امام اہل سنت اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا خان فاضل بریلوی رحمتہ اللہ علیہ (م ۱۳۴۰ھ) نے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں مولانا سید محمد عبدالغفار شاہ قادری کے رسالہ "ہدایۃ الغوی فی اسلام آباء النبی (ﷺ)" کی تصدیق اور انہی کے ایک سوال کے جواب میں بعنوان "شمول الاسلام لاصول الرسول الکرام" ۱۳۱۵ھ میں ایک رسالہ تحریر فرمایا، اس رسالہ میں سب سے پہلی دلیل نقل فرماتے ہوئے قرآن کریم کی یہ آیت پیش کی، اللہ کریم جل شانہ فرماتا ہے: ولعبد مومن خير من مشرك۔ (۲۲۱/۲) بے شک مسلمان غلام بہتر ہے مشرک سے۔

یعنی کوئی کافر اگرچہ اپنی خاندانی حیثیت میں کتنا ہی عمدہ کیوں نہ ہو وہ کسی غلام مسلمان سے بھی اچھا اور بہتر نہیں ہو سکتا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱/۱۵۶) اور بخاری شریف میں موجود حدیث شریف بیان ہو چکی کہ رسول کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں ہر قرن وطبقہ میں تمام قرون بنی آدم کے بہترین سے بھیجا گیا یہاں تک کہ اس قرن میں ہوا جس میں پیدا ہوا۔ اور شیخین کی شرط پر صحیح سند کے ساتھ حدیث میں ہے کہ روئے زمین پر ہر زمانے میں کم سے کم سات مسلمان ضرور رہے ہیں، ایسا نہ ہوتا تو زمین و اہل زمین سب ہلاک ہو جاتے (سبل الہدیٰ والرشاد ص ۲۵۶/۱۔ رسائل تسع ص ۳۶)۔ آیت قرآنی اور ان احادیث کے مطابق واجب ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے تمام باپ اور مائیں ہر قرن اور طبقے میں انہیں صالح و مقبول بندوں میں سے ہوں، ورنہ معاذ اللہ صحیح بخاری میں نبی پاک ﷺ اور قرآن کریم میں اللہ پاک جل شانہ کے ارشاد کے مخالف ہوگا (رسائل تسع ص ۹۴۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱/۲۵۶) یعنی اپنی قوم کا اچھا خاندانی یا قوم کا سردار کافر بھی شرعاً اس بات کا

مستحق ہی نہیں کہ اسے "خیر القرن" کہا جاسکے خصوصاً جب کہ صالح مسلمان موجود ہوں، اس دلیل کو حضرت امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ نے رسائل تسع، ص ۱۳۱ میں بیان فرمایا ہے۔

فاضل بریلوی علیہ الرحمہ دوسری دلیل یہ نقل فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں ہے: انما المشرکون نجس۔ (سورہ توبہ آیت ۲۸) کہ کافر تو ناپاک ہی ہیں۔ اور یہ حدیث شریف بیان ہو چکی کہ رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ: ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے پاک ستھری پشتوں میں منتقل فرماتا رہا اور یہ حدیث بھی کہ میں ہمیشہ پاک مردوں کی پشتوں سے پاکیزہ بی بیوں کے شکموں میں منتقل ہوتا رہا اور یہ حدیث بھی کہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ مجھے کرم والی پشتوں اور طہارت والے شکموں میں منتقل فرماتا رہا یہاں تک کہ مجھے میرے ماں باپ سے پیدا کیا۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۶/ا۔ رسائل تسع، ص ۱۷۹)۔ اس سے بھی یہ واضح ہوا کہ رسول کریم ﷺ کے تمام باپ اور مائیں پاک اور اہل ایمان و توحید ہوں کیوں کہ کسی فرد کافرہ کے لئے قرآن کریم کی تصریح کے مطابق کرم و طہارت سے حصہ نہیں۔ اس دلیل کو امام فخر الدین رازی اور امام جلال الدین سیوطی، امام ابن حجر مکی، علامہ علی بن برہان اور علامہ زرقانی نے بیان کیا۔ (رسائل تسع، ص ۳۰)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی ایک دلیل یہ نقل فرماتے ہیں کہ بخاری و مسلم میں ہے: رسول کریم ﷺ نے اپنے چچا ابو طالب کے بارے میں فرمایا کہ میں نے اسے سراپا آگ میں ڈوبا پایا تو کھینچ کر ٹخنوں تک کی آگ میں کر دیا۔ اور دوسری روایت میں ہے کہ "دوزخیوں میں سے سے ہلکا عذاب ابو طالب پر ہے۔" (سیر اعلام النبلاء ص ۱۵۹/ا۔ رسائل تسع ص ۱۶۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۷۷/ا)۔ اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی یہ احادیث لکھ کر فرماتے ہیں کہ ابو طالب ہمارے نبی پاک ﷺ کا چچا تھا اور نبی پاک ﷺ سے جو قرب ان کے والدین کو ہے وہ ابو طالب کو نہیں اور حضور نبی کریم ﷺ کے والدین

کریمین تو نبی پاک ﷺ کے اعلان نبوت سے قبل ہی دنیا سے پردہ فرما چکے تھے، انہیں تو دعوت ایمان و اسلام بھی نہیں پہنچی (سبل الہدی والرشاد، ص ۲۴۹/ا۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۷۷/ا) جب کہ ابو طالب کو خود نبی کریم ﷺ نے بار بار کلمہ پڑھنے کو فرمایا یہاں تک کہ یہ بھی فرمایا کہ میرے کانوں ہی میں کہہ دو مگر انہوں نے نہ پڑھنا تھا، نہ پڑھا، اس کے باوجود حضور نبی کریم ﷺ کو ابو طالب سے طبعی محبت اور ان کی رعایت منظور تھی کیوں کہ فرمان نبوی کے مطابق چچا آدمی کا اس کے باپ کی بجائے ہوتا ہے تو نبی پاک ﷺ پر ابو طالب کا سراپا آگ میں غرق ہونا گراں گزرا اور آپ نے ان پر مہربانی فرمائی اور ان سے عذاب کو کم کر دیا۔

اگر یہ کہا جائے کہ ابو طالب نے ہمارے نبی پاک ﷺ کی بہت خدمت کی تو قرآن حکیم میں ہے: **وقدمنا الی ماعملوا من عمل فجعلنه هباء منثورا۔** (سورہ فرقان آیت نمبر ۲۳) کہ کافر کے سب عمل برباد ہیں، ان کے عمل کا تو یہ حال تھا کہ انہیں آگ میں غرق پایا، اگر عمل نے نفع دیا ہوتا تو وہ پہلے ہی ان کے کام آتا مگر نبی کریم ﷺ ارشاد فرماتے ہیں کہ میں نہ ہوتا تو ابو طالب جہنم کے سب سے نچلے طبقے میں ہوتا، میں نے اسے ٹخنوں تک کی آگ میں کھینچ لیا۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ یہ صرف نبی کریم ﷺ کی ان پر مہربانی ہے۔

یہ لکھ کر فاضل بریلوی فرماتے ہیں، اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جب رسول کریم ﷺ پر ابو طالب کا عذاب میں غرق ہونا اتنا گراں گزرتا ہے تو ان کے سگے ماں باپ (معاذ اللہ) اگر عذاب میں ہوتے تو کتنا گراں گزرتا۔ اور حضور اکرم ﷺ کو اپنے والدین سے تکلیف دور کروا کے کتنی راحت ہوتی اور ابو طالب کے مقابلے میں اپنے والدین کی رعایت میں حضور اکرم ﷺ کا اعزاز و اکرام زیادہ ہوتا۔ بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ اگر والدین کریمین (معاذ اللہ) اہل جنت نہ ہوتے تو وہ اس بات کے بہت زیادہ

مستحق ہوتے کہ حضور نبی کریم ﷺ ان کی ہر طرح خوب رعایت اور ان پر نہایت عنایت فرماتے۔ (رسائل تسع، ص ۶۹۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲۵/ ۲) اگر کوئی یہ کہے کہ ابو طالب پر مہربانی اس لئے فرمائی کہ انہوں نے رسول کریم ﷺ کی یاری و غم خواری اور پاس داری و خدمت گزاری بہت کی، تو یاد رکھنا چاہئے کسی خدمت گزار یا پرورش کنندہ کا حق والدین کے حق سے بڑھنا تو کجا، برابر بھی نہیں ہو سکتا۔ صرف حمل وو ضع حمل کی خدمت کا مقابلہ کون سی خدمت کر سکتی ہے؟ قرآن کریم میں ہے: ان اشکر لی ولوالدیك۔ (سورۂ لقمان آیت نمبر ۱۴) حق مان میرا اور اپنے والدین کا۔

اس تفصیل سے واضح اور ثابت ہوا کہ ابو طالب سے ہر حیثیت اور ہر لحاظ سے والدین کریمین کا درجہ بڑھا ہوا ہے اور ابو طالب کا عذاب سب سے ہلکا ہونا یہی بتاتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین ہر گز اہل نار سے نہیں وہ بلاشبہ اہل جنت سے ہیں ورنہ ان سے عذاب کی دوری کا ذکر ضرور ہوتا۔

قارئین کرام! شاید آپ خیال فرمائیں کہ یہ سوال ہی کیوں ہوا کہ کیا نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین مومن ہیں؟ عرض یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ کی ولادت سے پہلے ہی آپ کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ تقریباً پچیس برس کی عمر میں پردہ فرما چکے تھے (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۲۵۰/ ۱۔ خصائص کبریٰ، رسائل تسع، ص ۱۷۶۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۷۷/ ۱) نبی پاک ﷺ کی ظاہری عمر شریف پانچ چھ برس کی ہوئی تو والدہ محترمہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی تقریباً بیس برس کی عمر مبارک میں وفات شریف ہو گئی (یعنی ان مبارک ہستیوں نے بہت مختصر دنیوی ظاہری عمل پائی)۔ اعلان نبوت، نبی پاک ﷺ نے چالیس برس کی اپنی ظاہری عمر شریف میں فرمایا۔ سیرت طیبہ کا مطالعہ کرنے والے لوگوں یا نو مسلم افراد نے شاید اپنی معلومات و آگہی کے لئے یہ سوال کیا ہو گا کہ اعلان نبوت سے قبل بھی اہل

ایمان تھے یا نہیں؟ اگر تھے تو ان کا ایمان کیا تھا؟ علاوہ ازیں کچھ شرپسندوں نے گستاخانہ باتیں کرنا شروع کر دی تھیں اس لئے علمائے اسلام نے اس بارے میں حقائق بیان کئے۔

بعض علمائے اسلام نے کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کیا کہ دو نبیوں کے درمیانی عرصہ کو "فترۃ" کہتے ہیں، یعنی ایک نبی اللہ کی نبوت کا عرصہ تمام ہو جانے کے بعد دوسرے نبی اللہ کے ظہور تک کی مدت، فترت کہلاتی ہے۔ (رسائل تسع ص ۲۴، ۲۸، ۱۲۹)۔ اہل فترت کے بارے میں علمائے اسلام نے جو کچھ بیان فرمایا اس کی کچھ تفصیل آپ مقدمہ میں ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اہل فترت کو ایمان کا مکلف نہیں بنایا گیا کیوں کہ ان کی طرف کوئی رسول نہیں بھیجا گیا۔

ان علمائے اسلام کا کہنا ہے کہ قرآن میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: وما کنا معذبین حتی نبعث رسولا (سورۂ بنی اسرائیل آیت نمبر ۱۵) اور ہم نہیں کرتے کسی کو عذاب جب تک ان میں رسول نہ بھیجیں، یعنی کسی قوم یا طبقے میں اللہ تعالیٰ نے رسول بھیجا اور قوم نے اسے نہ مانا تو اس سے پہلے اس قوم پر عذاب نہیں کیا جاتا، عذاب اسی وقت ہوا جب قوم نے نبی کے ساتھ کفر کیا اور تعلیمات الٰہیہ کو مسترد کر دیا۔ وہ علماء فرماتے ہیں، غور کیجئے کہ رسول کریم ﷺ کی ولادت سے قبل سب سے قریب زمانے میں ہونے والے رسول حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں، ان کو زندہ آسمانوں پر اٹھا لیا گیا۔ اس مدت کو تقریباً چھ سو برس ہو چکے تھے، اس عرصے میں ان پر نازل ہونے والی کتاب "انجیل" اپنی اصل میں باقی نہ رہی تھی، اس میں طرح طرح کی تحریفات وغیرہ کی جا چکی تھیں اور ان کی امت نے انہیں اللہ تعالیٰ کا بیٹا کہنا اور ماننا شروع کر دیا تھا۔ اور یہ بھی ہے کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام صرف بنی اسرائیل کی طرف بھیجے گئے تھے، حجاز مقدس کے باشندے ان کی امت دعوت میں داخل و شامل بھی نہیں تھے، نہ ہی حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ان کو تبلیغ فرمائی، شاید اس لئے کہ ان کو دعوت دینا ان کی ذمہ داری نہیں

تھی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے حواریوں نے بھی اہل حجاز کو دعوت حق نہیں
پہنچائی یعنی تبلیغ نہیں کی، اس لئے حقائق کے مطابق ماننا پڑے گا کہ انہیں دعوت نہیں
پہنچی اور نہ ہی انہوں نے کسی نبی اللہ کا انکار و کفر کیا۔ (رسائل تسع ص ۲۲، ۲۳، ۱۶۷)

اور سیرت حلبیہ ص۱۷۶/۱، میں علامہ علی بن برہان لکھتے ہیں کہ: "علامہ ابن حجر
ہیتمی نے بیان کیا کہ یہ واضح روشن حق ہے جس پر کوئی گرد و غبار نہیں کہ تمام اہل فترۃ
نجات یافتہ ہیں اور اہل فترۃ وہ لوگ ہیں جن کی طرف کوئی رسول نہ بھیجا گیا ہو جو انہیں
اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کا مکلف بنائے، پس اہل عرب بنی اسرائیل کے انبیاء کے زمانے
میں بھی اہل فترۃ تھے کیوں کہ بنی اسرائیل کے رسولوں کو یہ حکم نہیں دیا گیا کہ اہل
عرب کو بھی اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دیں، ان کا حلقہ تبلیغ صرف بنی اسرائیل
تک محدود تھا۔

اور رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں تو کتنی روایات گواہ ہیں
کہ وہ دین ابراہیمی پر ثابت و قائم تھے اور بت پرستی یا شرک سے کسی طرح بھی آلودہ
نہیں تھے۔ اللہ تعالیٰ کی وحدانیت کے قائل تھے اور وہ اپنے اخلاق و کردار اور سیرت
میں اپنے زمانے کے ممتاز ترین تھے۔

امام فخر الدین رازی، امام ابن حجر مکی اور امام جلال الدین سیوطی رحمہم اللہ تعالیٰ
اجمعین فرماتے ہیں کہ بے شک انبیائے کرام علیہم السلام کے آباؤ اجداد کافر و مشرک
نہیں ہوتے اور نبی کریم ﷺ کے سلسلۂ نسب میں جتنے انبیاء کرام ہیں وہ تو انبیاء ہی
ہیں، ان کے سوا، رسول کریم ﷺ کے جس قدر باپ اور مائیں آدم علیہ السلام اور حوا
علیہا السلام تک ہیں، ان میں کوئی بھی کافر نہ تھا کیوں کہ کافر کو پسندیدہ یا کریم یا پاک
نہیں کہا جاتا اور رسول کریم ﷺ کے باپوں اور ماؤں کی نسبت حدیثوں میں تصریح
فرمائی کہ وہ سب بارگاہ الٰہی میں پسندیدہ ہیں، سارے باپ کرام ہیں اور ساری مائیں

پاکیزہ ہیں اور آیۂ کریمہ: **و تقلبك فی الساجدین** (سورۂ الشعراء آیت نمبر ۲۱۹) کی
بھی ایک تفسیر یہی ہے کہ نبی کریم ﷺ کا نور ایک ساجد (سجدہ کرنے والے) سے
دوسرے ساجد کی طرف منتقل ہوتا رہا اور اس سے صاف ظاہر و ثابت ہے کہ نبی پاک
ﷺ کے والدین کریمین حضرت سیدنا عبداللہ و حضرت سیدتنا آمنہ رضی اللہ تعالیٰ
عنہما پاک و مبارک اور اہل جنت ہیں کیوں کہ وہ تو ان خاص الخاص بندوں میں ہیں
جنہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کریم ﷺ کے لئے چنا (منتخب فرمایا) تھا اور یہی سچا و
صحیح قول ہے۔ (رسائل تسع، ص ۳۰، ۴۳، ۳۴، ۵۴۔ اعلام النبوۃ، ص ۲۱۵، ۲۳۶، ۲۳۹)
(اسے سیرت حلبیہ ص۴۷/۱ میں علامہ علی بن برہان نے بھی نقل فرمایا اور پاکستان کے
ممتاز عالم دین جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری نے بھی اپنی کتاب "ضیاء النبی" میں نقل کیا)

بیہقی میں روایت ہے، رسول کریم ﷺ فرماتے ہیں:

"میں محمد (ﷺ) ہوں، بن عبداللہ بن عبدالمطلب، بن ہاشم بن عبد مناف بن
قصی بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوئی بن غالب بن فہر بن مالک بن نضر بن کنانہ
بن خزیمہ بن مدرکہ بن الیاس بن نزار بن معد بن عدنان (اکیس پشتوں تک نسب نامہ
بیان کر کے فرمایا) کبھی لوگ دو گروہ نہ ہوئے مگر یہ کہ مجھے اللہ تعالیٰ نے بہتر گروہ میں
تو میں اپنے ماں باپ سے ایسا پیدا ہوا کہ زمانہ جاہلیت کی کوئی بات مجھ تک نہ پہنچی اور میں
آدم (علیہ السلام) سے لے کر اپنے والدین تک خالص اور صحیح نکاح سے پیدا ہوا تو میں
میرا نفس کریم (میری جان) تم سب سے افضل اور میرے باپ تم سب کے آباء سے
بہتر ہیں۔" (رسائل تسع، ص ۱۷۹۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۴/۱۔ الانساب، ص
۲۵/۱۔ تاریخ مدینہ دمشق ابن عساکر، ص ۴۸/۳۔ اس کو الدر المنظم ص ۱۸، ۶۰
میں علمائے دیوبند کے استاد اور بزرگ شیخ الدلائل نے بھی نقل کیا۔

حدیث شریف میں ہے کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: "ہم نضر بن کنانہ کے بیٹے

ہیں، ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے۔" (طیالسی، ابن سعد، احمد، ابن ماجہ، طبرانی کبیر وابو نعیم، دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۳/۱۔ الانساب، ص ۲۷/۱) اور غزوۂ حنین میں رسول کریم ﷺ اپنے دلدل (خچر) پر سوار یہ رجز پڑھ رہے تھے۔

انا النبی لا کذب انا ابن عبدالمطلب

(رواہ احمد، بخاری، مسلم، نسائی، ابی شیبہ، ابو نعیم، ابن عساکر، ابن جریر، سیر اعلام النبلاء ص ۳۴۳/۱۔ رسائل تسع، ص ۵۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق ابن عساکر، ص ۱۰۷/۳۔ جمہرۃ انساب العرب ابن حزم، ص ۵۔ مراۃ الجنان، ص ۴۹/۱۔ روض الانف، ص ۱۴۱/۴۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۱۷۷/۱۔ ص ۱۳۳/۵۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۶۷/۱)۔ میں نبی ہوں، کچھ جھوٹ نہیں، میں بیٹا ہوں عبدالمطلب کا۔ اسی غزوۂ کے بارے میں یہ رجز بھی روایات میں ہے کہ فرمایا: انا ابن العواتك۔ میں ان عورتوں کا بیٹا ہوں جن کا نام عاتکہ تھا۔ (دلائل النبوۃ، بیہقی، ص ۱۳۶/۵۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۷۶/۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۱۱۰/۳) اور دوسرے مقام پر یہ بھی فرمایا: انا ابن الذبیحین۔ میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں۔ (اعلام النبوۃ، ص ۲۳۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۳۰۲/۱، ۳۲۳/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۵۹/۱)

ان احادیث کو قرآن کریم کی ان آیات کی روشنی میں سمجھئے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: ولله العزة ولرسوله وللمومنين ولكن المنافقين لا يعلمون (سورہ المنافقون آیت نمبر ۸)۔ فرمایا: انه ليس من اهلك انه عمل غير صالح (سورہ ہود آیت نمبر ۴۶) (اے نوح) یہ کنعان تیرے اہل سے نہیں یہ تو ناراستی کے کام والا ہے۔

ان آیات کریمہ سے معلوم اور ثابت ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے عزت و تکریم کو مسلمانوں میں منحصر فرمادیا یعنی ان سے خاص کر دیا اور کافر کو خواہ وہ اپنی قوم کا کتنا ہی بڑا ہو، اسے لئیم وذلیل ٹھہرایا اور کسی ذلیل ولئیم کی اولاد سے ہونا کسی معزز اور کریم کے

لئے فخر و تعریف کا باعث نہیں، لہٰذا کافر و مشرک باپ دادوں کی نسبت سے فخر کرنا حرام ہوا، چناں چہ خود نبی کریم ﷺ فرماتے ہیں کہ "جو شخص عزت و بزرگی چاہنے کے لئے اپنی نو کافر پشتوں کا ذکر کرے کہ میں فلاں ابن فلاں کا بیٹا ہوں ان کا دسواں جہنم میں یہ (ان سے نسبت بیان کرنے والا) شخص ہو۔" (مسند احمد، بیہقی، رسائل تسع، ص ۵۲) یعنی کافر باپ کی نسبت سے فخر کرنے والا خود کو جہنمی بنا لیتا ہے اور قرآن ہی نے مسلم و کافر کا نسب قطع فرمادیا جیسا کہ نوح علیہ السلام کو ان کے بیٹے کے بارے میں ارشاد فرمایا گیا اور نبی کریم ﷺ نے اپنے فضائل میں بارہا اپنے آباء وامہات کا ذکر فرمایا، جب کفار سے نسب بحکم رب العالمین واحکم الحاکمین منقطع ہے تو رسول کریم ﷺ کا یہ فرمانا کہ ہم اپنے باپ سے اپنا نسب جدا نہیں کرتے، یہ واضح کرتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے باپ یقیناً کافر نہیں۔

رسائل تسع میں امام جلال الدین سیوطی، علامہ امام ابن حجر کا یہ قول نقل فرماتے ہیں کہ: یہ بات سب کو معلوم ہے کہ کسی کا کسی سے بہتر ہونا، اللہ تعالیٰ کا کسی کو چننا (منتخب کرنا) اور کسی کو پسند فرمانا اور اس کی بارگاہ میں کسی کی افضلیت اس کے مشرک ہونے کے باوجود نہیں ہو سکتی یعنی کوئی مشرک یا مشرک سے نسبت کی وجہ سے کوئی ہرگز اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں پسندیدہ و برگزیدہ نہیں ہو سکتا۔" (ص ۳۴)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی اپنے رسالہ میں ایک دلیل یہ تحریر فرماتے ہیں کہ قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: الله اعلم حيث يجعل رسالته۔ (سورہ الانعام آیت نمبر ۱۲۴) اللہ خوب جانتا ہے جہاں رکھے اپنی پیغمبری۔ اس آیت سے گواہی ملتی ہے کہ اللہ تعالیٰ وضع رسالت کے لئے سب سے زیادہ محترم و معزز موضع (مقام) کا انتخاب فرمایا۔ ہے اور اس نے کبھی رذیلوں اور پست لوگوں میں رسالت نہ رکھی تو بخوبی سمجھا جاسکتا ہے کہ کفر و شرک سے زیادہ ناپاک شئے کیا ہوگی؟ وہ کہاں اس لائق کہ ان

میں اللہ تعالیٰ نور رسالت رکھے، کفار و مشرک تو لعنت و غضب کا محل ہیں جب کہ نور
رسالت کو رضا و رحمت کا محل درکار ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے حبیب کریم ﷺ کا پاک نور
کسی کفر و شرک والے وجود میں رکھنا کیسے پسند فرماتا!

اہل ایمان نے اس مزید تفصیل سے بخوبی جان لیا کہ نبی کریم ﷺ کے والدین
کریمین کے ایمان میں شک و شبہ کرنا جب کہ کوئی قطعی اور صحیح و صریح دلیل بھی
نہیں تو زبان و قلم سے کوئی گستاخی کرنا شدید غلطی اور سنگین معاملہ ہے جو ایذائے
رسول (ﷺ) کا موجب ہے۔ علمائے اسلام نے واضح فرمایا ہے کہ رسول کریم ﷺ
کے والدین کریمین کے حوالے سے زبان و قلم کو نہایت احتیاط لازم ہے کیوں کہ اس
باب میں بے احتیاطی سے بات کرنا رسول کریم ﷺ کو تکلیف و ایذا پہنچانا ہے جس کا
نتیجہ و انجام بہت بھیانک اور سخت ہے۔

حجۃ الاسلام امام محمد غزالی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ فرماتے ہیں کہ "کسی مسلمان کی
طرف گناہ کبیرہ کی نسبت کرنا اس وقت تک جائز نہیں جب تک تواتر سے ثابت نہ
ہو۔" یعنی ایک مسلمان پر گناہ کبیرہ کا الزام لگانے کے لئے دوسرے مسلمان کو اس قدر
احتیاط ضروری ہے تو اندازہ کر لیا جائے کہ والدین کریمین کے ایمان کا (معاذ اللہ) انکار
اس کی قطعی دلیل کے بغیر کیوں کر جائز ہوگا؟ یہ بھی ملاحظہ ہو، تفسیر احکام القرآن کو
یادگار بنانے والے امام قاضی ابوبکر بن عربی سے (جو مالکی مذہب کے اماموں میں بلند
مرتبہ رکھتے ہیں، حالاں کہ ایک معاملے میں وہ جو موقف رکھتے ہیں اس کی وجہ سے
سخت متنازع بھی ہیں) کسی شخص نے پوچھا۔ "آپ کیا فرماتے ہیں اس شخص کے بارے
میں جو یہ کہتا ہے کہ نبی کریم ﷺ کے آباء و اجداد دوزخ میں ہیں؟ امام صاحب نے یہ
جواب دیا کہ جو شخص ایسا کہتا ہے، بلاشبہ وہ ملعون ہے کیوں کہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:
ان الذین یوذون اللہ ورسولہ لعنھم اللہ فی الدنیا والاخرۃ واعدلھم عذابا

مھینا۔ (سورۂ احزاب آیت نمبر ۵۷) (بلاشبہ وہ لوگ جو اذیت پہنچاتے ہیں اللہ اور اس
کے رسول (ﷺ) کو ان پر دنیا و آخرت میں اللہ کی لعنت ہے اور ان کے لئے دردناک
عذاب ہے) اور اس سے بڑھ کر ایذا کیا ہوگی کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کے بارے
میں ایسی بکواس کی جائے۔" (الحاوی للفتاوی ص ۴۴۲/۲۔ مواہب و زرقانی ص
۲۸۶/۱۔ رسائل تسع، ص ۷۵)

میرے والد گرامی مجدد مسلک اہل سنت حضرت مولانا محمد شفیع اوکاڑوی رحمتہ اللہ
تعالیٰ علیہ (المتوفی ۱۴۰۴ھ) اپنی کتاب "الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین (ﷺ)"
میں امام قاضی ابوبکر کا فتویٰ نقل فرمانے کے بعد "مواہب لدنیہ" سے امام قسطلانی اور
"الاصابہ فی تمیز الصحابہ" سے امام شہاب الدین ابن حجر عسقلانی کی نقل کی ہوئی
روایت کے مطابق تحریر فرماتے ہیں:

حضرت ابوہریرہ (عبدالرحمٰن) رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۸ھ) فرماتے ہیں کہ
"ابولہب کی بیٹی "سبیعہ" حضور اکرم ﷺ کی بارگاہ بے کس پناہ میں حاضر ہوئی اور
عرض کی، یارسول اللہ (ﷺ) لوگ مجھے کہتے ہیں کہ تو جہنم کے ایندھن کی بیٹی ہے،
پس رسول اللہ ﷺ کھڑے ہو گئے اور آپ غضب ناک ہوئے اور فرمایا ان لوگوں کا کیا
حال ہے جو میری قرابت (میرے قریبی رشتہ داروں) کے بارے میں مجھے ایذا پہنچا
رہے ہیں، یاد رکھو جس نے مجھ کو ایذا پہنچائی درحقیقت اس نے اللہ تعالیٰ کو ایذا
پہنچائی۔" (زرقانی ص ۱۸۶/۱۔ اصابہ ص ۲۹۷/۴۔ رسائل تسع، ص ۱۰۳۔ ذخائر
العقبیٰ، ص ۷۔ سبل الھدیٰ والرشاد، ص ۴۴/۱۱) یہ روایت نقل کر کے میرے والد
گرامی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ابولہب قطعی کافر اور دوزخی
ہے، اس کی مذمت میں قرآن کریم کی پوری سورت اتری۔ ابولہب کی یہ بیٹی سبیعہ،
مومنہ و مسلمہ اور صحابیہ ہے (رضی اللہ تعالیٰ عنہا)، اسے جہنم کے ایندھن کی، دوزخی

کی بیٹی کہا گیا یعنی طنز و طعن سے پکارا گیا تو یہ انداز بھی اللہ کریم کے رسول کریم ﷺ کی اذیت کا باعث ہوا اور نبی پاک ﷺ نے منبر اقدس پر رونق افروز ہو کر فرمایا کہ میرے قرابت داروں کے بارے میں اس قسم کی باتیں کر کے مجھے اذیت نہ پہنچاؤ یعنی میری قرابت کی کسی طرح تضحیک نہ کرو، نہ ہی طعن و تشنیع کا لہجہ اپناؤ۔ اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ جو شخص نبی کریم ﷺ کے جنتی والدین کریمین (رضی اللہ تعالیٰ عنہما) کے بارے میں بدکلامی و بدزبانی کرتا ہے یا گستاخی کرتے ہوئے انہیں (معاذ اللہ) دوزخی کہنے کی شرارت کرتا ہے وہ کس قدر سنگین گستاخی کا مرتکب ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کو کتنی اذیت پہنچاتا ہے۔

ایک روایت اور پیش کرتا ہوں، ملاحظہ فرمائیے۔

حدیث شریف کی مشہور کتاب مسلم شریف میں ہے: "(ابو جہل کے خاندان کے) ہشام بن مغیرہ نے رسول کریم ﷺ سے اس بات کی اجازت چاہی کہ وہ اپنی بیٹی کا حضرت علی ابن ابی طالب سے نکاح کر دیں۔ رسول کریم ﷺ نے منبر پر جلوہ گر ہو کر فرمایا کہ میں انہیں ہرگز اجازت نہیں دیتا اور یہ بات تین مرتبہ فرمائی (پھر فرمایا) ہاں اگر علی ابن ابی طالب یہ پسند رکھتا ہے تو میری بیٹی (سیدہ فاطمہ زہرا) کو طلاق دے اور ان (ابو جہل) کی لڑکی سے نکاح کر لے کیوں کہ میری بیٹی (فاطمہ) میرے جگر کا ٹکڑا ہے، مجھے بھی اس چیز سے پریشانی ہوتی ہے جو اسے پریشان کرتی ہے اور مجھے بھی وہ چیز اذیت پہنچاتی ہے جو اسے اذیت پہنچاتی ہے۔ (مراۃ الجنان، ص ۵۴/۱)۔ "دوسری روایت میں رسول کریم ﷺ نے ابو جہل کی بیٹی سے حضرت علی کے نکاح کو منع کرتے ہوئے فرمایا: "بے شک میں حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہیں کرتا لیکن قسم اللہ تعالیٰ کی، اللہ تعالیٰ کے رسول کی بیٹی اور اللہ تعالیٰ کے دشمن کی بیٹی ایک گھر میں کبھی جمع نہیں ہو سکتیں۔ (رسائل تسع، ص ۶۷۔ ذخائر العقبیٰ، ص ۔ ۳۔ سبل الہدیٰ

والرشاد، ص ۲۶۰/۱)" اس روایت سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے ابو جہل کی بیٹی اور اپنی بیٹی کا ایک گھر میں جمع ہونا پسند نہیں فرمایا تو اللہ تعالیٰ کے پاک و مبارک حبیب کا وجود کسی مشرک و کافر وجود میں رہنا کیسے پسند ہو سکتا تھا؟ (اس حدیث کو جناب اشرف علی تھانوی نے بھی "التکشف" ص ۶۴۸ میں نقل کیا)

میرے والد گرامی علیہ الرحمہ ایک نہایت ایمان افروز استدلال پیش فرماتے ہیں، ملاحظہ ہو: یہ سب ہی مانتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کی قبر انور کا وہ حصہ جو آپ کے وجود شریف سے لگا ہوا ہے، وہ عرش معلیٰ سے بھی افضل ہے۔ (سوانح قاسمی ص ۵۳/۱، از نانوتوی۔ میلاد النبی ص ۱۸۸، از تھانوی) غور کیا جاسکتا ہے کہ مٹی کے جس ٹکڑے میں آپ ہوں وہ تو عرش معلیٰ سے بھی افضل ہو جائے اور جن والدین کے صلب و شکم میں رہے ہوں وہ (معاذ اللہ) مشرک و جہنمی کہے جائیں۔ الامان!

"امام جلال الدین سیوطی علیہ الرحمہ فرماتے ہیں کہ "کسی نبی کی والدہ کافرہ مشرکہ نہیں ہوئی تو رسول کریم ﷺ کی والدہ کیسے ہو سکتی ہے؟ اگر ایسا ہو تو یہ آپ کی عظمت وشان کے خلاف ہے نیز حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی مائیں تو جنت میں رہیں اور حضور ﷺ کی والدہ ماجدہ جنت میں نہ ہوں کیا اللہ تعالیٰ کو یہ پسند ہو گا؟ یقیناً نہیں۔" (الحاوی للفتاوی، رسائل تسع، ص ۵۸، ۱۵۷)

جناب اشرف علی تھانوی اپنے رسالے "جمعہ کے فضائل و احکام" ص ۴ (مطبوعہ اسلامی کتاب گھر، کراچی) میں لکھتے ہیں کہ "امام احمد رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا شبِ جمعہ کا مرتبہ لیلۃ القدر سے بھی زیادہ ہے بعض وجوہ سے، اس لئے کہ اسی شب میں سرور عالم ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کے شکمِ طاہر میں جلوہ افروز ہوئے اور حضرت (ﷺ) کا تشریف لانا اس قدر خیر و برکتِ دنیا و آخرت کا سبب ہوا جس کا شمار و حساب کوئی نہیں کر سکتا۔ (اشعۃ اللمعات فارسی، مشکوٰۃ شریف)"

قارئین اندازہ کر سکتے ہیں کہ جس رات نبی کریم ﷺ اپنی والدہ کے پاک شکم میں منتقل ہوتے ہیں وہ رات لیلۃ القدر سے بھی افضل ہو جاتی ہے تو کون شبہ کر سکتا ہے اس میں کہ جس پاک شکم میں جلوہ گر ہوئے اسے کس قدر مرتبت وسعادت حاصل ہے۔

میرے نبی پاک ﷺ جس سرزمین پر جلوہ گر ہوئے اس کی قسم اللہ تعالیٰ قرآن میں یاد فرماتا ہے، اس شہر مکہ مکرمہ کو کس قدر فضیلت ملی تو ان والدین کریمین کی فضیلت وسعادت میں کیا شبہ ہو سکتا ہے جن سے میرے محبوب کریم ﷺ پیدا ہوئے!

علمائے اسلام نے متعدد قرآنی آیات اور احادیث مبارکہ سے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مومن و موحد اور برگزیدہ ہونے کو ثابت کیا ہے اور اکابر علماء اسلام کی ایک بڑی جماعت اس پر جمع ہے کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین جنتی ہیں۔ اہل ایمان اہل محبت کو ان کے موحد و مسلمان اور جنتی ہونے میں ہرگز کوئی شبہ نہیں۔ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اپنی کتاب الذکر الحسین میں فرماتے ہیں:۔

"رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے موحد و مسلمان اور جنتی ہونے میں اگرچہ کوئی شبہ نہیں تھا اور روشن دلائل امت کے لئے کافی تھے مگر نبی کریم ﷺ یہ چاہتے تھے کہ میرے والدین کو بھی میری دعوت پہنچے، وہ اسے قبول کریں اور میری امت کے برگزیدہ لوگوں میں شمار ہوں اور اللہ تعالیٰ نے ایسا ہی کر دیا، چناں چہ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ حجۃ الوداع کے موقع پر دین کی تکمیل کے بعد حضور ﷺ مجھ کو ساتھ لے کر مقام حجون میں تشریف لے گئے، اس وقت آپ رو رہے تھے اور ملول تھے اور آپؐ کی یہ کیفیت دیکھ کر میں بھی رونے لگی۔ نبی کریم ﷺ مجھے اونٹ پر بیٹھا چھوڑ کر تشریف لے گئے اور کافی دیر وہاں ٹھہرے، جب واپس تشریف لائے تو بہت خوش تھے اور چہرۂ انور متبسم تھا۔ میں نے عرض کی میرے ماں باپ آپ پر نثار ہوں، جب آپ تشریف لے گئے تھے تو چہرۂ اقدس پر

ملال اور آنکھوں میں آنسو تھے اور واپس تشریف لائے ہیں تو خوش ہیں اور مسکرا رہے ہیں، کیا بات تھی؟ رسول کریم ﷺ نے فرمایا میں اپنی والدہ کی قبر پر گیا اور میں نے اپنے رب سے عرض کی کہ وہ انہیں (میری ماں) کو زندہ کر دے۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں زندہ کر دیا وہ مجھ پر ایمان لائیں پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موت کی طرف لوٹا دیا، دوسری روایت میں دونوں (والد اور والدہ) کا ذکر ہے کہ دونوں زندہ ہوئے اور ایمان لائے پھر اللہ تعالیٰ نے ان کو موت دے دی۔" (الحاوی للفتاوی، زرقانی، مسالک الحنفاء۔ روض الانف ص ۱۹۵/۱۔ ذخائر العقبی، التذکرہ، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲۲/۲۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۱۷۳/۱۔ خلاصہ سیر سید البشر، ص۲۱)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے اسے اپنے رسالہ شمول الاسلام میں نقل فرمایا ہے، جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری نے اپنی کتاب ضیاء النبی میں نقل فرمایا ہے۔ نیز فاضل بریلوی علیہ الرحمہ نے اپنے رسالہ میں ان اکابر علمائے اسلام میں سے چند ہستیوں کے نام تحریر فرمائے ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے مومن و موحد اور جنتی ہونے پر تحریریں یادگار بنائی ہیں۔ ان ہستیوں کے اسمائے گرامی ملاحظہ ہوں:

۱ امام ابو حفص عمر بن احمد بن شاہین بغدادی المتوفی ۳۸۵ھ (ان کی دینی علوم پر تین سو تیس کتابیں ہیں اس کے علاوہ تفسیر ایک ہزار جزء میں اور مسند حدیث ایک ہزار تین جزء میں ہے)

۲ شیخ المحدثین احمد بن علی بن ثابت بن احمد بن مہدی خطیب علی البغدادی (المتوفی ۴۶۳ھ)

۳ حافظ الشان محدث ماہر امام ابو القاسم علی بن حسن ابن عساکر (المتوفی ۵۷۱ھ)

۴ امام اجل ابو القاسم حافظ عبد الرحمٰن بن عبد الالہ بن احمد سہیلی المتوفی ۵۸۱ھ (صاحب روض الانف)

۵ حافظ الحدیث امام ابو العباس احمد بن عبد اللہ الحافظ محب الدین طبری المتوفی ۶۹۴ھ (ان کے بارے میں علماء فرماتے ہیں کہ امام نووی (المتوفی ۶۷۶ھ) کے بعد ان جیسا علم حدیث میں کوئی نہ ہوا)

۶ امام علامہ ناصر الدین ابن المنیر المتوفی ۶۸۳ھ (صاحب المقتفی فی شرف المصطفی ﷺ)

۷ امام حافظ الحدیث ابو الفتح محمد بن محمد ابن سید الناس المتوفی ۷۳۴ھ (صاحب عیون الاثر)

۸ علامہ صالح الدین صفدی (المتوفی ۷۶۴ھ)

۹ حافظ الشان شمس الدین محمد ابن ناصر الدین دمشقی المتوفی ۸۴۲ (صاحب مورد الصاوی فی مولد الہادی)

۱۰ شیخ الاسلام حافظ الشان امام ابو الفضل شہاب الدین احمد بن علی بن محمد ابن حجر عسقلانی (المتوفی ۸۵۲ھ)

۱۱ امام حافظ الحدیث ابو بکر محمد بن عبد اللہ اشبیلی ابن العربی مالکی (المتوفی ۵۴۶ھ)

۱۲ امام ابو الحسن علی بن محمد ماوردی بصری الشافعی المتوفی ۴۵۰ھ (صاحب الحاوی الکبیر)

۱۳ امام ابو عبد اللہ محمد بن خلف ابی مالکی المتوفی ۴۸۵ھ (شارح صحیح مسلم)

۱۴ امام عبد اللہ محمد بن احمد بن ابو بکر قرطبی المتوفی ۶۷۱ھ (صاحب تذکرہ)

۱۵ امام المتکلمین فخر المدققین فخر الدین محمد بن عمر الرازی (المتوفی ۶۰۶ھ)

۱۶ امام علامہ شرف الدین مناوی (المتوفی ۷۵۷ھ)

۱۷ خاتم الحفاظ مجدد القرن العاشر امام جلال الدین عبد الرحمٰن ابن ابی سیوطی (المتوفی ۹۱۱ھ)

۱۸ امام حافظ شہاب الدین احمد بن حجر ھیثمی مکی المتوفی ۹۷۴ھ (صاحب افضل القری)

۱۹ شیخ نور الدین علی بن الجزار مصری المتوفی ۹۸۴ھ (صاحب رسالہ تحقیق آمال الراجین فی ان والدی المصطفی ﷺ بفضل اللہ تعالیٰ فی الدارین من الناجین)

۲۰ علامہ ابو عبد اللہ محمد بن علی بن ابی شریف حسنی تلمسانی المتوفی ۶۴۴ھ (شارح شفاء شریف)

۲۱ علامہ محقق سنوسی

۲۲ امام اجل عارف باللہ سیدی عبد الوہاب شعرانی المتوفی ۹۷۳ھ (صاحب الیواقیت والجواہر)

۲۳ علامہ احمد بن محمد بن علی بن یوسف فاسی المتوفی ۱۰۵۲ (صاحب مطالع المسرات شرح دلائل الخیرات)

۲۴ خاتمۃ المحققین علامہ محمد بن عبد الباقی بن یوسف مصری المتوفی ۱۱۲۲ھ زرقانی (شارح المواہب)

۲۵ امام اجل فقیہ اکمل محمد بن محمد کردری بزازی المتوفی ۸۲۷ھ (صاحب المناقب)

۲۶ زین الفقہ علامہ محقق زین الدین ابراھیم بن نجیم مصری المتوفی ۹۷۰ھ (صاحب الاشباہ والنظائر)

۲۷ سید شریف علامہ احمد بن محمد حموی المتوفی ۱۰۹۸ھ (صاحب غمز العیون والبصائر)

۲۸ علامہ حسنی بن محمد حسن دیار بکری المتوفی ۹۶۶ھ (صاحب الخمیس فی انفس نفیس ﷺ)

۲۹ علامہ محقق شہاب الدین احمد خفاجی مصری المتوفی ۱۰۶۹ھ (صاحب نسیم الریاض)

۳۰ علامہ طاہری فتنی المتوفی ۹۸۶ھ (صاحب مجمع بحار الانوار)

۳۱ شیخ شیوخ علماء الہند مولانا شاہ عبد الحق محدث دہلوی المتوفی ۱۰۵۲ھ

۳۲ علامہ (صاحب کنز الفوائد) (اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے صاحب کنز الفوائد کا پورا نام اپنی

کتاب شمول الاسلام میں تحریر نہیں فرمایا اس وجہ سے ناقل بھی من وعقل نقل پر مجبور ہے۔
کشف الظنون جلد چہارم کے ص ۲۵۷، ۲۵۸ پر کنزالفوائد نام کی پانچ کتابوں کا تذکرہ ہے، ان کتابوں کے مندرجات دیکھ کر ہی نام کا علم ہو سکتا ہے اور یہ بھی ضروری نہیں کہ اسی نام کی کتاب تصنیف کرنے والے نے اسی کتاب میں اس موضوع کو بیان کیا ہو صرف اس کی وجہ شہرت یہ کتاب کنزالفوائد ہو سکتی ہے)

۳۳ مولانا بحرالعلوم ملک العلماء عبدالعلی محمد بن نظام الدین محمد المتوفی ۱۲۲۵ھ (صاحب فواتح الرحموت)

۳۴ علامہ سید احمد مصری طحطاوی المتوفی ۱۲۳۱ھ (محشی در مختار)

۳۵ علامہ سید ابن عابدین امین الدین محمد آفندی شامی المتوفی ۱۲۵۲ھ (صاحب ردالمختار)......اور بہت سے دوسرے (کشف الظنون میں مزید متعدد افراد اور کتابوں کے نام مذکور ہیں)

اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی فرماتے ہیں: (چوتھی اور پانچویں صدی کے مشہور اماموں) امام حجۃ الاسلام محمد بن محمد غزالی وامام اجل امام الحرمین وامام ابن السمعانی وامام کیاہراسی وامام اجل قاضی ابوبکر باقلانی یہاں تک کہ خود امام مجتہد سیدنا امام شافعی (المتوفی ۲۰۴ھ) کی نصوص قاہرہ موجود ہیں جن سے رسول کریم ﷺ کے تمام آباء و امہات اقدس کا ناجی (نجات یافتہ ہونا سورج کی طرح روشن و ثابت ہے بلکہ بالاجماع تمام ائمہ اشاعرہ اور ائمہ ماتریدیہ سے مشائخ بخارا سب کا یہی مذہب ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین ناجی ہیں۔ کتاب الخمیس میں کتاب مستطاب الدرج المنیفہ فی الآباء الشریفہ سے نقل فرماتے ہیں "بہت زیادہ اور بڑے بڑے اماموں کا یہی مذہب ہے کہ ابوین مصطفیٰ ﷺ ناجی ہیں، ان بڑے بڑے اماموں کی نسبت یہ گمان بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ احادیث سے غافل تھے جن سے اس مسئلہ میں خلاف پر استدلال کیا جاتا ہے معاذ اللہ ایسا نہیں بلکہ وہ ضرور ان پر واقف ہوئے اور تہہ تک پہنچے اور ان

سے وہ پسندیدہ جواب دیئے جنہیں کوئی انصاف والا رد نہ کرے گا اور اور نجات والدین شریفین پر ایسے دلائل قاطعہ قائم کیے جیسے مضبوط جمے ہوئے پہاڑ کہ کسی کے ہلائے سے نہیں ہل سکتے۔" (رسائل تسع، ص ۸۵)

قارئین شاید یہ خیال کریں کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین رضی اللہ عنہما سے کوئی دلیل یا ثبوت ہونا چاہیے تھا جو ان کے مومن و موحد ہونے کو ظاہر کرتا۔ لیجئے اس حوالے سے بھی ملاحظہ فرمائیے۔

دلائل النبوۃ میں امام ابونعیم، خصائص کبریٰ ص ۷۹ /۱ اور رسائل تسع ص ۵۶ میں امام سیوطی اور زرقانی علی المواہب ص ۱۶۵/۱ میں امام زرقانی نقل فرماتے ہیں:

"حضرت ام سماعہ اسماء بنت ابی رہم فرماتی ہیں کہ میری والدہ اس وقت حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس حاضر تھیں جب ان کی وفات ہوئی، نبی کریم ﷺ کی ظاہری عمر شریف اس وقت کوئی پانچ برس کی تھی وہ اپنی والدہ ماجدہ کے سرہانے تشریف فرما تھے۔ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اپنے نور نظر ﷺ کی طرف دیکھا اور فرمایا:

بارك الله فيك من غلام ‏ ‏ ‏ يا ابن الذى من حومة الحمام

نجابعون الملك المنعام ‏ ‏ ‏ فودى غداة الضرب بالسهام

بمائة من الابل السوام ‏ ‏ ‏ ان صح ما ابصرت فى المنام

فانت مبعوث الى الانام ‏ ‏ ‏ من عند ذى الجلال والاكرام

تبعث فى الحل و فى الحرام ‏ ‏ ‏ تبعث يا التحقيق والاسلام

دين ابيك البر ابراهام ‏ ‏ ‏ فالله انهاك عن الاصنام

ان لا توا ليها مع الاقوام

"اے ستھرے لڑکے اللہ تعالیٰ تجھ میں برکت رکھے۔ اے ان (حضرت عبد اللہ) کے بیٹے کے جنہوں نے مرگ کے گھیرے (موت کے پھندے) سے نجات پائی، بڑے انعام والے بادشاہ، اللہ کریم کی مدد سے، جس صبح کو قرعہ ڈالا گیا سو بلند اونٹ ان کے فدیہ میں قربانی کئے گئے۔ اگر وہ ٹھیک اترا جو میں نے خواب دیکھا ہے تو پھر تو سارے جہان کی طرف مبعوث ہوا ہے، اللہ تعالیٰ ذوالجلال والاکرام کی طرف سے حل و حرم (مکہ و تمام روئے زمین) سب کو تیری رسالت شامل ہو گی تجھے حق اور اسلام کے ساتھ بھیجا گیا ہے جو تیرے نیک اچھے باپ ابراہیم علیہ السلام کا دین ہے۔ میں اللہ تعالیٰ کی قسم دے کر تجھے بتوں سے منع کرتی ہوں کہ بت پرست لوگوں کے ساتھ ان بتوں کی دوستی نہ کرنا، یعنی لوگوں کے ساتھ ہو کر بتوں کو اچھا یا دوست خیال نہ کرنا۔"
(سبل الہدی والرشاد، ص۱۲۱/۲)

نبی پاک ﷺ کی طیبہ طاہرہ والدہ ماجدہ رضی اللہ عنہا کی یہ وصیت سورج کی طرح روشن ہے اور واضح کرتی ہے کہ وہ موحدہ و مومنہ تھیں۔ توحید اور رد شرک کا بیان اس میں صاف واضح ہے اور اس کے ساتھ ملت ابراہیم اور دین اسلام کا پورا اقرار بھی ہے یہی نہیں بلکہ رسول کریم ﷺ کی رسالت کا اعتراف بھی ہے اور اس کا بیان بھی کتنا عمدہ ہے کہ سب ہی کی طرف مبعوث ہونے یعنی بعثت عامہ کا ذکر فرمایا۔ اہل ایمان بتائیں کہ ایمان کامل اور کسے کہتے ہیں؟

حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اس کے بعد فرمایا:

کل حی میت و کل جدید بال و کل کبیر یفنی وانا میتہ و ذکری باق و قد ترکت خیرا وولدت طهرا۔ (ہر زندے کو مرنا ہے اور ہر نئے کو پرانا ہونا ہے اور کوئی کیسا ہی بڑا ہو ایک دن (اسے) فنا ہونا ہے۔ میں موت پاتی ہوں، اور میرا ذکر خیر ہمیشہ رہے گا (کیوں کہ) میں کیسی خیر عظیم (یعنی رسول کریم ﷺ) کو چھوڑ چلی ہوں

اور کیسا ستھرا پاکیزہ مجھ سے پیدا ہوا ہے۔ یہ فرمایا اور سیدہ نے انتقال فرمایا۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون) (سبل الہدی والرشاد، ص۱۲۱/۲۔ رسائل تسع، ص۵۷، ۱۰۱، ۲۲۹)

رضی اللہ تعالیٰ عنہا و صلی اللہ تعالیٰ علی ابنہا الکریم و ذویہ و بارک وسلم

محترم قارئین: آپ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی فراست ایمانی اور پیش گوئی پر غور فرمائیں کہ فرماتی ہیں: "میں جاتی ہوں مگر میرا ذکر خیر ہمیشہ باقی رہے گا" توجہ فرمائیے کہ دنیا میں آنے والی عرب و عجم کی ہزاروں خواتین جو اپنے وقت میں شاہانہ کروفر سے ملکائیں، شہزادیاں شمار ہوئیں، جن کا نام تک کوئی نہیں جانتا، نہ ہی ان کا تذکرہ ہوتا ہے مگر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ رسول کریم ﷺ کی طیبہ طاہرہ والدہ محترمہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے ذکر خیر کی سمتوں میں گونج ہے، محافل و مجالس ہوں یا کتابیں و تحریریں، اہل ایمان ان کے ذکر خیر سے شاد ہوتے ہیں، ان کے ذکر خیر کو اپنے لئے سعادت جنتے ہیں اور انشاء اللہ یہ سلسلہ جاری رہے گا۔

علامہ امام زرقانی رحمتہ اللہ تعالیٰ علیہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے فرمائے ہوئے اشعار و کلمات لکھنے کے بعد فرماتے ہیں کہ "حضرت سیدہ آمنہ کا فرمان اس بات کی صریح دلیل ہے کہ وہ بلا شبہ موحدہ تھیں، جب وہ دین ابراہیم اور اپنے فرزند دلبند ﷺ کا اللہ تعالیٰ کی طرف سے اسلام کے ساتھ بھیجا جانا بیان فرماتی ہیں اور اپنے فرزند کو بتوں سے منع کرتی ہیں اور بتوں سے ہر تعلق سے روکتی ہیں تو اور توحید کیا ہے؟ کوئی اور چیز اس کے سوا توحید نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کے وحدہ لا شریک معبود (عبادت کے لائق) ہونے کا اعتراف اور بتوں کی پوجا سے بری ہونا۔ رسول کریم ﷺ کی بعثت سے پہلے زمانہ جاہلیت میں کفر سے پاک ہونے اور موحد ہونے کا اسی قدر ثبوت کافی ہے۔" (زرقانی ص۱۶۰/۱۔ رسائل تسع، ص۱۵۴۔ سبل الہدی والرشاد، ص۱۲۶/۲) علامہ زرقانی مزید فرماتے ہیں کہ "رسول کریم ﷺ کی

والدہ ماجدہ حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے مسلمان ہونے کے مزید گواہ وہ واقعات و دلائل ہیں جو حضرت سیدہ آمنہ نے دوران حمل اور رسول کریم ﷺ کی ولادت کے وقت دیکھے اور مسرت کے ساتھ محبت و عقیدت سے بیان کیے۔

حضرت سیدہ آمنہ کا اس نور کو دیکھنا جو، ان سے نکلا جس سے ملک شام کے محلات روشن ہو گئے حتیٰ کہ انہوں نے دیکھا جو کہ انبیاء کی مائیں دیکھتی ہیں اور جب حلیمہ آپ (ﷺ) کے شق صدر کے واقعے سے آپ پر آسیب کا گمان کر کے ڈرتی ہوئی آپ (ﷺ) کو واپس لائی تھیں تو حضرت آمنہ نے حضرت حلیمہ سے فرمایا: کیا تم میرے بیٹے پر آسیب (شیطان) کا گمان کرتی ہو؟ اللہ کی قسم ہر گز شیطان اس کے قریب بھی نہیں آسکتا اور سنو میرے بیٹے کی بڑی خاص شان ہونے والی ہے پھر انہوں نے حضرت حلیمہ کو دوران حمل اور نبی پاک ﷺ کی ولادت کے وقت ظہور ہونے والے واقعات اور اپنے خواب سنائے جن میں بشارتیں تھیں اور اس بارے میں دیگر کلمات فرمائے۔ (رسائل تسع، ص۱۵۵۔ سیر اعلام النبلاء ص۱۴۱/۱۔ اعلام النبوۃ و ص۲۴۹۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص۹۳/۳۔ الروض الانف، ص۱۸۸/۱۔ سبل الھدیٰ والرشاد، ص۳۹۰/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۱۳۵/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۱۵۵/۱۔ خلاصہ سیر سید البشر، ص۲۹) علاوہ ازیں سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا جب اپنی وفات کے سال مدینہ تشریف لے گئیں تو انہوں نے یہودیوں کو رسول کریم ﷺ کے نبی ہونے کی شہادت دیتے ہوئے سنا تھا اور پھر وہ مکہ کی طرف واپس آتے ہوئے راستے ہی میں (وہ اشعار و کلمات جو ان کے مسلمان ہونے کا ثبوت ہیں فرما کر) وفات پا گئیں پس یہ تمام باتیں تائید کرتی ہیں کہ وہ اپنی زندگی میں بلاشبہ دین حنیف پر تھیں۔"

دلائل النبوت ص۱۱۹۔ خصائص کبریٰ ص۷۹/۱۔ اور طبقات ابن سعد ۱۱۶/۱ میں ہے کہ "رسول کریم ﷺ مکہ مکرمہ سے ہجرت فرما کر جب مدینہ منورہ تشریف لائے

تو صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین کے سامنے اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ کئے ہوئے مدینہ منورہ کے سفر اور وہاں قیام کی باتیں اور یادیں بیان فرماتے کہ میں اس مکان میں اپنی والدہ ماجدہ کے ساتھ ٹھہرا تھا اور اسی گھر میں میرے والد ماجد کی قبر ہے۔ فرمایا کہ ایک یہودی مجھ کو دیکھتا اور میرا پیچھا کرتا، ایک دن اس نے مجھ سے کہا، اے لڑکے تمہارا نام کیا ہے؟ میں نے کہا احمد (ﷺ) اس نے میری پشت کی طرف (مہر نبوت کو) دیکھا تو میں نے سنا وہ کہہ رہا تھا کہ یہ اس امت کا نبی ہے پھر وہ میرے بھائیوں (بنو نجار) کی طرف گیا تو انہیں یہ خبر دی، انہوں نے میری امی کو بتایا تو وہ میرے معاملہ میں یہودیوں کی دشمنی سے ڈریں اور ہم مدینہ سے چلے گئے۔" (سبل الھدیٰ والرشاد، ص۱۲۰، ۱۲۱/۱) اسی سفر میں ام ایمن رضی اللہ تعالیٰ عنہا بھی نبی پاک ﷺ کے ساتھ تھیں۔ انہی کتابوں میں ایسا ہی واقعہ ان کی روایت سے بھی ہے۔

(جسٹس پیر محمد کرم شاہ الازہری نے یہی واقعہ ان حوالوں سے اپنی کتاب "ضیاء النبی" میں نقل کیا ہے اور علمائے دیوبند کے استاد اور بزرگ شیخ الدلائل مولانا عبد الحق محدث الہ آبادی نے اپنی کتاب الدر المنظم میں نقل کیا ہے، یہ کتاب کئی علمائے دیوبند کی مصدقہ ہے اور اس کتاب میں وہ تمام روایات مذکور ہیں جو میں نے اس تحریر میں اصل کتابوں کے حوالوں سے نقل کی ہیں۔ اور جناب اشرف علی تھانوی نے بھی اپنی کتاب نشر الطیب ص۲۵ مطبوعہ دیوبند میں اسے نقل کیا ہے)۔

انہیں کتابوں مین درج یہ روایت بھی ملاحظہ ہو: حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا فرماتی ہیں کہ "(ایام حمل میں) خواب میں کسی کہنے والے نے مجھ سے کہا کیا تمہیں علم ہے کہ تم سید العالمین اور اس امت کے نبی (ﷺ) کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو؟ وہ جب پیدا ہوں تو ان کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔" (اعلام النبوۃ، ص۲۴۷۔ الروض الانف، ص۱۸۰/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۱۱۱/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۷۶/۱۔ مواہب

لدنیہ ص۵۱ /۱) میں ہے کہ "کہا گیا اور یہ تعویذ ان کے گلے میں ڈال دینا۔" فرماتی ہیں:
میں بیدار ہوئی تو ایک سنہری صحیفہ میرے سرہانے رکھا تھا جس پر یہ اشعار درج تھے۔

اعیذہ بالواحد، من شر کل حاسد، و کل خلق راید، من قائم و قاصد عن السبیل حاید، علی الفساد جاهد، من نافث او عاقد، یاخذ بالمراصد، فی طرق الموارد۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص۳۲۹ /۱)

(مواہب لدنیہ ص۵۶ /۱ میں ایسی ہی روایت ابو سعید عبدالملک نیشاپوری کی معجم کبیر سے ابن عباس کی حدیث سے ابو نعیم کی روایت نقل کی ہے)۔ سیرت کی کتابوں میں وہ تمام روایات مذکور ہیں جن میں حضرت سیدہ آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے نبی کریم ﷺ کی ولادت باسعادت کے وقت ظاہر ہونے والے واقعات دیکھے جو تمام تر آپ ﷺ کی نبوت اور عظمت کی گواہی دیتے ہیں، اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ بخوبی جانتی تھیں کہ ان کے فرزند کو کیا شان عطا ہوئی ہے۔

نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا یہ ذکر ہو چکا ہے کہ ان کے حوالے سے رسول کریم ﷺ نے یہ فرمایا: **انا ابن الذبیحین** (میں دو ذبیحوں کا بیٹا ہوں) اور قارئین یہ بھی ملاحظہ فرما چکے کہ مشرک ماں باپ کی نسبت سے فخر جائز نہیں۔ مزید ملاحظہ ہو: حضرت عبدالمطلب کی اولاد میں حضرت عبداللہ ہی وہ فرزند ہیں جن کی پیشانی میں نور محمدی ﷺ چمکتا تھا، اسی نور کی برکت سے وہ اپنے بھائیوں میں سب سے زیادہ حسین و جمیل تھے اور باپ کو سب سے زیادہ پیارے تھے۔
ان کے ذبح ہونے کا واقعہ میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الذکر الحسین میں سیرت ابن ہشام اور تاریخ کامل ابن اثیر کے حوالے سے یوں نقل فرمایا ہے:

"زم زم کا کنواں عمرو بن حرث جرہمی نے عداوت و حسد کی وجہ سے بند کر دیا تھا حضرت عبدالمطلب کے بڑے بیٹے حارث نے اسے دوبارہ کھود کر جاری کیا۔ چاہ زم زم

کو کھودنے کے وقت حضرت عبدالمطلب نے منت مانی تھی اگر اللہ تعالیٰ مجھے دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ میرے سامنے جوان ہو جائیں تو میں ان میں سے ایک بیٹا اللہ تعالیٰ کی راہ میں قربان کروں گا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں دس بیٹے عطا فرمائے اور وہ باپ کے سامنے جوان ہو گئے۔ حضرت عبدالمطلب ایک رات کعبہ معظمہ کے قریب سو رہے تھے کہ خواب میں کسی نے ان سے کہا کہ تم نے اللہ تعالیٰ کے لئے جو منت مانی تھی اسے پورا کرو۔ خواب سے بیدار ہو کر حضرت عبدالمطلب پر گھبرہٹ طاری ہوئی (انہیں منت یاد نہیں رہی تھی) انہوں نے ایک مینڈھا ذبح کر کے مساکین میں تقسیم کر دیا، دوسری رات انہیں خواب میں کہا گیا کہ مینڈھے سے بڑی چیز قربان کرو، انہوں نے ایک بیل ذبح کیا، تیسری رات حکم ہوا کہ اس سے بھی بہت بڑی قربانی کرو، حضرت نے پوچھا کہ اونٹ سے بھی بڑی قربانی کیا ہو گی؟ کہا گیا تم نے منت مانی تھی کہ ایک بیٹا قربان کرو گے۔ خواب سے بیدار ہو کر غمگین ہوئے۔ اولاد کو جمع کیا، منت کا واقعہ یاد آ گیا تھا، تمام بیان کیا اور نذر پوری کرنے کا عزم بھی ظاہر کیا اور ہر ایک سے پوچھا کہ وہ کیا کہتا ہے؟ سبھی نے خود کو بخوشی پیش کیا اور اختیار دیا کہ جس بیٹے کو چاہیں قربان کر دیں۔
حضرت عبدالمطلب نے اپنے کسی بیٹے کو قربانی کے لئے خود نامزد کرنے کی بجائے قرعہ نکالنے کا طریقہ اختیار کیا تا کہ جس کی قربانی اللہ تعالیٰ کو منظور ہو، اسی کا نام نکلے۔ انہوں نے اللہ تعالیٰ سے یہی دعا کر کے قرعہ اندازی کی تو حضرت عبداللہ کا نام نکلا۔ حضرت عبدالمطلب کو اپنے تمام بیٹوں میں یہی سب سے پیارے تھے مگر انہوں نے قدرتی فیصلے کو بخوبی تسلیم کیا اور اس بیٹے کو قربان کرنے کے لئے تیار ہو گئے اور بیٹا بھی سراپا تسلیم و رضا تھا۔ حضرت عبدالمطلب نے چھری ہاتھ میں لے لی اور حضرت عبد اللہ کو ساتھ لیا کہ اسے قربان کریں۔ اتنے میں حضرت عبداللہ کے ننھیال کو خبر ہو گئی، وہ رکاوٹ بن گئے۔ قریش کے سرداروں نے بھی حضرت عبدالمطلب سے کہا کہ ایسا نہ

کریں، اگر آپ نے یہ قربانی کردی تو آئندہ کے لئے یہ ایک رسم ہو جائے گی جس کے لئے آپ کی یہ قربانی دلیل و حجت ہو گی۔ لہٰذا آپ اپنے رب سے عرض کریں اور خیبر کے علاوہ میں ایک کاہنہ عورت کا کہا کہ اس کے پاس جائیں وہ آپ کو اس معاملے کا حل بتائے گی۔ اس عورت کے پاس لوگ بھجوائے گئے اس کاہنہ عورت نے تمام واقعہ سن کر کہا کہ تمہارے ہاں جان کی دیت (خون بہا) کیا ہے؟ بتایا گیا کہ دس اونٹ۔ اس عورت نے کہا کہ تم اپنے شہر میں جاکر دس اونٹوں اور عبد اللہ پر قرعہ نکالو، اگر قرعہ بنام عبد اللہ نکلے تو دس اونٹ اور بڑھا دو اور اسی طرح کرتے رہو یعنی اونٹوں کی تعداد بڑھاتے رہو یہاں تک کہ قرعہ اونٹوں کا نکل آئے، جب اونٹوں کا قرعہ نکل آئے تو سمجھ لینا کہ تمہارا رب راضی ہو گیا ہے اور اس نے اتنے اونٹوں کی قربانی عبد اللہ کے بدلے قبول کرلی ہے اور پھر ان اونٹوں کو ذبح کر دینا۔ لوگ خوشی خوشی واپس آئے اور حضرت عبد المطلب کو یہ تفصیل بتائی۔ قرعہ اندازی کی گئی دس اونٹوں سے آغاز ہوا اگر نوے اونٹوں تک نام حضرت عبد اللہ کا نکلتا رہا، جب اونٹوں کی تعداد سو کر دی گئی تو نام اونٹوں کا نکل آیا، لوگوں نے کہا اے عبد المطلب اب اللہ راضی ہو گیا ہے، حضرت عبد المطلب نے فرمایا، اللہ کی قسم جب تک تین مرتبہ نام اونٹوں کا نہیں نکلے گا مجھے تسلی نہیں ہو گی، چناں چہ تین مرتبہ قرعہ اندازی کی گئی تو تینوں مرتبہ اونٹوں ہی کا نام نکلا۔ حضرت عبد المطلب نے شکر ادا کیا اور اپنے فرزند عبد اللہ کے فدیے میں سو اونٹ قربان کئے اور ان کا گوشت جانوروں اور پرندوں کے لئے چھوڑ دیا۔" (اعلام النبوۃ، مولفہ علامہ ابو الحسن علی بن محمد الماوردی، ص ۲۳۰ تا ۲۳۲۔ مطبوعہ دار احیاء العلوم، بیروت ۱۴۰۸ھ۔ الروض الانف، ص ۱۷۶ تا ۱۷۸۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص ۸۶، ۸۸، ۹۸ تا ۱۰۱/ ۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۵۷، ۵۸/ ۱)

یہ واقعہ لکھ کر حضرت والد صاحب قبلہ علیہ الرحمہ فرماتے ہیں: "اللہ کریم نے

حضرت اسماعیل اور حضرت عبد اللہ کی قربانی کا بدل قبول فرما کر دونوں کو ذبح ہونے سے بچایا کیوں کہ ان دونوں کی پیشانی میں رسول کریم ﷺ کا نور تھا اور انہی کی نسل سے نبی پاک ﷺ کا ظہور ہونا تھا، یہ اسی نور کی برکت تھی کہ ان دونوں کی جان بھی محفوظ رہی اور ان دونوں کی قربانی بھی منظور ہوئی۔ حضرت عبد اللہ کی قربانی سے پیش تر، عرب میں انسانی جان کی دیت صرف دس اونٹ تھی لیکن اس واقعے کے بعد دیت سو اونٹ ہو گئی، اس مقدار میں اضافہ سے انسان کی قدر و قیمت زیادہ ہو گئی اور یہ قتل و غارت میں کمی کا باعث ہوئی گویا یہ برکت بھی نبی پاک ﷺ کے ظہور قدسی کی تمہید ہوئی کہ اس ہستی کے تشریف لانے سے قبل انسانی جان کی قدر بڑھی اور ظلم و ستم کا سلسلہ تھم گیا۔"

کامل ابن اثیر، خصائص کبری، دلائل النبوۃ ابو نعیم اور طبقات ابن سعد کے حوالے سے میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے ایک واقعہ نقل فرمایا ہے، ملاحظہ ہو: "حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے والد ماجد حضرت عبد المطلب کے ساتھ کہیں جا رہے تھے، راستے میں آسمانی کتابوں کی پڑھی ہوئی ایک کاہنہ خاتون (فاطمہ مرالخثعمیہ) ملی، یہ بہت خوش شکل عورت تھی، اس نے حضرت عبد اللہ کو بلایا اور ان سے اظہار محبت کرتے ہوئے کہا کہ میں تمہیں سو اونٹ دیتی ہوں جو تمہارے بدلے اور فدیے میں تمہارے باپ نے قربان کئے ہیں، تم میری خواہش پوری کر دو۔ حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا حرام کاری سے تو مر جانا بہتر ہے اور یہ بھی فرمایا کہ عزت دار کو اپنی عزت و شرافت اور اپنے دین کا پاس و لحاظ ضروری ہے۔ اس خاتون کو یہ جواب دے کر حضرت عبد اللہ اپنے والد کے پاس آگئے۔ (حضرت عبد اللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا زمانہ جاہلیت میں پاک باز ہونا اس واقعے سے ظاہر ہے)۔ (ربیع الابرار، مولفہ علامہ زمخشری (المتوفی ۵۳۸ھ)، مطبوعہ موسسۃ الاعلمی للمطبوعات، بیروت ۱۴۱۲ھ، ص ۴۱۵/ ۳۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۴۰۴/ ۷۳، مطبوعہ دار الفکر، بیروت

۱۴۱۵ھ۔ سبل الہدی والرشاد ص ۳۲۷/۱)۔ حضرت عبد اللہ کی شادی حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے ہو گئی، اس کے کچھ دن بعد آپ کا اسی طرف گزر ہوا جہاں وہ کاہنہ رہتی تھی، اس خاتون نے حضرت عبد اللہ کو دیکھا مگر مونھ پھیر لیا۔ آپ نے اس سے پوچھا کہ اس روز تو اس قدر التفات تھا اور آج اتنی بے رخی! کیا ہوا؟ اپنی پیش کش کیوں نہیں دہراتیں! اس نے پوچھا کیا تمہاری شادی ہو گئی ہے؟ آپ نے فرمایا ہاں، اس نے کہا اے عبد اللہ، میرے بارے میں بدگمانی نہ کرو، میں نے تمہارے ماتھے میں نور نبوت دیکھا تھا اور چاہا تھا کہ وہ مجھ میں آجائے مگر اللہ تعالیٰ کو جہاں منظور تھا اس نے وہاں رکھ دیا یعنی میں اس نبی کی ماؤں میں شامل ہونا چاہتی تھی جس کا نور تمہاری پیشانی میں تھا مگر یہ میری قسمت نہیں تھی"۔

وہ جس کے نور سے تیری چمکتی تھی یہ پیشانی
اسی کی تھی میں طالب اور اسی کی تھی دیوانی
مگر میں رہ گئی محروم، قسمت میری پھوٹی ہے
سنا ہے کہ وہ نعمت آمنہ نے تجھ سے لوٹی ہے"

(اعلام النبوۃ ص ۲۳۶۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص ۴۰۷/۳۔ سیرۃ حلبیہ، ص ۶۴/۱)۔
(جناب اشرف علی تھانوی نے بھی نشر الطیب ص ۱۷ پر یہ واقعہ نقل کیا ہے)

جسٹس پیر محمد کرم شاہ ازہری اپنی کتاب "ضیاء النبی" (ﷺ) میں جدید محقق امام محمد ابو زہرہ مصری کی کتاب خاتم النبیین ﷺ کے ص ۱۳۳ ج ۱ سے لکھتے ہیں: "جب میں (بے ادب لوگوں کی ہرزہ سرائی پر) یہ تصور کرتا ہوں کہ حضرت عبد اللہ اور سیدۂ عالم حضرت آمنہ (معاذ اللہ) نار (دوزخ) میں ہیں تو مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ کوئی شخص میری سماعت اور میری فہم پر ہتھوڑے مار رہا ہے کیوں کہ حضرت عبد اللہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہ) وہ جوان تھے جن کا شعار صبر تھا، وہ اپنے باپ کی نذر کے مطابق ذبح

ہونے پر راضی تھے۔ اپنی رضامندی سے آگے بڑھ کر اپنے سر کا نذرانہ پیش کیا اور جب قریش نے سو اونٹ بطور فدیہ دینے کے لئے کہا تو اس پر بھی بخوشی رضامند ہو گئے وہ حضرت عبد اللہ جو اپنے بے پایاں حسن و شباب کے باوجود لہو و لعب سے ہمیشہ کنارہ کش رہے اور جب ایک دوشیزہ نے دعوت گناہ دی تو جھٹ اسے جواب دیا کہ تم مجھے حرام کے ارتکاب کی دعوت دیتی ہو، اس سے تو مر جانا بہتر ہے، ایسے پاک باز اور صدق شعار نوجوان کو آخر کیوں دوزخ میں پھینکا جائے گا، حالاں کہ اسے کسی نبی نے دعوت بھی نہیں دی یعنی وہ زمانہ فترت میں تھے۔" امام ابو زہرہ لکھتے ہیں: "ہماری ساری گفتگو کا خلاصہ یہ ہے جس پر ہم اس مسئلہ کے بارے میں تمام احادیث کا مطالعہ کرنے کے بعد پہنچے ہیں کہ حضور نبی کریم ﷺ کے ابوین کریمین نے وہ زمانہ پایا جس میں رسولوں کی آمد منقطع تھی اور وہ دونوں اس ہدایت اور اخلاق کریمہ کے بالکل قریب تھے جو بعد میں ان کے لخت جگر (رسول کریم ﷺ) نے بطور شریعت دنیا کو پیش کی اور قرآنی آیات اور احادیث صحیحہ کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد ہمارا یہ پختہ عقیدہ ہے کہ یہ ممکن ہی نہیں کہ وہ دوزخ میں ڈالے جائیں۔ آپ ﷺ کی والدہ ماجدہ وہ مجاہدہ ہیں جو سراپا صبر تھیں اپنے فرزند دلبند کے ساتھ بڑی شفیق تھیں، انہیں آگ کیسے چھو سکتی ہے؟ کوئی ایسی دلیل نہیں جس سے یہ ثابت ہو کہ وہ (معاذ اللہ) آگ میں جلائے جانے کی مستحق ہیں بلکہ دلیلیں تو اس بات کی شہادت دیتی ہیں کہ ان کی اور ان کے شوہر نامدار کی، جو ذبیح اور طاہر کے لقب سے ملقب تھے، ان پر جی بھر کر تحسین و آفرین کے پھول برسائے جائیں...... "امام محمد ابو زہرہ لکھتے ہیں: "ہم اس نتیجے پر صرف اس لئے نہیں پہنچے کہ ہمارے دل میں اللہ تعالیٰ کے رسول کریم ﷺ کی محبت ہے اور اس محبت کا یہ تقاضا ہے کہ ہم اس نتیجے پر پہنچیں، اگرچہ ہم اس بات کی امید رکھتے ہیں اور تمنا کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ہمارے دلوں کو اپنے محبوب کی محبت سے

سرشار رکھے، لیکن ہم اس نتیجے پر اس لئے پہنچے ہیں کہ عقل، منطق اور خلق مستقیم کا قانون، شریعت کی مضبوط دلیلیں اور شریعت کے اغراض و مقاصد ہمیں حکم دیتے ہیں کہ ہم اس بارے میں اس نتیجے پر پہنچیں۔"

☆ قارئین کرام شاید یہ بھی جاننا چاہتے ہوں کہ جو لوگ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان کے بارے میں شبہ کرتے ہیں ان کے شبہات کی وجہ کیا ہے؟ کیا ایسی کوئی صحیح روایات ہیں یا ان (معترض) لوگوں کے محض ذاتی احتمال ہیں؟ اس بارے میں اہل علم نے جو بیان فرمایا ہے اس کا خلاصہ پیش کرتا ہوں تاکہ قارئین کرام تمام حقائق سے آگاہ ہوں۔

اس حوالے سے ایک شبہ یہ ظاہر کیا جاتا ہے کہ فقہ اکبر میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں لکھا ہے: ماتا علی الکفر۔ کہ ان کی موت کفر پر ہوئی اور ملا علی قاری نے بھی فقہ اکبر کی شرح میں یہی ثابت کیا ہے۔ اس کے جواب میں تفصیل آپ اس کتاب کے مقدمہ میں ملاحظہ کر چکے ہیں، دوبارہ عرض ہے کہ فقہ اکبر کے قدیم اور صحیح معتبر معتمد نسخوں میں یہ عبارت نہیں ہے، یہ الحاقی عبارت ہے یعنی کسی نے سازش کر کے اس کتاب کے بعد کے نسخوں میں یہ عبارت بڑھا دی ہے اور اس کے ثبوت میں اسی کتاب فقہ اکبر کے حوالے سے استوی علی العرش کی ایک عبارت کا ذکر بھی ہے جس کا حنفی علماء نے بہت سخت رد کیا ہے۔ اور قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ دشمنان دین ایسی سازشیں اکثر کرتے ہیں اور اس طرح کی کئی مثالیں موجود ہیں، چناں چہ محققین نے ایسی بہت سی سازشوں کو بے نقاب کر کے حقائق پیش کئے ہیں۔ اکابر ائمہ دین یعنی دین کے بڑے بڑے اماموں اور بزرگوں کی طرف غلط باتیں منسوب کر کے لوگوں کو بہکانے اور فتنہ و فساد کروانے کے لئے دین کے دشمنوں کی یہ سازشیں ہوتی آئی ہیں لیکن اہل حق نے ان سازشوں کو پنپنے نہیں دیا اور تحقیق و

تفتیش کے بعد دودھ کا دودھ اور پانی کا پانی کر کے امت مسلمہ کو ان فتنوں سے بچایا ہے۔

علامہ طحطاوی در مختار کے حاشیہ پر فرماتے ہیں کہ فقہ اکبر میں جو یہ ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے والدین کی موت (معاذ اللہ) کفر پر ہوئی ہے، یہ امام اعظم ابو حنیفہ پر افترا ہے کیوں کہ فقہ اکبر کے معتمد نسخوں میں یہ عبارت ہی نہیں ہے اور اصل کتاب میں جو عبارت نہیں اسے دلیل بنایا ہی نہیں جا سکتا۔ (کچھ علماء نے یہ بھی فرمایا ہے کہ اصل الفاظ "ماماتا علی الکفر۔" تھے، لیکن کاتب سے دو مرتبہ "ما" میں سے ایک "ما" سہواً (بھول یا توجہ نہ کرنے کی وجہ سے) رہ گیا۔ واللہ اعلم

کہا جا سکتا ہے کہ علامہ ملا علی قاری کے پاس فقہ اکبر کا جو نسخہ پہنچا ہو گا وہ بھی تحریف شدہ ہو گا، ان سے اس معاملے میں یہ لغزش ہو گئی کہ انہوں نے بغیر تحقیق کیے اس نسخے کو درست مان کر اس کی عبارت پر حاشیہ آرائی کر دی۔ جب بنیاد ہی درست نہیں تو حاشیہ آرائی بھی غلط ہو گئی، اسی لئے تمام اہل علم نے اس حوالے سے ملا علی قاری کی اس حاشیہ آرائی کو مسترد کر دیا۔ مشہور فقیہ محمد مرعشی علیہ الرحمہ نے تو ملا علی قاری کی اس تحریر سے اپنی شدید ناراضی کا اظہار کیا، اس موضوع پر تفصیل اس کتاب کے مقدمہ میں گزر چکی ہے۔

☆ نبی کریم ﷺ کے والدین کے ایمان کے بارے میں دوسرا شبہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ ایک شخص نے رسول کریم ﷺ سے اپنے باپ کے متعلق پوچھا کہ وہ کہاں ہے؟ (یعنی اس کا انجام کیا رہا)۔ نبی کریم ﷺ نے فرمایا وہ دوزخ میں ہے۔ وہ شخص یہ سن کر واپس جانے لگا تو آپ نے اسے بلایا اور فرمایا: ان ابی و اباك فی النار۔ بے شک میرا باپ اور تیرا باپ دوزخ میں ہے۔ اس حدیث کی اصل اور صحیح روایت یوں ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ جب تمہارا گزر کسی کافر کی قبر سے ہو تو اسے آگ کی بشارت دیا کرو۔

اس روایت کے مزید جواب میں اولاً یہ عرض ہے کہ یہ ابو طالب کے بارے میں

ہے، نبی کریم ﷺ کے والد ماجد حضرت سیدنا عبداللہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں نہیں ہے۔ آپ احادیث ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے خود ارشاد فرمایا کہ میرے باپ تم سب کے باپوں سے بہتر ہیں اور یہ بھی ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ کافر و مشرک باپ پر فخر نہیں کیا جا سکتا اور نبی پاک ﷺ کا اپنے آباء و امہات پر فخر فرمانا واضح دلیل ہے کہ آپ کے تمام باپ اور مائیں، شرک و کفر کی آلودگی سے پاک تھے۔ اور شرک پلیدی ہے اس حوالے سے بھی آپ تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں اور جان چکے ہیں کہ اللہ کریم نے اپنے حبیب کریم ﷺ کو پاک پشتوں اور پاک شکموں میں منتقل فرمایا۔ قرآن کریم میں آیہ تطہیر دیکھئے کہ اللہ تعالیٰ نے نبی پاک ﷺ کے گھر والوں کو پاکیزگی و ستھرائی عطا فرمائی، انہیں ہر قسم کی آلودگی سے پاک رکھنے کا بیان فرمایا، نبی کریم ﷺ کی نسبت سے آپ کی ازواج و اولاد کو تطہیر کا اعلیٰ مقام و مرتبہ ملا، یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ خود نبی پاک ﷺ کا وجود (معاذ اللہ) کسی پلید وجود میں رہے۔ قرآن ہی میں ووالد وما ولد کے الفاظ بیان ہوئے اور مخاطب نبی کریم ﷺ ہیں یعنی نبی پاک کے والد کی قسم اللہ تعالیٰ نے یاد فرمائی، علماء اسلام نے اس آیت کے تحت بیان فرمایا ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام تک اور ان سے حضرت آدم علیہ السلام تک نبی پاک ﷺ کے تمام باپ پاک اور محترم ہیں اور خود حدیث شریف میں نبی پاک ﷺ کا ارشاد آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ حضرت آدم علیہ السلام تک نبی پاک کے تمام باپ پاک ہیں۔ (تفسیر مظہری، رسائل تسع ۹۵)

یہاں ایک اور شبہ دور کرنا چاہتا ہوں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا باپ آزر بیان کیا گیا ہے اور سیرۃ حلبیہ میں علامہ علی بن برہان حلبی اور مواہب لدنیہ میں امام قسطلانی نے اور شمول الاسلام میں اعلیٰ حضرت فاضل بریلوی نے لکھا ہے کہ تمام اہل تواریخ اور اہل کتابین اس پر متفق ہیں کہ آزر ہرگز والد نہ تھا، حضرت ابراہیم خلیل اللہ

علیہ السلام کا چچا تھا۔ علامہ امام شہاب الدین خفاجی شافعی مصری رحمتہ اللہ علیہ فرماتے ہیں:"ان ابی و اباك فی النار اراد بابیه عمه ابا طالب لان العرب تسمی العم ابا۔ رسول کریم ﷺ نے یہ جو فرمایا کہ میرا اور تیرا باپ دوزخ میں ہے تو باپ سے ان (رسول اللہ ﷺ) کی مراد چچا ہے کیوں کہ عرب، چچا کو باپ کہتے ہیں۔" (نسیم الریاض شرح شفا قاضی عیاض) میرے والد گرامی علیہ الرحمہ اپنی کتاب "الذکر الحسین فی سیرۃ النبی الامین" (ﷺ) میں فرماتے ہیں: "آزر حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کا والد نہ تھا، چچا تھا اور عرب میں چچا کو باپ کہنا عام ہے، (سبل الہدیٰ والرشاد، ص۲۵۷/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۴۸/۱)۔ قرآن پاک سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے: اذ قال لبنیه ماتعبدون من بعدی قالوا نعبد الهك واله ابائك ابراهیم و اسمعیل و اسحق (سورۃ بقرہ آیت نمبر ۱۳۳) جب کہ یعقوب علیہ السلام نے اپنے بیٹوں سے فرمایا تم میرے بعد کس کی پوجا کرو گے؟ بیٹوں نے کہا ہم پوجیں گے تمہارے اس معبود کو جو تمہارے آبا (باپوں) ابراہیم و اسمٰعیل و اسحٰق (علیہم السلام) کا بھی معبود ہے۔ اس آیہ شریفہ میں حضرت اسمٰعیل علیہ السلام کو بھی حضرت یعقوب علیہ السلام کے باپوں میں ذکر کیا گیا ہے حالاں کہ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ان کے چچا تھے۔ امام ابن ابی حاتم، امام ابن ابی شیبہ، ابن المنذر نے حضرت عبد اللہ بن عباس اور حضرت مجاہد اور حضرت جریج سے روایات نقل کی ہیں کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد کا نام تارح یا تارخ ہے اور آزر، حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا تھا، ہرگز والد نہ تھا۔ (رسائل تسع، ص۳۸، ۳۹)۔ (حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والد تارخ تھے، آزر ان کا چچا تھا، اس بارے میں علمائے اہل سنت کی متعدد مطبوعہ تحریریں موجود ہیں جن میں تفصیل دیکھی جا سکتی ہے)۔

(میرے والد گرامی قبلہ علیہ الرحمہ امام جلال الدین سیوطی رحمتہ اللہ علیہ کے

حوالے سے لکھتے ہیں کہ) "امام ابن المنذر نے اپنی تفسیر میں صحیح سند کے ساتھ سلیمان بن صرد (المتوفی ۶۵ھ) سے روایت کی ہے کہ جب حضرت ابراہیم علیہ السلام پر آگ گل زار ہوگئی تو آپ کے چچا آزر نے کہا، کس نے اس آگ کو (حضرت ابراہیم سے) دفع کردیا؟ تو اسی وقت اللہ تعالیٰ نے اس پر آگ کا ایک شرارہ گرایا جس نے آزر کو جلا کر راکھ کردیا، اس سے ثابت ہوا کہ آزر ان دنوں میں ہلاک ہوگیا تھا جن دنوں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو آگ میں ڈالنے کی گستاخی کی گئی تھی۔ حضرت ابراہیم نے آزر کے لئے استغفار کیا کیوں کہ آپ نے اس سے وعدہ فرمایا ہوا تھا کہ میں تمہارے لئے استغفار کروں گا، پھر جب آپ پر آزر کے کفر اور اللہ سے دشمنی کو بالکل روشن کردیا گیا تو آپ اللہ کے اس دشمن آزر سے بے زار ہوگئے۔" (رسائل تسع، ص ۴۰)

قرآن کریم سے ثابت ہوا کہ باپ کا لفظ چچا کے لئے بولا جاتا ہے۔ والد کا لفظ حقیقی باپ اور والدہ کا لفظ حقیقی ماں کے لئے ہے جب کہ ماں باپ کے الفاظ عرف عام میں بزرگوں کے لئے استعمال ہوتے آئے ہیں۔ دایا، دودھ پلانے والی خاتون یا عمر رسیدہ خواتین کو بھی ماں کہہ کے پکارنا عام ہے لیکن انہیں والدہ نہیں کہا جاتا، اسی طرح چچا اور دیگر بزرگوں کو بھی باپ کہہ دیا جاتا ہے مگر انہیں والد نہیں کہا جاتا۔

☆ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں تیسرا شبہ یہ بیان کیا جاتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو اپنے والدین کریمین کے لئے استغفار کرنے سے منع فرمایا گیا لہٰذا ثابت ہوا کہ (معاذ اللہ) وہ ایمان و اسلام والے نہیں تھے، ورنہ استغفار کی ممانعت نہ کی جاتی۔

اس کے جواب میں عرض ہے کہ عدم استغفار کو کفر لازم نہیں (سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۷ ۱۲/۲) اور استغفار کے لئے منع فرمانے سے یہ سمجھ لینا کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین (معاذ اللہ) موحد و مومن نہیں تھے، یہ اسی شخص سے متصور

ہوگا جس کا ان کے بارے میں عقیدہ صحیح نہیں ہوگا۔ ایسے لوگ جانے کیوں اپنی سمجھ کو تو اہمیت دیتے ہیں لیکن حقائق کو کسی خاطر میں نہیں لاتے۔ وہ کیوں نہیں سوچتے کہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ السلام کے قدموں کا نشان جس پتھر پر جم جاتا ہے اسے سجدہ گاہ بنادیا گیا، حضرت سیدہ ہاجرہ جن پہاڑیوں پر سعی فرماتی ہیں انہیں شعائر اللہ بنادیا گیا، جس مچھلی کے شکم میں حضرت سیدنا یونس علیہ السلام چالیس دن رکھے گئے اس مچھلی کے پیٹ میں خوش بو نے گھر کرلیا، رسول کریم ﷺ کے جسم اقدس سے مس ہونے والا زمین کا ٹکڑا عرش معلیٰ سے افضل ہوگیا، زمین کے جس ٹکڑے پر کثرت سے نبی کریم ﷺ کے قدم مبارک آئے وہ جگہ ریاض الجنتہ ہوگئی۔ یہی نہیں بلکہ ہمارے نبی پاک ﷺ کا خون مبارک جس شخص نے پی لیا اسے دنیا ہی میں جنتی مرد قرار دے دیا گیا اور جس کسی نے ہمارے نبی پاک ﷺ کا بول مبارک پی لیا اس نے خود پر آتش دوزخ حرام ہونے کی نوید پالی، جس دستر خوان سے ہمارے نبی پاک ﷺ نے اپنے مبارک ہاتھ پونچھ لئے اسے دنیا کی آگ بھی نہیں جلاتی، نبی کریم ﷺ کے جسم اقدس سے لگنے والا لباس وہاں نہیں جلتا جہاں جبریل امین کے پر جلتے ہیں۔ رسول کریم ﷺ اپنے بال مبارک صحابہ میں خود تقسیم فرماتے اور ان کی برکت سے اصحاب نبوی فتح و شفا پاتے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے تراشیدہ ناخن مبارک اور دیگر تبرکات کو برکت و مغفرت پانے کے لیے صحابہ کرام اپنے کفن میں شامل کرنے کی وصیت کرتے ہیں۔ وہ مقدس و مطہر نبی ﷺ جس کے لباس پر وہ مکھی نہ بیٹھ سکی جو نجاست پر بیٹھتی ہو...... اس مقدس رسول کریم ﷺ کے بارے میں کوئی مومن یہ کیسے گمان کر سکتا ہے کہ وہ (معاذ اللہ) کسی مشرک پلید وجود میں نوماہ رکھا گیا ہو یا جس وجود میں وہ رہے ہوں وہ پلید ہی رہا......

استغفار سے منع فرمانے کے جواب میں امام سیوطی نے اپنے رسائل میں متعدد

علماء کے اقوال نقل کیے ہیں اور خود بھی کئی جواب تحریر فرمائے ہیں۔ بعض علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ حکمت (دانائی) کی بات شاید یہ تھی کہ کہیں لوگ تمام اہل فترت کے لئے استغفار جائز نہ ٹھہرالیں یا یہ کہ کہیں کوئی ان (والدین کریمین) کو مشرک یا گناہ گار نہ گمان کرلے۔ کم سن (نابالغ) بچوں کے لئے مغفرت (بخشش) کی دعا نہیں کی جاتی بلکہ انہیں اپنی بخشش کا سامان و وسیلہ بنایا جاتا ہے، مغفرت و بخشش کی دعا گناہ گاروں کے لئے کی جاتی ہے۔ نیکوں اور اللہ تعالیٰ کے پیاروں کے درجات کی بلندی چاہی جاتی ہے، والدین مصطفیٰ کے لئے نبی کریم ﷺ صرف مغفرت کی دعا فرماتے تو شاید کسی کو کہنے کا موقع مل جاتا کہ نبی پاک ﷺ تو اپنی ظاہری تمام عمر اپنے والدین کی بخشش ہی کی دعا مانگتے رہے۔ اگر کسی کے ذہن میں یہ خیال آئے کہ نبی پاک کو تو خود اپنے لئے فرمایا گیا کہ اللہ سے مغفرت چاہتے رہو تو بلاشبہ یہ بیان، قرآن میں ہے مگر اس سے ہرگز یہ مراد نہیں کہ نبی سے (معاذ اللہ) کوئی گناہ سرزد ہوئے جس کی معافی کے لئے استغفار کرنے کا حکم دیا گیا، نہیں ہرگز نہیں، بلکہ یہ تعلیم امت کے لئے تھا۔

بعض علماء اسلام فرماتے ہیں کہ استغفار سے منع کرنے میں یہ حکمت تھی کہ اللہ نے نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کو دوبارہ زندہ کر کے اہل ایمان کی فہرست میں ممتاز کرنا اور اعلیٰ درجہ عطا فرمانا تھا اور ان کو اپنے رسول کریم ﷺ کی صحابیت کا شرف عطا فرمانا تھا۔

آپ خود خیال فرمائیں کہ نبی پاک ﷺ کی ازدواج و اولاد کی شان اور پاکیزگی تو قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ خود بیان فرمائے اور قرابت رسول کی محبت واجب فرمائے، وہ رب جو ہر رشتے ناتے سے پاک ہے وہ اپنے حبیب کریم ﷺ کے رشتوں ناتوں کو نہ صرف باقی رکھے بلکہ ان کے لئے بشارت ہو، اس مقدس رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں کسی منفی خیال کی گنجائش ہی کہاں ہے! یقیناً کوئی مومن تو کوئی

منفی تصور بھی نہیں کرے گا۔

قارئین کرام! دوست اور وابستگان کے لئے تعارف کی گنجائش ہوا کرتی ہے۔ آپ کسی کے پاس اپنے والدین کو تعارفی خط دے کر نہیں بھیجتے، آپ کی ان سے نسبت ہی کافی ہوتی ہے۔ حیرت ہے کہ آپ کو کسی بندے کے پاس اپنے والدین کے تعارف کی ضرورت نہ ہو اور یہ گمان کیا جائے کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کو بارگاہ الٰہی میں تعارف کی ضرورت ہے؟ اللہ کریم نے مغفرت کی دعا سے منع فرما کر گویا یہی فرمایا کہ اے محبوب وہ تیرے والدین ہیں، انہیں تیرے والدین کریمین ہونے کا اعزاز ہم نے ہی عطا کیا ہے اور تیرے اکرام کو جاننے سمجھنے والے تیرے والدین کریمین کے لیے یہی کہیں گے کہ وہ تو مغفور ہیں انہیں ان کی مغفرت میں شبہ نہیں ہوگا۔ حضرت علامہ سید محمود آلوسی بغدادی نے کیا خوب فرمایا ہے کہ رسول کریم ﷺ نے والدین کریمین ان لوگوں سے بہت بہتر ہیں جو نبی پاک کے والدین کے ایمان کے منکر ہیں۔ (روح المعانی)

اپنے قارئین کے لئے اس روایت کے اصل الفاظ بھی نقل کرنا چاہتا ہوں تاکہ اس سے جو مسائل ثابت ہوتے اور جو حقائق واضح ہوتے ہیں، قارئین ان سے بھی آگاہ رہیں: حدیث شریف کی مشہور کتاب مسلم شریف کے (**باب فی زیارة القبور والاستغفار لهم**) میں روایت ہے: **عن ابی هريرة رضی الله تعالیٰ عنه قال، زار النبی ﷺ قبر امه، فبكی، وابكی من حوله، فقال ﷺ استاذنت ربی فی ان استغفرلها ، فلم ياذن لی، واستاذنته فی ان ازورقبرها فاذن لی ، فزوروا القبور فانها تذكر الموت۔**

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں نبی کریم ﷺ نے اپنی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت کی تو روئے اور رلایا انہیں جو ان کے ارد گرد تھے، پھر نبی پاک

ﷺ نے فرمایا میں نے اپنے رب سے اجازت چاہی کہ اپنی ماں کے لئے استغفار کروں (بخشش کی دعا کروں) تو مجھے اجازت نہیں دی گئی اور اجازت چاہی میں نے کہ ان (اپنی والدہ) کی قبر شریف کی زیارت کروں تو مجھے اجازت دی گئی۔ پس (اہل ایمان کی) قبروں کی زیارت کیا کرو کیوں کہ بے شک یہ (قبروں کی زیارت) موت یاد دلاتی ہے۔اس حدیث شریف میں غور فرمایئے:

بتایا گیا ہے کہ یہ واقعہ صلح حدیبیہ کا ہے، جب کہ رسول کریم ﷺ کے ساتھ ایک ہزار سے زیادہ صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم تھے۔ پہلی بات تو یہ معلوم ہوئی کہ والدین اور اہل ایمان کی قبروں کی زیارت کو جانا چاہئے اور یہ نبی پاک ﷺ کی سنت ہے اور قبروں کی زیارت کے لئے جانا بغیر سفر کے نہیں ہوتا، قریب ہو یا دور، سفر کرنا ہوگا تو زیارت قبور کے لئے سفر کو غلط کہنا سنگین غلطی ہے۔(☆)

نسبت و تعلق، قرابت و محبت کے سبب سے قبر کی زیارت کرتے ہوئے رونا آ جائے تو یہ غلط نہیں۔ زائر کے ساتھی اگر اس کے ساتھ شریک غم ہو جائیں اور نسبت محبت و عقیدت میں وہ بھی روئیں تو یہ بھی غلط فعل نہیں۔ یہ بھی ثابت ہوا کہ ماں باپ یا بزرگ ہستیوں کی قبروں کو اور ان کی شناخت کو قائم رکھنا غلط نہیں۔ یہ بھی معلوم ہوا کہ کوئی استاد اپنے شاگردوں یا پیر اپنے مریدوں کے ساتھ اپنے ماں باپ یا بزرگوں کی قبر کی زیارت کو جائے تو یہ قبر پر میلہ لگانا نہیں بلکہ درست فعل ہے اور اس حدیث شریف سے خاص طور پر نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت ثابت ہوتی ہے۔

اہل علم فرماتے ہیں کہ نبی پاک ﷺ اپنی والدہ ماجدہ کی جدائی و فراق میں روئے کہ آج وہ ظاہری حیات میں ہوتیں تو مجھے اور جو واقعات برکات میری ولادت کے وقت

☆زیارت قبور اور اس کے لیے سفر وغیرہ کی تفصیل، رسالہ قبر کے احکام و آداب میں ملاحظہ فرمائیں۔

انہوں نے دیکھے تھے، اس شان سے ان کا ظہور دیکھ کے خوش ہوتیں اور صحابہ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم نبی پاک ﷺ کی وجہ سے ان کی قرابت کی محبت و عقیدت میں روئے۔

وہ لوگ جو اپنے ذہنوں میں پاکیزگی اور اپنے دلوں میں عشق و محبت نہیں رکھتے وہ یہ کہتے ہیں کہ دعائے مغفرت سے منع کیا گیا تو اس کی وجہ یہ تھی کہ والدہ ماجدہ (معاذ اللہ) ایمان والی نہیں تھیں۔ اس بارے میں یہی عرض ہے کہ ایمان والا ہی عقل و شعور سے فیض یاب ہوتا ہے، جس کے پاس دین نہیں رہتا عقل بھی اس کا ساتھ چھوڑ جاتی ہے۔ وہ لوگ اس حدیث شریف میں غور نہیں کرتے، اگر والدہ ماجدہ ایمان والی نہ ہوتیں تو ان کی قبر کی زیارت کی اجازت بھی نہ ملتی کیوں کہ قرآن کریم میں کافروں منافقوں کی قبر پر کھڑے ہونے سے واضح طور پر منع فرمایا گیا ہے (ولا تقم علی قبرہ۔ سورۂ توبہ) تو رسول کریم ﷺ کو اپنی والدہ ماجدہ کی قبر شریف کی زیارت کی اجازت ملنا ثابت کرتا ہے کہ وہ بلاشبہ مومنہ تھیں۔ ان کے ایمان کے حوالے سے قارئین تمام تفصیل ملاحظہ فرما چکے ہیں۔ رہی یہ بات کہ استغفار کی اجازت نہیں دی گئی تو پہلی بات تو یہ ہے کہ استغفار سے منع کرنا ان کے کفر کو لازم نہیں کرتا اور مزید یہ کہ اہل فترت کو کسی نبی و رسول کی دعوت ہی نہیں پہنچی تو ان کے لئے استغفار کا تصور بھی نہیں، علاوہ ازیں استغفار کی اجازت نہ دینے کی وجہ یہ بھی بیان کی گئی ہے کہ کسی کو یہ وہم و گمان نہ ہو کہ (معاذ اللہ) والدین مصطفیٰ بدعقیدہ یا گناہ گار تھے اور کوئی یہ نہ کہہ سکے کہ خود نبی پاک ﷺ کے والدین کی بخشش و نجات بھی صرف دعا و استغفار ہی سے ہوئی۔ علمائے اسلام فرماتے ہیں کہ نابالغ بچوں کے لئے مغفرت کی دعا نہیں کی جاتی کیوں کہ وہ بے گناہ ہوتے ہیں اور دعائے مغفرت گناہ گار کے لیے ہوتی ہے۔ اور جیسا کہ علمائے اسلام نے کہا ہے کہ اگر نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے لئے دعائے مغفرت کی جاتی تو کوئی ان کے گناہ گار ہونے کا وہم کر لیتا اور اپنے حبیب کریم کے

والدین کے لئے اللہ تعالیٰ یہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی ان کے بارے میں ایسا گمان بھی کرے۔(واللہ اعلم)

شاید کسی کے ذہن میں یہ سوال ابھرے کہ قرآن کریم میں ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنے والدین کے لئے مغفرت کی دعا فرمائی اور کہا جاتا ہے کہ تمام انبیائے کرام علیہم السلام کے والدین ہرگز کافر و مشرک نہیں ہوتے تو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے والدین کے لئے مغفرت کی دعا کیوں ہوئی؟ اس کے جواب میں عرض ہے کہ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ انہوں نے اپنے چچا آزر کے لئے بھی استغفار کیا جس پر آزر کا سخت دشمن خدا ہونا ان پر واضح کیا گیا، اگر حضرت ابراہیم علیہ السلام اپنے والدین کے لئے دعا نہ فرماتے تو قرآن پڑھنے والے یہ شبہ کر سکتے تھے کہ آزر ہی والد تھا مگر حضرت ابراہیم کی اپنے والدین کے لئے دعا نے واضح کر دیا کہ آزر ہرگز ان کا والد نہیں تھا بلکہ چچا تھا اور اہل عرب چچا اور پرورش کرنے والے کو باپ کہتے ہیں۔ اس دعا کے بیان نے حقائق واضح کئے گویا ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس دعا کی ضرورت تھی اور ہماری تعلیم کے لئے بھی ضرورت تھی مگر نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کے بارے میں کسی منفی شبہے کی گنجائش بھی نہیں تھی۔ اور مجھے حیرت ہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کو مومن نہ ماننے والے شاید یہ خیال کئے بیٹھے ہیں کہ رسول کریم ﷺ کے والدین کے ایمان کے ثبوت کے لیے کسی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت ہے! ایسی کوئی ہستی امت میں نہیں کہ صرف اس کی گواہی پر ہی رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کو مومن مانا جائے، جس ہستی کا کلمہ پڑھ کر کوئی شخص مومن و مسلم ہوتا ہے یعنی خود رسول کریم ﷺ کی گواہی کے بعد کسی کے پاس کون سی قطعی دلیل یا صحیح و صریح حدیث ہے جس سے وہ رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے ایمان و اسلام کا انکار کرے۔ میرے نبی پاک ﷺ نے خود گواہی دے دی اور اپنے والدین کو

دین کی تکمیل کی آیت کے نزول کے بعد زندہ فرما کر اہل ایمان کی اس فہرست میں بھی ممتاز فرمادیا، اس کے بعد انکار کی گنجائش ہی نہیں رہی۔ اور یہ ان کی خصوصیت ہے کہ انہیں زندہ کر کے حضور نبی کریم ﷺ نے اپنا کلمہ بھی پڑھوادیا تاکہ انہیں اہل فترت ہونے کی وجہ سے ہی رعایت و مغفرت حاصل نہ ہو بلکہ وہ اہل ایمان میں نمایاں شامل ہوں اور برگزیدہ اولیاء شمار ہوں۔

اگر کوئی اسے ناممکن مانے تو اس کو اللہ تعالیٰ کی قدرت پر یقین نہیں اور وہ نہیں جانتا کہ صحیح احادیث میں ہے کہ کسی نبی کی دعا رد نہیں ہوتی اور ہمارے نبی پاک ﷺ تو اللہ تعالیٰ کے محبوب و مطلوب ہیں۔ قارئین کے ایمان کی تازگی اور پختگی کے لئے اس حوالے سے اپنے والد گرامی علیہ الرحمہ کی کتاب الذکر الحسین سے مزید کچھ اقتباس پیش کرتا ہوں، وہ فرماتے ہیں:

”علامہ عبدالرحمٰن سہیلی رحمتہ اللہ علیہ اپنی کتاب روض الانف میں رسول کریم ﷺ کے والدین کریمین کے زندہ ہو کر ایمان لانے کی حدیث نقل کر کے فرماتے ہیں: اور اللہ تعالیٰ ہر چاہے پر قادر ہے، اس کی رحمت اور اس کی قدرت کسی چیز سے عاجز نہیں ہے اور اس کے نبی پاک ﷺ اس بات کے اہل ہیں (یہ مرتبہ رکھتے ہیں) کہ اللہ تعالیٰ تعالیٰ اپنے فضل و انعام سے ان پر جو چاہے خصوصیت سے کرم فرمائے۔

علامہ حافظ شمس الدین محمد بن ناصر الدین دمشقی اپنی کتاب ”مورد الصادی بمولد الہادی“ میں فرماتے ہیں:

حبا الله النبی مزید فضل　　علی فضل و کان به روفا
فاحیا امه و کذا اباه　　لایمان به فضلا لطیفا
فسلم فالقدیم بذا قدیر　　وان کان الحدیث به ضعیفا

اللہ تعالیٰ نے اپنے محبوب نبی پاک ﷺ کو فضل پر مزید فضل عطا فرمایا اور اللہ

تعالیٰ آپ کے ساتھ رافت (بہت مہربانی) فرماتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی والدہ (حضرت سیدہ آمنہ) اور آپ کے والد (حضرت سیدنا عبداللہ) کو پھر زندہ فرمایا تاکہ وہ دونوں آپ پر ایمان لائیں، ان دونوں کو پھر زندہ کرنا اللہ تعالیٰ کا خاص فضل والطاف ہے تو احیائے والدین کریمین کے اس واقعے کو دل وجان سے مان لو، اللہ تعالیٰ اس بات (یعنی والدین کریمین کو زندہ کرنے اور انہیں ایمان دینے) پر قدرت رکھتا ہے، اگرچہ اس بارے میں بیان کی گئی حدیث ضعیف ہے۔

امام المفسرین محمد بن احمد بن ابی بکر جنہیں علامہ قرطبی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، اپنی کتاب "التذکرہ باموراالآخرہ" میں فرماتے ہیں: نبی کریم ﷺ کے فضائل وخصائص آپ کی وفات تک پے درپے، متواتر بڑھتے اور زیادہ ہی ہوتے رہے، یہ (آپ کے والدین کا پھر زندہ ہونا اور ایمان لانا) اسی فضل وکرم میں سے ہے جو اللہ تعالیٰ نے آپ پر فرمایا ہے اور آپ کے والدین کا پھر زندہ کیا جانا اور ایمان لانا، نہ عقلاً ممتنع ہے اور نہ ہی شرعاً (یعنی عقلی اور شرعی طور پر نہ ماننے والی یا ناممکن بات نہیں)، چناں چہ قرآن کریم میں آیا ہے کہ بنی اسرائیل کے قتل ہونے والے شخص کو زندہ کیا گیا اور اس نے زندہ ہو کر اپنے قاتل کی خبر دی اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام مردوں کو زندہ کیا کرتے تھے اور اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہمارے نبی کریم ﷺ کے ہاتھ پر بہت سے مردوں کو زندہ کیا ہے (بلکہ درخت کے بے جان سوکھے تنے کو صرف آپ کے لباس مبارک کے لمس سے قوت گویا عطا ہوئی)۔ جب یہ ثابت ہے تو پھر آپ کے والدین کے زندہ ہونے اور ایمان لانے کا انکار کیوں کر ہو سکتا ہے؟ بلکہ یہ واقعہ تو آپ کی فضیلت و مرتبت کو زیادہ کرتا ہے۔ (فرماتے ہیں کہ) یہ کہنا کہ جو شخص غیر مومن مرا ہو، اس کو دوبارہ زندہ ہو کر ایمان لانا نفع نہیں دے گا، یہ کلام مردود ہے، اس حدیث کے ساتھ جس میں یہ بتایا گیا ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی ﷺ پر سورج کو غروب ہونے کے بعد

لوٹایا (وادی صہبا میں جب کہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ کی نماز عصر قضا ہو گئی تھی)، امام طحاوی نے (مشکل الآثار میں) اس حدیث کو بیان کیا ہے اور فرمایا ہے کہ یہ حدیث ثابت ہے (یعنی صحیح ہے)۔ اگر آفتاب کا پلٹ آنا، نافع ومفید نہ ہوتا اور اس کے پلٹنے سے وقت کی تجدید نہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ سورج کو آپ پر واپس نہ لوٹاتا (یعنی گزرا ہوا وقت واپس نہ آتا تو سورج کو لوٹانا بے فائدہ ہوتا، چناں چہ حضرت علی نے بروقت نماز عصر ادا فرمائی) اسی طرح آپ ﷺ کے والدین کا زندہ ہو کر ایمان لانا ان کے لئے نافع ومفید ہوا اور نبی کریم کی تصدیق سے ان کا نفع ہوا۔" (مواہب لدنیہ، زرقانی ص ۱۷۱/۱، سبل الہدیٰ والرشاد، ص ۱۲۴/ ۲۔ رسائل تسع ص ۱۴۲/ ۲۰۴)

قارئین کرام! آپ اندازہ کرلیں کہ علم نافع رکھنے والے علمائے اسلام کی ایمانی بصیرت اور عقیدت ومحبت کا احوال کیا ہے اور ان کی یہ تحریریں ہمیں بتاتی ہیں کہ ایک مومن کا طرز فکر واستدلال کیا ہونا چاہئے۔ ہو سکتا ہے کوئی یہ کہنا چاہے کہ نبی کریم ﷺ کے والدین کے پھر زندہ ہونے اور ایمان لانے کے بیان والی حدیث شریف میں ضعف بتایا گیا ہے یعنی یہ حدیث ضعیف ہے، تو واضح کرنا چاہتا ہوں کہ ان کے ایمان میں شبہ کرنے والی روایات بھی صحیح وصریح نہیں بلکہ ضعیف ہی بتائی گئی ہیں اور ضعیف روایات کو احکام یا عقائد میں حجت نہیں مانا جاتا لیکن فضائل کے بیان میں ضعیف حدیث کو سبھی قبول کرتے ہیں اور یہ احیائے ابوین بلاشبہ نبی کریم کی فضیلت وفضائل کی بات ہے۔ چناں چہ ملاحظہ ہو: محدثین ومحققین نے جن احادیث کو ضعیف کہا ہے ان کے ضعف کی وجہ بھی بیان کی ہے اور مسائل وفضائل ہر دو کے بارے میں اصول و قواعد مختلف ہیں۔ اگر حدیث فی الواقع ضعیف ہو تو کسی بات کا واجب ہونا ثابت نہ ہوگا مگر مستحب یعنی پسندیدہ ہونا ثابت ہوگا اور فضائل میں تو سبھی ضعیف روایات کو قبول کرتے ہیں۔ کسی حکم، عمل یا بات کے وجوب واستحباب کے اثبات میں محدثین جو

حدیث پیش کرتے ہیں، اس حدیث شریف کا اصطلاحی درجہ بھی بیان کرتے ہیں، حدیث سے ناواقف یا حدیث کو کم تر سمجھنے والے جہلاء وغیرہ یہ تاثر دیتے ہیں کہ ضعیف حدیث سے مراد غلط یا جعلی حدیث نبوی ہے جب کہ ضعیف حدیث کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہوتا۔ امام ابن ہمام فتح القدیر میں واضح فرماتے ہیں کہ ضعیف کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ وہ حدیث باطل ہوتی ہے بلکہ ضعیف حدیث دراصل محدثین کی مقرر کردہ چند شرائط میں سے کچھ شرائط پر پوری نہ اترنے والی حدیث کو کہتے ہیں، اسناد میں روایت کے ضعف (کمزوری) کے باوجود وہ حدیث صحیح ہی ہوتی ہے۔ علمائے دیوبند میں مشہور جناب شبیر احمد عثمانی فرماتے ہیں کہ حدیث جعلی نہ ہو، ضعیف ہو تو بھی استحباب ثابت ہو جاتا ہے: والاستحباب یثبت بالضعیف غیر الموضوع۔ (مقدمہ فتح الملہم شرح مسلم) اور غیر مقلد اہل حدیث کہلانے والوں میں مشہور جناب نذیر حسین محدث فرماتے ہیں: حدیث ضعیف سے جو موضوع نہ ہو، استحباب و جواز ثابت ہوتا ہے۔ (فتاوی ثنائیہ بحوالہ فتاوی نذیریہ ج ا ص ۳۱۵)۔ نیل الاوطار میں جناب شوکانی بھی فرماتے ہیں کہ ضعیف روایات مل کر بلند مرتبہ ہو جاتی ہیں اور مستحب (پسندیدہ) اعمال میں کام دیتی ہیں...... ضعیف حدیث کی بنیاد پر کسی کو کافر و مشرک ہرگز نہیں کہا جاتا لیکن ضعیف روایت فضائل میں ضرور قبول کی جاتی ہے۔ حدیث پڑھنے والے جانتے ہیں کہ حدیث کے ماہرین نے حدیث کی صحت پرکھنے کیلئے کچھ اصول مقرر کئے ہیں۔ راوی (سن کر یا دیکھ کر بیان کرنے والے) کے حافظہ کی کمزوری کی وجہ سے حدیث کو ضعیف (کمزور) کہا جاتا ہے یا اصل الفاظ بیان کرنے کی بجائے اپنے لفظوں میں معنی بیان کرنے پر حدیث شریف کے راوی پر کلام کیا جاتا ہے، اس سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ وہ حدیث موضوع یا جعلی ہے۔

قارئین غور فرمائیں: قرآن کریم میں ہے کہ قرابت رسول کی محبت اہل ایمان پر

واجب ہے اور یہ بھی ہے کہ رسول کریم ﷺ کو ایذا پہنچانا ایسا سنگین جرم ہے جو لعنت و عذاب کا مستحق بنا دیتا ہے۔ آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں کہ ابولہب کی بیٹی (حضرت سبیعہ) کو جہنم کے ایندھن کی بیٹی کہہ کر پکارا گیا تو رسول کریم ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچی، حالاں کہ ابولہب کے بارے میں یہ شبہ بھی نہیں ہو سکتا کہ وہ جہنم کا ایندھن نہیں مگر اس کی مسلمان ہو جانے والی بیٹی کو کافر باپ کی نسبت سے طنز و طعن کے طور پر پکارنا باعث اذیت ٹھہرا، تو اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے مومن والدین کریمین کے بارے میں بے ادبی کے مرتکب ہوتے ہیں وہ نبی پاک ﷺ کو کس قدر اذیت پہنچاتے ہیں۔

مشہور واقعہ ہے کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے عہد خلافت میں ایک منافق شخص جو ایک علاقہ کی مسجد کا امام بنا ہوا تھا، روزانہ صرف ایک ہی سورت پڑھتا، اس کا صرف اسی ایک سورت کو پڑھنا دراصل اس کی بری نیت اور بے ادبی کے سبب سے تھا۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ کو اس کی خبر ہوئی تو آپ نے اس منافق کو بلایا اور اس سے پوچھا، اس امام کے جواب سے واضح ہو گیا کہ وہ پکا منافق ہے، چناں چہ حضرت عمر نے اس شخص کے قتل کا حکم دیا کیوں کہ بے ادبی کی نیت سے قرآن پڑھنا کفر ہے۔ قارئین بخوبی جان لیں گے کہ وہ منافق شخص قرآن ہی پڑھتا تھا مگر بے ادبی کی اور بری نیت سے پڑھتا تھا۔ حضرت سبیعہ کو جو لوگ جہنم کے ایندھن کی بیٹی کہہ کے پکارتے وہ بھی قرآن ہی کی خبر کے مطابق کہتے مگر طنز و طعن اور تحقیر و اہانت کے طور پر کہتے تھے، تو جو لوگ نبی کریم ﷺ کے والدین کریمین کو (معاذ اللہ) غیر مومن یا غیر جنتی کہتے ہیں وہ تو قرآن کے مطابق بھی نہیں کہتے تو انہیں جان لینا چاہئے، کہ رسول کریم ﷺ کا معاملہ بہت نازک ہے، ان کی بے ادبی و گستاخی کی نیت سے قرآن پڑھنا یا ان کی چچازاد بہن کو طنز و طعن سے پکارنا سنگین جرم اور ایذائے رسول کا باعث

ہے تو نبی کریم ﷺ کے مقدس والدین کریمین کا ذکر گستاخی و بے ادبی کے لہجہ والفاظ میں کرنا کس قدر شدید تکلیف واذیت کا موجب ہوگا اور ایذائے رسول نہایت مہلک جرم ہے جس کے مرتکب کے لئے لعنت وعذاب کی خبر قرآن نے دی ہے۔

قارئین کرام! سراج منیر شرح جامع صغیر ص ۲۷۹/ ۳ میں ہے، حضرت سیدنا علی کرم اللہ وجہہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا: جس نے میرے ایک بال کو بھی اذیت پہنچائی اس نے درحقیقت مجھے اذیت پہنچائی اور جس نے مجھے اذیت پہنچائی دراصل اس نے اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچائی۔

مزید ملاحظہ فرمائیں: مسلم شریف میں حدیث شریف ہے: حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ تعالیٰ عنہ (المتوفی ۵۵ھ) فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اللہ تعالیٰ اس کو اس طرح پگھلائے گا جس طرح نمک پانی میں گھل جاتا ہے۔ اور اسی مسلم شریف میں دوسری روایت یوں ہے کہ جو شخص بھی اہل مدینہ کے ساتھ برائی کا ارادہ کرے گا اس کو اللہ تعالیٰ دوزخ کی آگ میں رانگ کی طرح پگھلائے گا۔ اور سراج منیر ص ۲۸۰/ ۳ میں ہے، حضرت عبد اللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا جو اہل مدینہ کو اذیت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو اذیت دے گا اور اس پر اللہ تعالیٰ اور فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت ہے، اس شخص کا نہ فرض قبول ہوگا نہ نفل۔

اندازہ کیا جائے نبی کریم ﷺ کے ایک بال مبارک کو اذیت پہنچانا رسول کریم ﷺ کو اور اللہ تعالیٰ کو اذیت پہنچانا ہے یہی نہیں بلکہ نبی پاک ﷺ کے شہر مقدس میں ان کے پڑوسیوں کو صرف ایذا دینا ایسا جرم قرار دیا گیا کہ اس پر اللہ تعالیٰ، فرشتوں اور تمام انسانوں کی لعنت کی وعید سنائی گئی اس کے بعد وہ لوگ جو نبی کریم ﷺ کے مومن اور جنتی والدین کریمین کے لئے نامناسب طرز بیان یا کھلی بے ادبی کے مرتکب ہوں

ان کی بدبختی اور برے انجام میں کیا شبہ ہو سکتا ہے؟

علمائے اسلام نے واضح فرمایا ہے کہ جو کوئی نبی پاک ﷺ کی مبارک نعلین (مقدس جوتیوں) کو "جتڑی" اور ان کے لباس مبارک کو حقارت سے میلا کہہ دے، وہ سخت بے ادبی کا مرتکب ہونے کی وجہ سے اپنا ایمان ضائع کر دیتا ہے۔ ہوش اور احتیاط سے کام لینا چاہئے کہ یہ نبی کریم ﷺ کے مقدس و محترم والدین کریمین کا معاملہ ہے۔ کوئی خود کو علامہ وفہامہ ثابت کرنے کے لئے اگر گستاخی و بے ادبی کے لہجے اور سنگین الفاظ میں نبی پاک ﷺ کی نسبتوں کی توہین کرتا ہے تو وہ اپنے علم و ہنر سے خود اپنے لئے تباہی کا سامان کرتا ہے، ایسی بات سے سکوت بہتر ہے، کیا فائدہ ایسی گفتگو و تحریر کا جو اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کریم ﷺ کی ناراضی واذیت کا باعث ہو جائے۔

رسول کریم ﷺ اللہ کریم کے وہ محبوب ہیں کہ ان کی بارگاہ کے آداب خود اللہ کریم نے تعلیم فرمائے ہیں، ان کی بارگاہ میں صرف آواز کا اونچا کرنا عمر بھر کے نیک اعمال کی بربادی کا سبب ہو جاتا ہے اور ان کے حوالے سے معمولی سی بے ادبی، دین و ایمان سے محروم کر دیتی ہے اور شدید عذاب کا مستحق بنا دیتی ہے۔ جن لوگوں نے نبی کریم ﷺ کے والدین کے ایمان میں شک وشبہے کی بات ہے انہوں نے اجتہادی خطا کی اور تحقیق کے تمام مرحلے پورے نہیں کیے، میں گمان کرتا ہوں کہ ایسے لوگوں کا یہ فعل، ان کی اس بارے میں مکمل تحقیق سے ناواقفی کا نتیجہ اور شدید اجتہادی خطا تھا۔ اللہ کریم ہمیں ایمان پر استقامت اور ادب کی توفیق عطا فرمائے۔

قارئین جانتے ہوں گے کہ ابولہب (عبد العزی) نے اپنی لونڈی ثویبہ سے اپنے مرحوم بھائی حضرت عبد اللہ کے ہاں فرزند کی ولادت کی نوید سن کر خوشی سے اس لونڈی کو آزاد کر دیا تھا۔ رسول کریم ﷺ نے اعلان نبوت فرمایا تو ابولہب دشمن ہو گیا، کفر پر مرا اور جہنم کا ایندھن ہونے کی بشارت اسے دنیا ہی میں ملی، اس کے باوجود بخاری

میں موجود روایت کے مطابق ابو لہب نے صرف بھتیجا سمجھ کر میلاد مصطفیٰ کی خوشی منائی تو اسے اس خوشی منانے کا فیض ہر پیر کے دن اب بھی قبر میں ملتا ہے۔ (سبل الہدیٰ والرشاد، ص۳۶۷/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۱۴۹/۱) اندازہ کیا جائے کہ ثوبیہ کو تو ولادت کے خوش خبری دینے کی وجہ سے غلامی سے آزادی مل جائے، اور ابولہب کو صرف بھائی کا بیٹا سمجھ کر اس کی ولادت کی خوشی منانے کا فیض ہر ہفتے ملے تو ہم جان لیں کہ رسول کریم ﷺ کی والدہ محترمہ نے تو متعدد بشارتیں پائیں کہ ان کے شکم اقدس میں نبیوں کا نبی ﷺ ہے، انہوں نے دودھ پلایا، محبت سے کچھ برس پالا اور ان کے اپنے جس قدر ارشادات ہیں وہ گواہ ہیں کہ وہ نہ صرف اپنے فرزند کے نبی ہونے سے باخبر تھیں بلکہ اس پر بہت خوش تھیں، پھر ان کے بارے میں یہ کیسے گمان کیا جا سکتا ہے کہ (معاذ اللہ) وہ جنتی نہیں؟ (رسائل تسع ص۱۵۹)۔ ان کی ظاہری دنیوی حیات میں انہیں دعوت بھی نہیں دی گئی یعنی نبی پاک ﷺ نے ان پر اپنی نبوت پیش بھی نہیں کی اور سیدۂ عالم کا انکار بھی ثابت نہیں بلکہ بغیر دعوت کے ہی ان کے تمام اقوال سے اقرار ظاہر ہے اور ان کے آخری کلمات، اقرار توحید اور رد شرک میں بالکل واضح ہیں اور ان کے دین ابراہیمی پر ہونے اور بت پرستی سے پاک ہونے کی گواہی دیتے ہیں۔

جناب اشرفعلی تھانوی اپنی کتاب نشر الطیب (مطبوعہ دارالاشاعت دیوبند) کے ص۱۷ پر لکھتے ہیں: "آپ کی والدہ ماجدہ حضرت آمنہ بنت وہب سے روایت ہے کہ جب آپ حمل میں آئے تو ان کو خواب میں بشارت دی گئی کہ تم اس امت کے سردار کے ساتھ حاملہ ہوئی ہو، جب وہ پیدا ہوں تو یوں کہنا: **اعیذہ بالواحد من شر کل حاسد**۔ اور ان کا نام محمد (ﷺ) رکھنا۔" (سبل الہدی والرشاد ص۳۲۸/۱۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص۸۳/۳۔ الروض الانف، ص۱۸۰/۱۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۸۲/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۷۵، ۸۰، ۹۱/۱)۔ ص۱۸ پر فرماتے ہیں: "محمد بن سعد نے

ایک جماعت سے حدیث بیان کی، اس میں عطاء اور ابن عباس بھی ہیں کہ حضرت آمنہ بنت وہب (آپ کی والدہ ماجدہ) کہتی ہیں کہ جب آپ یعنی نبی ﷺ میرے بطن سے جدا ہوئے تو آپ کے ساتھ ایک نور نکلا جس کے سبب مشرق و مغرب کے درمیان سب روشن ہو گیا۔" (سیر اعلام النبلاء ص۳۵/۱۔ خلاصہ سیر سید البشر، ص۲۹۔ تاریخ مدینۃ دمشق، ص۷۹/۳۔ رسائل تسع، ص۵۹۔ سبل الہدی والرشاد ص۳۴۲/۱)

"پھر آپ زمین پر آئے اور دونوں ہاتھوں پر سہارا دئے ہوئے تھے، پھر آپ نے خاک کی ایک مٹھی بھری اور آسمان کی طرف سر اٹھا کر دیکھا۔ ف: اسی نور کا ذکر ایک دوسری حدیث میں اس طرح ہے کہ اس نور سے آپ کی والدہ نے شام کے محل دیکھے، حضور ﷺ نے اسی واقعہ کی نسبت خود ارشاد فرمایا ہے: "**ورویا امی التی رات**۔" (سیر اعلام النبلاء ص۳۶/۱۔ سبل الہدی والرشاد ص۳۴۱/۱۔ رسائل تسع ص۵۹۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۸۰/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۷۷/۱)" اور اس میں یہ بھی آپ کا ارشاد ہے: **وکذلک امہات الانبیاء یرین**۔ یعنی انبیاء علیہم السلام کی مائیں ایسا ہی نور دیکھا کرتی ہیں۔ **اخرجہ احمد والبزار والطبرانی و الحاکم والبیہقی عن العرباض بن ساریہ و قال الحافظ ابن حجر صححہ ابن حبان والحاکم کذا فی المواہب**۔" (تاریخ مدینۃ دمشق، ص۱۶۸/۱)

ص۲۱ پر لکھتے ہیں "حضرت عائشہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) سے مروی ہے کہ ایک یہودی مکہ میں آرہا تھا، سو جس شب میں حضور ﷺ پیدا ہوئے اس نے کہا اے گروہ قریش کیا تم میں آج کی شب کوئی بچہ پیدا ہوا ہے؟ انہوں نے کہا ہم کو معلوم نہیں، کہنے لگا کہ دیکھو کیوں کہ آج کی شب اس امت کا نبی پیدا ہوا ہے، اس کے دونوں شانوں کے درمیان میں ایک نشانی ہے (جس کا لقب مہر نبوت ہے) چناں چہ قریش نے اس کے پاس سے جا کر تحقیق کیا تو خبر ملی کہ حضرت عبد اللہ بن عبد المطلب کے ایک لڑکا پیدا

ہوا ہے۔ وہ یہودی آپ کی والدہ کے پاس آیا انہوں نے آپ کو ان لوگوں کے سامنے کر دیا، جب اس یہودی نے وہ نشانی (مہر نبوت) دیکھی تو بے ہوش کر گر پڑا اور کہنے لگا کہ بنی اسرائیل سے نبوت رخصت ہوئی۔ اے گروہ قریش سن رکھو، واللہ یہ تم پر ایسا غلبہ حاصل کریں گے کہ مشرق و مغرب سے اس کی خبر شائع ہو گی۔ روایت کیا اس کو یعقوب بن سفیان نے اسناد حسن سے یہ فتح الباری میں کہا ہے کذا فی المواہب۔"

(تاریخ مدینۃ دمشق، ص۱۱۷/۳۔ دلائل النبوۃ بیہقی، ص۱۰۸/۱۔ حیاۃ الحیوان، ص۲۱۵/۲۔ سبل الہدیٰ والرشاد، ص۳۳۹/۱۔ سیرۃ حلبیہ، ص۱۱۲/۱) الشمامتہ العنبریہ من مولد خیر البریہ (۱۳۰۵ھ) مولفہ نواب صدیق حسن خاں بھوپالی کے ص۷ تا ۱۰ میں بھی یہ روایات درج ہیں۔

(خصائص کبریٰ از امام سیوطی، مواہب لدنیہ از امام قسطلانی، زرقانی از امام زرقانی، شواہد النبوۃ از مولانا جامی میں دیگر مفصل روایات بھی ہیں جنھیں میرے والد گرامی علیہ الرحمہ نے اپنی کتاب الذکر الحسین میں نقل فرمایا ہے)۔

ان مختصر روایات کا تذکرہ اس لئے کیا ہے کہ قارئین اندازہ کریں کہ نبی کریم ﷺ کی والدہ ماجدہ سیدۂ عالم حضرت آمنہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا و سلام اللہ علیہا کے ارشادات واضح کرتے ہیں کہ انھیں بشارت دی گئی کہ وہ کس ہستی کی والدہ ہونے کی سعادت پا رہی ہیں (ان واقعات کو دیوبندی وہابی علماء بھی وثوق سے نقل کر رہے ہیں)۔ غور کیا جائے کہ والدہ ماجدہ ان بشارتوں کا ذکر کتنی مسرت سے فرماتی ہیں اور حضرت حلیمہ سے فرماتی ہیں کہ میرے اس بیٹے کی خاص شان ہے اور ولادت سے قبل اور ولادت کے وقت ظہور پانے والے واقعات سناتی ہیں۔ کیا یہ سب اس بات کی گواہی نہیں ہیں کہ وہ سمجھتی تھیں کہ ان کا بیٹا نبی آخر الزمان ہے، اسی لئے بوقت وفات فرماتی ہیں **فانت مبعوث الی الانام** تو سارے جہان کی طرف مبعوث ہوا ہے یعنی رسول بنا کر بھیجا گیا

ہے، میں تو یہی کہوں گا کہ اس محترم و مکرم اور مقدس و مطہر خاتون کے ایمان کے اتنے شواہد کے ہوتے ہوئے ان کے ایمان میں شبہ کرنے والے اپنے ایمان کی فکر کریں۔

یہ فقیر ایمانی و روحانی مسرت محسوس کر رہا ہے کہ اسے نبی کریم ﷺ کے مبارک والدین کریمین، مومن و مسلم والدین کریمین، جنتی اور بارگاہ الٰہی میں مقبول و برگزیدہ والدین کریمین رضی اللہ تعالیٰ عنہما و سلام اللہ علیہما کے بارے میں یہ عاجزانہ ہدیہ محبت پیش کرنے کی سعادت حاصل ہوئی ہے، مجھے یقین ہے کہ میرے محبوب کریم رؤف و رحیم آقا حضور رحمتہ للعالمین ﷺ میرا ہدیہ قبول فرمائیں گے اور محشر میں میرے والدین کو اور مجھے اپنی شفاعت سے نوازیں گے۔

مجھ سے اس تحریر میں کوئی بھول چوک ہوئی ہو یا طرز بیان میں کوئی خطا ہوئی ہو اس کے لئے اللہ کریم سے طالب عفو و مغفرت ہوں، اللہ کریم میرے تمام معاصی سے درگزر فرمائے اور دارین میں میرا بھرم اور مجھ پر اپنا کرم رکھے، آمین بجاہ طه و یس

صلی اللہ تعالیٰ علیہ و علی ابیہ و امہ و آلہ و بارك وسلم اجمعین

بندہ! کوکب نورانی اوکاڑوی غفرلہ

محرم الحرام ۱۴۲۰ھ

کراچی۔

☆☆☆☆☆

قبر